تنزیل من الرحمن الرحیم
تفسیر قرآن
تفسیر ماجدی
جلد چہارم، پنجم
سورۃ الشعراء - سورۃ یٰس
از
مولانا عبدالماجد دریابادی
رحمۃ اللہ علیہ
مجلس نشریات قرآن

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیرِ قرآن

تفسیرِ ماجدی

جلد چہارم، پنجم

(سُوْرَۃُ الشعراء — سُوْرَہ یٰسٓ)

مولانا عبد الماجد دریابادی

مجلسِ نشریاتِ قرآن

۱۔کے ۳۰ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد نمبر ا کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

(تفسیر ماجدی جلد چہارم/پنجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد.

مفسر جلیل مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر ''تفسیر ماجدی'' کی پانچویں جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر ومسرت کے ساتھ ندامت اور شرمندگی کے متضاد احساسات ہم محسوس کر رہے ہیں، فخر ومسرت اس بات پر کہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے اولین اور بنیادی مقاصد میں یہ بات تھی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے ایسا پُر مغز اور صالح لٹریچر پیش کرنا جو دین کی بنیادیں از سر نو دل ودماغ میں راسخ کرے، ہر زمانے میں نوع انسانی کی قیادت پر نئی نسل کے اعتماد کو بحال کرے، مغرب کی شک آفریں تہذیب نے ایمان ویقین کی جو بنیادیں ہلا دی ہیں ان کو پھر سے مستحکم کرے، مولانا عبدالماجد دریابادی کی پوری زندگی ان ہی مقاصد کے لیے وقف تھی، ان کی تمام تصنیفات عام طور سے اور تفسیر ماجدی خاص طور سے مجلس کے ان بنیادی مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ ندامت اور شرمندگی کا احساس اس لیے ہے کہ چوتھی اور پانچویں جلد کی اشاعت کے درمیان بڑا طویل وقفہ ہے، اس غیر معمولی تاخیر کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

مولانا دریابادی کی بنیادی خصوصیت اور ان کا امتیاز یہ تھا کہ ان کا مطالعہ تازہ اور معلومات جدید ترین ہوا کرتی تھیں، وہ قرآن مجید کی تفسیر میں ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے، مولانا مرحوم نے آخری وقت تک قرآنی تفسیر کے سلسلے میں جو نئی معلومات حاصل کیں وہ انھوں نے بڑی محنت سے جمع کیں، پھر اس کو اختصار کے ساتھ ضروری سمجھ کر اضافے کیے، ان کے مسودات جب مجلس کو حاصل ہوئے تو ان نئے اضافوں کو اپنی جگہ لگا دیا گیا جو بڑے اہم اور قیمتی تھے۔

پہلے مولانا نے تفسیر کے مراجع کے ناموں کا صرف حوالہ دینے پر اکتفا کیا تھا، اس جلد کی تیاری میں حوالوں کے اجزاء اور صفحات بھی متعین کیے گئے، اس طرح اصل عربی عبارتوں کا مآخذ سے مقابلہ بھی ہوگیا۔

اس جلد کے آخر میں انڈکس (اشاریہ) بھی دیا گیا ہے، چھٹی اور ساتویں جلد میں بھی ان شاء اللہ ان خصوصیات کا لحاظ رکھا جائے گا۔

مجلس کے رفیق مولوی محمد مستقیم محتشم ندوی نے جس طرح شب وروز اس جلد کی تیاری میں محنت کی ہے اس کا صلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، استاذ دار العلوم مولوی فیصل احمد ندوی بھٹکلی نے بعض نصوص کی تحقیق اور پروف کی تصحیح میں تعاون کیا۔ آخر میں مجلس تحقیقات کے صدر عالی قدر کے پیش لفظ کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مولانا دریابادی کی خواہش کے مطابق پوری تفسیر کو قرآن کی سات منزل کے مطابق سات جلدوں میں شائع کیا جارہا ہے۔

بقیہ دو جلدوں پر کام ہورہا ہے، امید قوی ہے کہ یہ دونوں حصے بھی ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

ناشر

۲۹ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

مطابق ۱۶ر جنوری ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حامداً للّٰہ رب العالمین ومصلیاً ومسلما علی خاتم النبیین محمد بن عبداللّٰہ رحمة للعالمین.

امت محمد یہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کو دوسری امتوں پر ایک بڑی فضیلت یہ عطا کی گئی کہ اس کی ہدایت ورہنمائی کے لیے جو صحیفۂ سماوی دیا گیا وہ سارے صحف سماویہ پر حاوی اور حال و مستقبل کی ضرورتوں کے لحاظ سے جامع اور مکمل صحیفہ کی حیثیت میں دیا گیا، اور تا قیامت اس کی حفاظت کا فیصلہ کیا گیا تا کہ وہ دنیا کے بقاء کی حد تک رہنمائی کرتا رہے۔

قرآن مجید کی یہ رہنمائی دراصل ان لوگوں کے لیے مفید بنائی گئی جو اس کو تسلیم کریں اور اس کو آسمانی ہدایت کا اصل ذریعہ سمجھیں چنانچہ خود کلام الٰہی قرآن مجید کے ذکر کے ساتھ فرمایا گیا کہ "ھُدیً لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلَاۃَ.."(سورہ بقرہ: ۲، ۳) (کہ یہ ان احتیاطی زندگی گزرانے والوں کے لیے ہدایت ہے، جو غیب کی باتوں کو دل سے مانتے ہوں اور نماز کو قائم کرتے ہوں....)

اس طرح یہ بات بتادی گئی کہ اس کتاب ہدایت سے اصلاً اہل ایمان کو فائدہ ملے گا جو کہ اس کو مانتے ہوں اور اس سے ملنے والی ہدایت کو اپنی زندگیوں کے لیے دستور ہدایت سمجھتے ہوں۔

اس اظہار حقیقت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ رب العالمین کا کوئی بھی ماننے والا خواہ عربی ہو یا عجمی ہو، شرقی ہو یا غربی ہو اس دستور حیات سے مستغنی نہیں، اس کو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کتاب مجید کے احکام کو جاننا اور اس سے فیض اٹھانا ضروری ہے، بلاواسطہ کے لیے اس کتاب مجید کی زبان سے جو کہ عربی ہے واقف ہونا ضروری ہے، اور بالواسطہ کے لیے اس سے بلاواسطہ استفادہ کرنے والے کسی انسان کے ذریعہ یا اس کے مضامین ومعانی کو دوسری زبان میں ترجمہ کرکے پیش

کردہ معانی و مضامین سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اسی مقصد کے لیے قرآن مجید کے معانی کی ترجمانی وتشریح مختلف زمانوں میں انجام دی گئی، ان زمانوں میں دیگر زبانوں کے ساتھ اردو زبان کو بھی یہ خوبی حاصل ہوئی، یہ ترجمانی ہندوستان کے فاضل جلیل وعالم وادیب مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی انجام دی، انھوں نے اپنی اس ترجمانی میں لفظ وعبارت کے اعتبار سے جو احتیاط ممکن العمل تھی وہ احتیاط کی، انھوں نے قرآن مجید میں گزشتہ قوموں، خاص طور پر بنی اسرائیل کے تعلق سے جو باتیں آئی ہیں ان کو ان کے اصل حوالوں کا مطالعہ کرکے ان کو بھی اپنی تشریح وتفسیر میں پیش کیا ہے، اور اس طرح معلومات کو زیادہ واضح اور مفید طریقہ سے پیش کرنے کی کوشش کی جس کی علوم قرآن کے دیگر ماہرین نے بھی ستائش کی ہے، انھوں نے اردو کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی یہ کام انجام دیا ہے، انگریزی میں کئے گئے ترجمہ وتفسیر کو ہماری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ پہلے ہی شائع کرچکی ہے۔

مجلس اردو میں ان کے ترجمہ وتفسیر کی چار جلدیں اب تک شائع کرچکی ہے، اب یہ پانچویں جلد اس کے متن کی ضروری خدمت کے بعد پیش کی جارہی ہے جو ''سورۂ شعراء، سورۂ نمل، سورۂ قصص، سورۂ عنکبوت، سورۂ روم، سورۂ لقمان، سورۂ سجدہ، سورۂ احزاب، سورۂ سبا، سورۂ فاطر اور سورۂ یٰسٓ'' کے ترجمہ وتفسیر پر مشتمل ہے۔

امید ہے کہ گزشتہ جلدوں کو جو قبولیت حاصل ہوئی، اس جلد کو بھی وہ مقبولیت حاصل رہے گی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے ذمہ دار اپنے پروردگار کے شکرگزار ہیں کہ اس کے کلام مقدس کی بابیں صورت کچھ خدمت انجام دینے کی ان کو سعادت ملی، خصوصاً جناب سعید دامودی کے ہم شکرگزار ہیں جن کا تفسیر ماجدی کی طباعت واشاعت میں بڑا حصہ ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

۱۴؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۱۰ء

(۲۶)

سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ

سورۃ شعراء مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

طا۔سین۔میم ۱ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ شاید کہ آپ ان کے ایمان نہ

نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ

لانے پر جان دے دیں گے ۲ ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے

۱ کہا گیا ہے کہ ط سے اشارہ ہے طرب قلوب عارفین کی طرف، اور س سے سرورِ محبین کی طرف، اور م سے مناجات مریدین کی طرف۔

الطاء إشارة إلى طرب قلوب العارفين، والسين سرر المحبين، والميم مناجاة المريدين. (كبير، ج ٢٤ /ص:١٠٣)

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ ط "ذی الطول" کا مخفف ہے اور س "قدوس" کا اور م "رحمن" کا۔

عن محمد بن كعب أنه قال فى هذا الطاء من ذى الطول والسين من القدوس والميم من الرحمن (روح، ج ١٩ /ص:٥٨)

حروف مقطعات پر حاشیہ سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا۔

۲ یعنی آپ کے غم و تاسف سے معلوم کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک نقشہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غم خواری اور دل سوزی کا شدید منکروں اور کٹر کافروں تک کے لیے!

قرآن کریم نے آپ کو سمجھایا ہے کہ اس قدر غم و تاسف بے کار ہے، ہمارا کام تو اثبات حق کے

السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۞ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

کوئی (ایسا) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں ۳ اور ان کے پاس کوئی بھی

ساتھ صرف دلائل صحیح وواضح کا نازل کردینا ہے، باقی ایمان لانا نہ لانا، یہ خودلوگوں کے اختیار کی چیز ہے۔

تلك اشارۂ بعید ہے لیکن یہاں مقصود علو منزلت کا اظہار ہے۔

إشارة إلى السورة، وما في ذلك من معنى البعد للتنبيه على بعد منزلة المشار إليه في الفخامة. (روح، ج۱۹/ص:۵۸)

صاحب روح المعانی نے آیت سے دو امر اخذ کیے ہیں: ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کے ایمان پر حرص حکم تکوینی کے معارض نہیں۔ (روح، ج۱۹/ص:۵۹)

اور عارف تھانویؒ نے آیت کے ذیل میں فرمایا ہے کہ

(۱) شیخ کو شفقت میں اعتدال مناسب ہے، جو ہدایت نہ پائے اس پر حزن نہ کیا جائے۔

(۲) کسی کی اصلاح شیخ کے اختیار وقدرت وتصرف میں نہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۷۰)

۳ (اور انھیں چار و ناچار ایمان لاتے ہی بنے)

إن نشأ۔ یعنی اگر مشیت یہ ہو کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں، تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا کھلا ہوا نشان دکھا دیا جاتا، جس کے بعد تردد وتامل، رد وانکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی، اور سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ومضطر ہوجاتے۔ لیکن پھر یہ عالم ابتلا باقی نہ رہتا، یہاں تو مقصود ہی ان کی قوت اختیار کا امتحان ہے، اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنے ارادے کو صحیح مصرف میں لاتا ہے۔

محقق تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب بیان کیا ہے کہ تصرف باطنی میں بھی ایک شان جبر اور زبردستی کی ہے، اس لیے مشائخ محققین سلوک وارشاد میں اسے پسند نہیں کرتے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۷۰)

السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِیْنَ ۞ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ

کوئی (ایسا) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں ۳ اور ان کے پاس کوئی بھی

ساتھ صرف دلائل صحیح وواضح کا نازل کردینا ہے، باقی ایمان لانا نہ لانا، یہ خود لوگوں کے اختیار کی چیز ہے۔

تلك اشارۂ بعید ہے لیکن یہاں مقصود علو منزلت کا اظہار ہے۔

إشارة إلى السورة، ومافي ذلك من معنى البعد للتنبيه علىٰ بعد منزلة المشار إليه في الفخامة. (روح، ج۱۹/ص:۵۸)

صاحب روح المعانی نے آیت سے دو امر اخذ کیے ہیں: ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کے ایمان پر حرص حکم تکوینی کے معارض نہیں۔ (روح، ج۱۹/ص:۵۹)

اور عارف تھانویؒ نے آیت کے ذیل میں فرمایا ہے کہ

(۱) شیخ کو شفقت میں اعتدال مناسب ہے، جو ہدایت نہ پائے اس پر حزن نہ کیا جائے۔

(۲) کسی کی اصلاح شیخ کے اختیار وقدرت وتصرف میں نہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۷۰)

۳ (اور انھیں چار و ناچار ایمان لاتے ہی بنے)

إن نشأ۔ یعنی اگر مشیت یہ ہو کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں، تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا کھلا ہوا نشان دکھادیا جاتا، جس کے بعد تردد وتامل، رد وانکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی، اور سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ومضطر ہوجاتے۔ لیکن پھر یہ عالم ابتلا باقی نہ رہتا، یہاں تو مقصود ہی ان کی قوت اختیار کا امتحان ہے، اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنے ارادے کو صحیح مصرف میں لاتا ہے۔

محقق تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب بیان کیا ہے کہ تصرف باطنی میں بھی ایک شان جبر اور زبردستی کی ہے، اس لیے مشائخ محققین سلوک وارشاد میں اسے پسند نہیں کرتے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۷۰)

ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ

تازہ فہمایش (خدائے) رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں، چنانچہ یہ جھٹلا کر رہے ۴

كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى

پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کرتے رہے ہیں۔ ۵ کیا انھوں نے زمین کو نہیں

الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر روئیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں! بے شک اس کے اندر ایک (بڑی) نشانی ہے ۶

۴ (پیامِ حق، اور پیامبر برحق دونوں کو)

یہ تکذیب انتہائی درجہ ہے اسی ابتدائی اعراض اور بے اعتنائی کا، پھر تکذیب بھی جب استہزاء کے ساتھ ملا ہوا ہو! جرم کے یہاں تینوں مرتبے بیان کر دیے گئے ہیں: پہلے اعراض پھر تکذیب اور پھر استہزاء۔

محدث۔ ذکر رحمانی کے لیے یہاں جو صفت ''محدث'' کی آئی ہے یہ حدوث ذات باری وصفات باری کے اعتبار سے، کہ وہ قدیم ہیں ممتنع ہے، اور وہ یہاں مراد بھی نہیں۔ البتہ باعتبار مخلوق بالکل جائز ہے، اور وہی یہاں مراد ہے، اور یہیں سے معتزلہ کے قول کی کمزوری معلوم ہوگئی، جنہوں نے محدث کو ذکر من الرحمن سے متعلق کر کے، اور اس کے اتیان [لانے کو] کو قرآن کے مخلوق وحادث ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہا ہے۔

من ذکر۔ من زائدہ ہے تاکید عموم اور نفی کو زوردار بنانے کے لیے۔

من مزیدة لتاكيد العموم. (روح، ج ۱۹ / ص: ۶۱)

۵ یعنی موت اور قیامت کے وقت انھیں ایک ایک حقیقت کا انکشاف ہو کر رہے گا۔ سیأتیھم۔ میں س کے ''عنقریب'' سے مراد یہی وقت ہے۔

۶ (ہمارے کمال قدرت اور توحید کی)

فن نباتات میں اگر گہری نظر ہو اور نباتاتی حکمتیں اور صناعیاں پیش نظر ہوں، تو ممکن نہیں کہ دل صانع مطلق کی یکتائی پر گواہی نہ دے اٹھے۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾

لیکن ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا پروردگار (بڑا) غالب ہے (بڑا) رحیم ہے۔ ۷ اور (انھیں

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ

اس وقت کا قصہ یاد دلائیے) ۸ جب آپ کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ

أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ

کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے؟ وہ بولے کہ اے میرے پروردگار! مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے ۹ اور میرا سینہ تنگ ہونے

لآیۃ۔ آیۃ (پر تنوین) سے مراد عظیم الشان نشانی ہے، جس کے بعد ایمان واجب ہو جاتا ہے۔

آیۃ عظیمۃ دالۃ علیٰ مایجب علیھم الإیمان بہ. (روح، ج ۱۹/ص: ۶۲)

۷ (اور اس کی رحمت عامہ دنیا میں کافروں سے بھی متعلق ہے، اس لیے باوجود کمال قدرت انتقام اس نے انھیں مہلت دے رکھی ہے)

العزیز الرحیم۔ صفت عزیز کا تقاضا یہ تھا کہ سب اس کے بس میں ہیں، وہ سب پر غالب ہے، ان مجرموں کو معاً ہلاک کر ڈالتا، لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے اس لیے اس نے مہلت دے دی۔

أی ھو الغالب القاھر، ومع ذلک فإنہ رحیم بعبادہ. (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۰۵)

۸ (عبرت وموعظت کے لیے)

إذ کے ساتھ قرآن مجید میں عموماً ایسے ہر موقع پر فقرہ واتل علیھم محذوف ہوتا ہے۔

إذ نادیٰ۔ اکابر اہل سنت کے درمیان اس پر بحث ہوئی ہے کہ یہ ندا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کان میں آئی، کون سی تھی؟ آیا حق تعالیٰ کا کلام قدیم، غیر مخلوق، جیسا کہ امام ابو الحسن اشعریؒ کا خیال ہے، یا حروف واصوات سے مرکب آواز، جیسا کہ امام ابو منصور ماتریدی کا مسلک ہے۔ تفسیر کبیر میں دونوں قول نقل ہوئے ہیں۔ (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۰۵)

۹ (قبل اس کے کہ میں پوری تبلیغ بھی کر سکوں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے تعمیل ارشاد میں عذر ہی کیا ہو سکتا ہے، البتہ یہ

صَدۡرِیۡ وَلَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ فَاَرۡسِلۡ اِلٰی ہٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَہُمۡ عَلَیَّ

گھٹتا ہے اور میری زبان (خوب) نہیں چلتی ہے ١٠ سو آپ ہارون کے پاس (بھی وحی) بھیج دیجئے ١١ اور میرے ذمہ ان لوگوں

ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿۱۴﴾

کا ایک جرم بھی ہے، سو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے ١٢

خیال ضرور ہوتا ہے کہ وہ لوگ میری تبلیغ کے تمام ہونے سے پہلے ہی میری تکذیب شروع کر دیں گے۔

١٠ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ زیادہ خوش تقریر نہ تھے، روایاتِ یہود میں آتا ہے کہ بچپن میں، کوئی تین چار برس کے سن میں ایک جلتا ہوا انگارہ آپ نے اپنی زبان پر رکھ لیا تھا، اس سے زبان میں لکنت یا ہکلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی --- ہمارے یہاں بھی روایات اس معنی میں نقل ہوئی ہیں۔

توریت میں ہے:۔ ''تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند! میں فصاحت نہیں رکھتا، نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا، اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے''۔ (خروج، ۴:۱۰)

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بعض نقصانات طبعی اور کمال روحانی کے درمیان کوئی منافات نہیں۔

١١ (اور انھیں شریک نبوت کر دے)

فارسل الیٰ ہارون۔ کے معنی یہی کیے گئے کہ ہارون پر بھی وحی نازل کر دے۔

أرسل إليه جبريل بالوحي. (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۹۲، کشاف، ج ۳/ص: ۲۹۴)

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ خوش تقریر تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اور پھر ان پر کسی قبطی کے قتل وغیرہ کا کوئی الزام بھی نہ تھا۔

١٢ (قبل اس کے کہ میں فرائض تبلیغ ادا کر سکوں)

جرم سے مراد ایک قبطی کا قتل ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبل نبوت اتفاقی طور پر ہو گیا تھا۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں، ۱۳؎ تم دونوں جاؤ ہماری آیات کے ساتھ ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے ۱۴؎

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

سوتم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں۔ ۱۵؎

ولهم علىٰ ذنب سے یہ مراد نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جرم ہونا تسلیم بھی کرلیا تھا، آپؑ کا مقصود صرف یہ تھا کہ ''ان کے خیال میں میں ان کا مجرم بھی ہوں''

المراد لهم علىٰ ذنب في زعمهم (كبير، ج ٢٤/ص:١٠٧)

وتسميته ذنبا بحسب زعمهم بما ينبئ عنه قوله تعالىٰ لهم.

(روح، ج١٩/ص:٦٦)

۱۳؎ یعنی ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ تمہیں قتل کرسکیں۔

معناه ارتدع يا موسىٰ عما تظن (كبير، ج٢٤/ص:١٠٨)

أي كلا لن يقتلوك. (قرطبي، ج١٣/ص:٩٢)

۱۴؎ تسکین، تشفی، دل دہی کا یہ اعلیٰ مقام ہے۔ بندے کو خود پروردگار عالم کی معیت کا اگر یقین ہوجائے تو اس سے بڑھ کر کوئی صورت اطمینان اور تقویت کی کیا ہوسکتی ہے؟

بآیتنا۔ ان آیات میں احکام و دلائل سب شامل ہیں۔

معکم۔ یہ معیت عامہ نہیں ہے جو حق تعالیٰ کی ہر بندے کے ساتھ رہتی ہی ہے، بلکہ معیت خاصہ مراد ہے جو معیت رافت و نصرت ہوتی ہے۔

۱۵؎ رسول، رب العالمین کی طرف سے، سارے جہاں کے پروردگار کی طرف سے، نہ ''بنی اسرائیل کے خداوند خدا''۔ ''عبرانیوں کے خدا''۔ ''تمہارے باپ دادوں کے خدا'' کی طرف سے، جس سے توریت بھری پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب خروج، باب ۳) قرآن اور توریت کے بیانات میں یہی تو وہ نازک لیکن نمایاں فرق ہیں، جو ایک کا مرتبہ دوسرے سے کہیں ممتاز کررہے ہیں۔

اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا

کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔ ۱۶ (فرعون) بولا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا تھا

وَّلَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَکَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ

اور تم ہم لوگوں میں اپنی اس عمر میں برسوں رہا کیے ۱۷ اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی تو کی جو کی تھی، اور تم بڑے

موسیٰ علیہ السلام کے اس مختصر سے فقرے میں سب سے پہلے تبلیغ، توحید و رسالت دونوں کی آگئی۔ گویا یہی نقطۂ آغاز ہے ان کی تبلیغ کا! اور یہ خصوصیت ہے ہر پیغمبرانہ دعوت کی --- إنا رسول رب العالمین کہہ کر دونوں نے مروج عقیدۂ فرعونیت پر ضرب کاری لگادی۔

رسول۔ یہ سوال نہ پیدا ہو کہ یہاں جمع کے موقع پر بجائے رُسُل کے مفرد رسول کیوں ہے، یہ اس لیے کہ عدو وصدیق کی طرح رسول کی واحد و جمع دونوں آتے ہیں۔

لأن فعولاً وفعيلاً يستوى فيهما المذكر والمؤنث والواحد والجمع مثل عدو وصديق. (جوهری، ج ۵ /ص: ۳۹۵۔ قاموس، ص: ۹۲۵)

۱۶ (ان کے وطن ملک شام کو۔ اور اپنے بیگار اور ظلم سے انھیں رہائی دے)

توریت میں ہے:۔ "اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی، اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں، دیکھا ہے۔ پس اب تو جا۔ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال"۔ (خروج، ۳: ۹و۱۰)

مجموعۂ دعوت کا حاصل، دعوت توحید و رسالت اور پھر مخلوق میں ترک تعدی ہے۔

أن یہاں مفسرہ ہے۔

أن مفسرة لتضمن الارسال المفهوم من الرسول. (روح، ج ۱۹ /ص: ۶۷)

۱۷ (اے موسیٰ)

موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سب شاہی ظل عاطفت میں ہوئی تھی، اور آپ قصر فرعونی میں سالہا سال تک رہا کیے تھے۔ قیام کی مدت روایات یہود میں مختلف آئی ہے، کوئی کہتا ہے ۱۸ سال

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ⑳ فَفَرَرْتُ

ناشکرے ہو۱۸(موسیٰ نے) کہا (واقعی) میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے (نادانستہ) غلطی ہوگئی تھی۱۹ پھر جب مجھے ڈر لگا تو

کی عمر تک رہے۔ کوئی کہتا ہے ۳۰ سال کی عمر تک اور کسی کسی کی روایت ہے کہ چالیس برس کی عمر تک۔

ولیداً۔ ولید وہ لڑکا ہے جس کی پیدائش کا ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔

الوليد يقال لمن قَرُب عهده بالولادة. (راغب،ص:٦٠٥)

۱۸ اشارہ ہے اُسی نادانستہ قتل کی جانب۔ مفصل ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔

معناه وأنت ممن عادته كفران النعم. (كبير،ج٢٤/ص:١٠٩)

۱۹ (سوھیئۃ قصور وار تو میں اُس وقت بھی نہ تھا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جرم قتل عمد سے تبرّی لفظ ضالّین میں آجاتی ہے۔

ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔

تنبيه أن ذلك منه سهو. (راغب،ص:٣٣٤)

المراد بذلك الذاهلين من معرفة مايؤول إليه من القتل. (كبير،ج٢٤/ص:١٠٩)

المراد أني فعلت ذلك الفعل وأنا ذاهل عن كونه مهلكاً وكان مني في حكم السهو. (كبير،ج٢٤/ص:١٠٩)

عن قتادة أنه فعل ذلك جاهلاً به غير متعمد إياه. (روح،ج١٩/ص:٦٩)

ضلال کا لفظ ارادی وغیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔

يقال الضلال لكل عدول عن المنهج عمداً كان أو سهواً، يسيراً كان أو كثيراً. (راغب،ص:٣٣٣)

مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾

میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا، پھر میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیمبروں میں شامل کر دیا۔۲۱

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ

اور یہی وہ احسان ہے جس کا تو بار مجھ پر رکھ رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے۔۲۲ فرعون نے کہا

اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلالِ انبیاء وضلالِ کفار دونوں پر ہوتا ہے حالانکہ اس ضلال اور اُس ضلال کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

صحّ أن یستعمل لفظ الضلال ممن یکون منه خطأ مّا ولذلك نُسِبَ الضلال إلى الأنبیاء وإلى الكفار، وإن كان بین الضلالین بون بعید. (راغب، ص: ۳۳۴)

۲۰ (چنانچہ اب میں خدا ہی کے حکم سے اس کے پیمبر کی حیثیت سے آیا ہوں) پیمبری کی استعداد منافی خطاء عمد کے ہے، نہ کہ مطلق غلطی اور بھول چوک کے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو فرعون کے سامنے بہت ہی سبق آموز ہے۔ قتل، ظاہر میں دنیا کی نگاہ میں ایک کھلا ہوا دینی جرم ہے اور فرار ایک اخلاقی جرم۔ آپ ان دونوں ظاہری جرموں کا اقرار کھلے لفظوں میں اپنے کھلے ہوئے دشمن سے کر رہے ہیں، حالانکہ دنیا اس قسم کی کمزوریوں کو شدت سے چھپاتی ہے--- صادقین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔

۲۱ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے فرعون کے احسان جتلانے کا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے پرورش کا احسان جو تو جتلاتا ہے تو اس کی بھی تو حقیقت یہ ہے کہ تیرے ہی ظلم کے باعث مجھے دریا میں بہا دیا گیا، اور تیرے گھر والوں نے لاوارث سمجھ کر نکال لیا اور پرورش کی، نہ تیرا شدید ظلم اسرائیل کے بچوں پر ہوتا اور نہ مجھے یوں دریا میں ڈالا جاتا۔

محققین نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر کا مجرد کفر اس کے احسان کو باطل کرنے کے لیے کافی نہیں۔

اعلم أن فی الآیة دلالة علیٰ أن کفر الکافر لا یبطل نعمته علیٰ من یحسن إلیه

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾ ع ۱

اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ۱۸

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿١١﴾

اور انسان برائی کی درخواست (بھی اس تقاضہ سے) کرتا ہے (جس طرح) بھلائی کی درخواست اور انسان ہے ہی جلد باز ۱۹

اقوم هنا افعل التفضيل على قول الزجاج۔ (بحر)

ھذا القرآن۔ اشارہ ھذا تعظیم قرآن کے لئے ہے۔

وفي الاشارة بهذا تعظيم لما جاء به النبي المجتبى صلى الله عليه وسلم۔ (روح)

یھدی۔ اس کا مفعول عام ہے یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے کسی مخصوص فرقے کو نہیں۔

اى الناس كافة لا فرقة مخصوصة۔ (روح)

للتی۔ یہاں الطریقۃ محذوف ہے۔

اى للطريقة التى (روح)

اى الطريقة التى هى اقوم الملل والشرائع والطرق ومثل هذه الكناية كثيرة الاستعمال فى القرآن۔ (كبير)

قرآن مجید کا تعارف ایک بار اور کرادیا گیا اور اس کے خصوصیات بیان کردیئے گئے ہیں۔

۱۸ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنی میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے اس لئے کہ یہود باوجود دعوئ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کردیتی ہے ——— موجودہ توریت محرّف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے سارا زور اسی دنیا کے انعامات پر ہے۔

۱۹ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا)

یدع الانسان۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔

والمراد بالانسان الجنس اسند اليه حال بعض افراده وهو الكافر واليه يشير كلام ابن عباس۔ (روح)

یدع ..... بالخیر۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا اپنے کو عذاب یا برائی کی دعوت ہی دینا ہے۔

عجولا۔ یعنی لذت فوری و عاجل کا حریص خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو۔

اى يؤثر العاجل وان قل على الآجل وان جل۔ (قرطبی)

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ

(موسیٰ نے) کہا وہ پروردگار ہے تمہارا اور پروردگار ہے تمہارے اگلے بزرگوں کا ؏۲۵ (فرعون) بولا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے

اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ

یہ تو مجنون ہے ؏۲۶ (موسیٰ نے) کہا وہ پروردگار ہے مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کا۔

لمن حوله سے مراد اہل دربار ہیں۔

أی أشراف قومه. (کشاف، ج۳/ص:۲۹۹)

التفت فرعون إلیٰ من حوله من ملائه و رؤساء دولته. (ابن کثیر، ج۳/۳۱۳)

ساری قبطی قوم کی طرف سے یہ اشراف واعیان ہی فرعون دیوتا کے پجاری ہی تو تھے۔ سب کے سب بشمول فرعون عقیدۂ توحید سے ناآشنا و نامانوس۔ انھیں خدا کا ایک ہونا، اس کا رب العالمین ہونا، سب ایک افسانہ معلوم ہو رہا تھا۔

۲۵ یعنی وہی ایک خدا ساری کائنات خارجی کا بھی ہے اور ساری نوع انسانی کا بھی، ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ مصری مذہب انسانی آبادی کو مختلف بستیوں اور جغرافی ٹکڑیوں میں تقسیم کیے ہوئے تھا، اور سب کے دیوی دیوتا الگ الگ تھے، خدائے واحد اور خدائے کلی کا تصور انھیں محوِ حیرت بنائے ہوئے تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

حضرات انبیاء سب سے زیادہ حریص تبلیغ توحید ہی کے ہوتے ہیں، اپنے بیان میں اسی کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔

۲۶ (جب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے کہ تعدد الٰہ ہی سے انکار کر رہا ہے!)

آج بھی دنیا کی مشرک قوموں کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ توحید خالص بھی کوئی صحیح مسلک ہو سکتا ہے۔

اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝۲۸ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَيۡرِىۡ لَاَجۡعَلَنَّكَ

اگر تم عقل سے کام لو۔ ۲۷ (فرعون نے) کہا اگر تم نے میرے سوا اور کوئی معبود تجویز کیا تو میں تمہیں

مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِيۡنَ ۝۲۹ قَالَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكَ بِشَىۡءٍ مُّبِيۡنٍ ۝۳۰ قَالَ فَاۡتِ بِهٖۤ

قید میں ڈال دوں گا ۲۸ (موسیٰ نے) کہا اور میں جو کوئی کھلی ہوئی بات پیش کردوں تو؟ ۲۹ (فرعون) بولا اچھا تو وہ لاؤ

۲۷ مصر میں شرک کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔
سورج دیوتا کی پوجا کرنے والوں کے سامنے اللہ کو مشرق اور مغرب (سورج کے طلوع وغروب دونوں مقامات) کے خدائے واحد اور مالک کی حیثیت سے پیش کرنا بہت ہی بلیغ ہے۔
إن كنتم موقنين ۔ ابھی گزر چکا ہے، وقوع دلائل وحقائق کے بعد إن كنتم تعقلون اب ارشاد ہو رہا ہے۔

۲۸ (تا کہ اس جرم عظیم کی سزا بھگتو)
ہندوستان میں سورج بنسی خاندان کی طرح مصر میں بھی ایک نسل رب الارباب، یعنی سورج دیوتا کی نسل سے تھی۔ بادشاہ وقت یا فرعون، اسی نسل کا سب سے بڑا نمایندہ اور سورج دیوتا کا مظہر یا اوتار ہوتا تھا، اس کی پرستش عین سورج دیوتا کی پرستش تھی۔ ماضی قریب میں اس کی قریب ترین مثال ڈھونڈ نا ہو تو ملک جاپان کے فرماں روا میکاڈو کو پیش نظر رکھا جائے۔ جاپانی میکاڈو کو محض بادشاہ نہیں، خدایا بڑا دیوتا سمجھتے تھے، اور سارے معاملات اس کے ساتھ وہی برتتے تھے جو سب سے بڑے دیوتا کے ساتھ برتے جاتے ۔۔۔ فرعون کے آئین میں کسی دوسرے خدایا رب العالمین کا اعتقاد رکھنا، الحاد وارتداد ہی کے نہیں، کھلی ہوئی بغاوت کے ہی مترادف تھا، اور قدرۃً تعزیرات مصر کا تو بدترین جرم۔
من المسجونين۔ فرعون کے زمانے کے جیل اپنے شدائد کے لیے مشہور تھے، فرعون کی اس دھمکی میں یہ مضمون بھی شامل ہے کہ ان قیدیوں کا حال زار دیکھ لو، یہی نوبت تمہاری بھی آنی ہے۔

۲۹ فرعون اور فرعونئے سحر وغیرہ کے خرافات میں غرق تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ نفس مسائل وحقائق ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، تو فرمایا کہ تم جو خرق عادت ہی

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾

اگر تم سچے ہو۔ پھر (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈال دی سو وہ یک بیک ایک نمایاں اژدہا بن گیا۔٣٠

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ

اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) باہر نکالا تو وہ یک بیک دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی چمکدار ہو گیا۔٣١ (فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے

هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا

کہا کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا یہ ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے٣٢ سو اب کیا

کو دلیلِ صداقت اور معیارِ حقانیت قرار دیتے ہو، تو کہو، میں بھی کوئی خارق عادت ہی پیش کروں۔

٣٠ نمایاں یعنی ایسا جسے سب نے دیکھا۔ حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔

ثعبان۔ ثعبان اور حیة میں فرق یہ ہے کہ ثعبان میں پہلو سانپ کے جسم اور قد و قامت کی بڑائی کا زیادہ ہے یعنی خوب موٹا تازہ سانپ۔ اور حیة میں اس کی تیز رفتاری کا، یعنی بڑی تیزی سے دوڑنے والا سانپ۔

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ حیة ہر قسم کے سانپ کے لیے عام ہے۔ ثعبان اسے اس کی بڑائی کے لحاظ سے کہا گیا ہے اور جان اسے اس کے ہلکے پھلکے ہونے اور تیز رفتاری کی بنا پر۔

أما الحية فهي اسم الجنس ثم إنها لكبرها صارت ثعباناً، و شبهها بالجان لخفتها و سرعتها. (كبير، ج ٢٤/ص: ١١٤)

٣١ ”بہت ہی چمکدار“ یعنی اس کو سب نے نظرِ حسی سے دیکھا۔

توریت میں یہ معجزات حضرت ہارون علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں۔ قرآن نے حسبِ معمول اس موقع پر بھی توریت کی تصحیح کر کے بتایا کہ یہ معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے۔

٣٢ (اور خود مع اپنی قوم کے حکومت کرے)

انسان اپنے ہی نفس پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے، اور اپنے ہی ظرف کے پیمانے سے سب کو ناپتا ہے۔ خارقِ عادت کی کوئی توجیہ ان مشرکوں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی، بجز سحر و ساحری کے۔

تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

کہتے ہو؟ (درباریوں نے) کہا کہ آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجئے کہ وہ جمع کر کے

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾

سب ماہر فن جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں ۳۳۔ چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لیے گئے۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا

اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہی کی راہ پر رہیں، اگر وہی غالب

هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ

رہیں ۳۴۔ پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ ہم کو کوئی (بھاری) انعام ملے گا؟

اور تبلیغ دین حق کا کوئی محرک ان کے خیال میں ہو ہی نہیں سکتا تھا، بجز ہوس ملک گیری و اقتدار دنیوی کے۔

۳۳ (اور پھر وہ جادوگر مقابلہ کر کے اس نئے ساحر کا زور توڑیں)

سحّار صیغۂ مبالغہ ہے ساحر کا، یعنی بڑے ماہر فن ساحر۔ علیم اسی صفت کو اور بڑھا رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ سرکاری ماہرین فن بڑے بڑے باکمال تھے۔ سحر اس مصری تمدن میں آج کل کی طرح کوئی حقیر و بے حقیقت چیز نہ تھی، سائنس کی اعلیٰ شاخوں کی طرح اس کا شمار علوم عالیہ میں تھا، اور ساحر کا مرتبہ وہ تھا جو آج سائنس کے کسی اکسپرٹ کا ہوتا ہے۔

حٰشرین۔ یعنی وہ جو جمع کر کے لائیں۔

۳۴ جادوگر دارالسلطنت میں آکر اکٹھے ہوئے۔ مقابلے کا وقت و مقام طے پا گیا، اور عام منادی سرکار کی طرف سے کر دی گئی کہ سب لوگ آکر غلبۂ حق (یعنی سرکاری مذہب کے غلبہ) کا تماشا دیکھیں۔

نتبع السحرۃ۔ ساحروں کی راہ کے اتباع پر حیرت نہ ہو، یہی ساحر دین مصری کے بھی اعیان و اساطین تھے۔ ساحر مصری تمدن میں باکمال ماہرین سائنس اور محققین مذہب دونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ

اگر ہم زبر رہے ۳۵ع (فرعون نے) کہا ضرور، اور تم اس صورت میں ہمارے مقربوں میں داخل ہو جاؤ گے ۳۶ع موسیٰ نے ان لوگوں

لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا

سے کہا ڈال چلو جو کچھ تمہیں ڈالنا ہو۔ سو انھوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ۳۷ع اور کہنے لگے

إن..........الغلبين۔ فرعون کو تو یقین تھا کہ ہمارے ہی جادوگروں کی پارٹی کامیاب رہے گی، اور اسی کو صداقت و حقانیت کا معیار قرار دے کر اس نے پکار کرادی تھی کہ آؤ سب لوگ اپنے ملکی اور سرکاری ماہرینِ فن کے کمالات کا مشاہدہ کرو، اور مشاہدے کے بعد اپنے اسی دین فرعونی کی صداقت پر اور زیادہ جم جاؤ۔

۳۵ع طالبانِ دنیا کی نظر مہارت و کمال فن کے باوجود، عموماً نفع عاجل ہی پر رہتی ہے--- برطانوی حکومت کے زمانے میں ہندوستانیوں سے جب کوئی بڑا کارنمایاں انجام پاجاتا تھا، تو یہ برابر توقع خان بہادری کی، رائے بہادری کی، اور دوسرے بلند تر خطابات کی رکھتے تھے۔

۳۶ع فرعون نے کہا کہ انعام محض مالی ہی نہ رہے گا، بلکہ سرکار تمہاری اور بھی ہر طرح سرپرستی کرے گی، مال و جاہ دونوں سے تمہاری حوصلہ افزائی ہوگی۔

۳۷ع (اور وہ سحر کے اثر سے سب کو سانپ دکھائی دینے لگیں)
مصری عقائد میں سانپ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

قال..........القوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قول سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سحر کی اجازت دے رہے تھے؟ سحر ایسی معصیت ہے جو محض فسق ہی نہیں، بلکہ اس کے ڈانڈے کفر سے ملے ہوئے ہیں، تو کیا پیمبر اپنی رضا کفر یا تقریباً کفر کو دے رہے تھے؟ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس میں بہ ظاہر امر ہے سحر کرنے کا، لیکن درحقیقت آپ نے انھیں اس عمل کا حکم دیا، جو آپ کو الہام یا فراست یا قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کر کے رہیں گے، اور مقصود آپ کا رد تھا اس سحر کا، اور وہ رد موقوف تھا سحر کے اظہار پر۔ بالکل ایسی ہی بات جیسے زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعوائے باطل پر دلیل قائم کر، اور مقصود اس دلیل کا ابطال ہو۔ (روح، ج ۹/ص: ۷۰)

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَأَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ

کہ فرعون کے اقبال سے زبر یقیناً ہم ہی رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ لگا نگلنے

تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

ان کے بنائے ہوئے شعبدوں کو ۳۸ سو جادوگر سجدے میں گر پڑے ۳۹ بولے کہ ہم ایمان لے آئے

بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

پروردگار عالم پر، موسیٰ وہارون کے پروردگار (پر) ۴۰ (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے بغیر اس کے

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ شبہ کے مٹانے کے لیے جب یہی صورت تھی تو یہ امر جائز ہو گیا تھا۔

لمّا تعین ذٰلك طریقاً إلیٰ کشف الشبهة صار جائزاً. (کبیر، ج۲۳/ص:۱۱۶)

عارف تھانویؒ نے یہاں سے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے کہ بعض مشائخ سے جو کھلے ہوئے منکرات پر چشم پوشی منقول ہے، اس کی تہ میں کوئی مصلحت دینی ہی ہوتی ہے، جو اس وقت خفی ہوتی ہے اور بعد کو واضح ہو جاتی ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۷۴)

۳۸ یعنی جادو کے ان مصنوعی سانپوں کو۔

بعزة فرعون ایسا ہی فقرہ ہے جیسا آج بھی شاہی درباروں میں کہنے کا دستور ہے "بہ اقبال سرکار" وغیرہ۔

"عزۃ" کا ترجمہ "اقبال" ہے، اور "غالب" کا ترجمہ "زبر" ہے، شاہ عبدالقادر دہلوی کے الفاظ میں۔

مایافکون۔ یعنی ایسے مصنوعات جن کی حقیقت کچھ بھی نہ تھی، محض دکھاوے کے تھے۔

۳۹ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر اور اس کے سامنے لاجواب اور بے بس ہو کر۔ عصا نے اب اژدھے کی شکل اختیار کر لی تھی۔

۴۰ یعنی شرک چھوڑ کر توحید پر ایمان لے آئے --- "پروردگار عالم" کے تخیل ہی

اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ عَلَّمَكُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ

کہ میں تمھیں اجازت دوں۔ ضرور یہی تمہارا سردار ہے، جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا تو تمھیں ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے

لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۴۹﴾

میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا ایک طرف سے اور تمہارے پاؤں دوسری طرف سے اور سولی پر تم سب کو چڑھاؤں گا۔ ۴۱

قَالُوۡا لَا ضَيۡرَ ۖ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا

(جادوگر) بولے کچھ ہرج نہیں، ہم اپنے پروردگار کے پاس جا پہنچیں گے ۴۲ ہم آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے گا

سے یہ اب تک ناآشنا تھے، اور اس کا نام بھی انھوں نے انھی دونوں پیمبروں کی زبان سے سنا تھا، اس لیے اس کا تعارف مزید بھی انھوں نے یہی کہہ کر کرایا۔

۴۱ صلیب پر چڑھانے اور اعضا کے قطع کردینے کی سزائیں مصری حکومت میں رائج تھیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف (آیت ۱۲۴) کا حاشیہ --- ظاہر ہے کہ "ہز مجسٹی" یا "جہاں پناہ" فرعون اب غیظ و غضب سے بھرا ہوا تھا نہ صرف یہ کہ سرکاری ماہرینِ فن کو شکست فاش ہوئی تھی؛ بلکہ خفت اور وہ بھی اپنی ہی رعایا کے سامنے ہوئی تھی، ایسی سخت، غیر متوقع خفت کے وقت غصہ کا بڑھ جانا بالکل قدرتی تھا۔

قبل أن اذن لکم۔ میں قبل کے معنی یہاں پیشتر کے نہیں، اور نہ یہ مراد ہے کہ اگر فرعون سے اجازت لے لی جاتی تو وہ اس کی اجازت دے دیتا، بلکہ معنی بغیر یا بدون کے ہیں، اور قبل کے اس مفہوم نفی پر حاشیہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔

إنه لکبیر کم۔ فرعون تو یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حق پر ہونے کا کوئی امکان ہے، لامحالہ اس نے اس مقابلے، مظاہرے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کی سازش پر محمول کیا۔

۴۲ (جو حقیقی امن و عافیت اور دائمی راحت کا ٹھکانا ہے)

اللہ اللہ! توحید کا عقیدہ بھی سکون خاطر بہم پہنچا دینے میں کس درجہ مؤثر ہوتا ہے!

خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ

اس لیے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے ۴۳؎ اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ شباشب

بِعِبَادِىْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

میرے (ان) بندوں کو لے کر نکل جاؤ۔ تم لوگوں کا پیچھا (بھی) کیا جائے گا ۴۴؎ فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیجے کہ یہ لوگ

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا

ایک چھوٹی سی جماعت ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے۔ اور ہم سب کو

لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ

ان سے خطرہ ہے ۴۵؎ پھر ہم نے انھیں نکال باہر کیا باغوں اور چشموں اور خزانوں

۴۳؎ ''سب سے پہلے'' یعنی مخالفین ومنکرین کے اس مجمع میں سب سے پہلے -- یا قوم فرعون میں سب سے پہلے۔

فالمراد لأن كنا أول المؤمنين من الجماعة الذين حضروا ذلك الموقف.

(کبیر، ج ۲۳/ص: ۱۱۸)

أي من أهل زماننا (معالم، ج ۳/ص: ٤٦٧)

أن یہاں لأن کے مرادف ہے یعنی ''اس لیے کہ'' یا ''اس بنا پر کہ''

معناه: لأن كنا. (كشاف، ج ۳/ص: ۳۰٤)

أي بسبب أنا بادرنا قومنا من القبط إلى الإيمان. (ابن كثير، ج ۳/ص: ۳۱٤)

۴۴؎ اب یہ قصہ بعد کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ایک عرصہ گزر گیا، اور فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں پر سلسلۂ آزار برابر جاری رہا، تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی یہ ملا کہ ایک روز راتوں رات اپنی قوم کو لے کر نکل جاؤ، اگرچہ فرعون تمہارا تعاقب زبردست کرے گا۔

۴۵؎ (سو اس نعرہ کی خاطر ان کا قلع قمع فوراً کر دینا چاہئے)

آج بھی قاہر اور چنگیزی حکومتیں اسی قسم کے اعلان شائع کرتی رہتی ہیں کہ بس ایک

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ

اور عمدہ مکانات سے ٤٦؎ یوں ہی ہوا اور ہم نے (ان کے بعد) ان کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا ٤٧؎ غرض سورج نکلتے پر انھوں نے

مٹھی بھر لوگ ہمارے خلاف شورش پھیلا رہے ہیں، اور طرح طرح کی حرکتیں امن سوزی اور قانون شکنی کی کر رہے ہیں، اس لیے امن عامہ (''لا اینڈ آرڈر'') کی خاطر انھیں دبا ہی دینا چاہیے۔

قلیلون سے اشارہ علاوہ قلت تعداد کے، ان لوگوں کی بے وقعتی اور کم حیثیتی کا بھی نکلتا ہے۔

یجوز أن یرید بالقلة الذلة لاقلة العدد، والمعنیٰ أنهم لقلتهم لایبالی بهم ولایتوقع غلبتهم وعلوهم. (کبیر، ج۲۳/ص:۱۱۸)

٤٦؎ یعنی ظالم فرعونیوں کی حکومت، ثروت، اقبال مندی سب مٹ کر رہی۔

٤٧؎ ضمیر ھـا سے لازم نہیں آتا کہ فرعونیوں ہی کے باغ اور چشمے وغیرہ مراد ہوں۔ سورۃ الکہف کے حاشیے ۱۵۱ میں گزر چکا ہے کہ ضمیر ھـم کو بجائے یاجوج ماجوج، زمخشری نے بعض الخلق کے لیے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ''ھـا'' کی ضمیر مطلق باغوں اور چشموں وغیرہ علامات امارت کی جانب ہے، خاص مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد نہیں۔

روح المعانی میں سورۃ الدخان آیت ۲۸ میں واورثنها کے تحت نقل ہوا ہے:

فلیس المراد خصوص ماترکوه بل نوعه ومایشبهه. (روح، ج۲۵/ص:۱۲٤)

چنانچہ اسرائیلیوں کو ایک عرصے کے بعد فلسطین میں حکومت مل گئی، اور داؤدؑ وسلیمانؑ کی زبردست بادشاہتیں قائم ہوگئیں۔

وقیل إنهم بعد أن جاوزوا البحر ذهبوا إلی الشام ولم یدخلوا مصر فی حیاة موسیٰ علیه السلام...... وأکثر التواریخ علیٰ هذا. (روح، ج۱۹/ص:۸٤)

اور اگر مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد لیے جائیں، جب بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مصر کے علاقے حدود سلطنت میں شامل ہو گئے تھے۔

ملکوها زمن سلیمان علیه السلام. (روح، ج۱۹/ص:۸٤)

مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝

ان کو پیچھے سے جالیا۔۴۸ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے۔۴۹

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ

(موسیٰ نے) فرمایا کہ ہرگز نہیں کیوں کہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے، وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا۔۵۰ پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر

قیل ذهبوا إلى الشام و ملكوا مصر زمن سليمان. (بحر، ج۷/ص:۱۹)

اور یرمیاہ نبی کے زمانے میں تو مصر یہودی وطن از سر نو بن گیا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

نیز ملاحظہ ہو، سورۃ الدخان، آیت ۲۸ کا حاشیہ۔

۴۸ درمیان میں ایک جملہ معترضہ آ گیا تھا، اب پھر اس قصے کا تسلسل شروع ہوا۔

توریت میں ہے:۔ ''اور جب شاہ مصر کو خبر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے .... تب اس نے اپنی گاڑیاں جوتیں، اور اپنے لوگ ساتھ لیے۔ اور اس نے چھ سو چنی ہوئی گاڑیاں اور مصر کی سب گاڑیاں ساتھ لیں، اور ان سب پر سردار بٹھائے۔ اور خداوند نے شاہ مصر فرعون کے دل کو سخت کر دیا، اور وہ بنی اسرائیل کے پیچھے چڑھ دوڑا''۔ (خروج ۱۴: ۵-۸)

۴۹ توریت میں ہے:۔ ''اور جب فرعون نزدیک ہوا اور بنی اسرائیل نے آنکھیں اوپر کیں، اور مصریوں کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا، اور وہ شدت سے ڈرے۔ تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی، اور موسیٰ سے کہا کہ کیا مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی کہ تو ہم کو وہاں سے بیابان میں مرنے کے لیے لایا؟''۔ (خروج ۱۴: ۱۰ و ۱۱)

۵۰ لوگوں کا اپنے مقابلے میں شاہی باقاعدہ فوج کو دیکھ کر گھبرا جانا ایک حد تک امر طبعی تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وعدۂ نصرت الٰہی پر بھروسہ تھا۔ اپنے پیمبرانہ وقار و سکینت کے ساتھ فرمایا کہ ''گھبراؤ نہیں، ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا۔ میرے پروردگار نے میرا ساتھ کہیں چھوڑ تھوڑے ہی دیا ہے۔ وہ مخلصی کی راہیں ابھی ابھی مجھے دکھا کر رہے گا''۔

قال کلا۔ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونے پائے گا کہ فرعونی تمہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا

مارو، چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی۔ اور ہم نے دوسرے

ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾

فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں سب کو بچالیا

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾

پھر دوسرے فریق کو غرق کردیا۔ ۵۱

إنّ معی ربی سیھدین۔ معیت الٰہی کا یقین دل میں کس درجہ ثبات اور مضبوطی اور طبیعت میں کس درجہ وقار و سکینت پیدا کر دیتا ہے۔

توریت میں ہے:۔ ’’تب موسیٰ نے لوگوں کو کہا، خوف نہ کرو، کھڑے رہو، اور خداوند کی نجات دیکھو، جو آج کے دن وہ تمہیں دے گا۔ کیوں کہ ان مصریوں کو جنہیں تم آج دیکھتے ہو، تم انھیں پھر تا ابد نہ دیکھو گے۔ خداوند تمہارے لیے جنگ کرے گا، اور تم چپ چاپ رہو گے‘‘۔ (خروج، ۱۴: ۱۳ و ۱۴)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ’’ان دس آیتوں کے مجموعہ میں مسئلہ تدبیر و ترک تدبیر کے درمیان اعتدال و توسط کی تعلیم ہے، تدبیر تو یہ بتلائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شبا شب چلے جاؤ، پھر جب انھوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، جس سے مقصود یہ تھا کہ کچھ اور تدبیر کی جائے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو إنّ معی ربی سیھدین فرما کر یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہماری سی تدبیر کی ضرورت نہیں، اور عارف کی بھی یہی شان ہوتی ہے کہ اسباب سے توسط کے ساتھ تمسک کرتا ہے، مگر اس میں مبالغہ نہیں کرتا‘‘۔ (تھانویؒ، ج ۲/ص: ۱۷۶)

۵۱ بحر قلزم کے شمالی حصے میں فرعونیوں کے غرق ہونے پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ میں گزر چکے۔

کالطود العظیم۔ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ صحابی، اور متعدد تابعین سے معنی اسی بڑی پہاڑی کے منقول ہیں۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

بے شک اس واقعہ میں ایک بڑا نشان ہے ۵۲ اوران میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ۵۳ اورآپ کا پروردگار

أي كالجبل الكبير قاله ابن مسعود وابن عباس ومحمد بن كعب وقتادة والضحاك وغيرهم. (ابن كثير، ج۳/ص:۳۱۶)

اور سمندر کا پانی جب ایک جگہ رک کر جم جائے گا، تو اس کی شکل قدرۃً ایک بڑے تودۂ آب کی ہو ہی جائے گی۔

ثم۔ یعنی وہیں۔ اسی مقام تک۔

أي هنالك، قال ابن عباس وعطاء الخراساني وقتادة والسدي (ابن كثير، ج۳/ص:۳۱۶)

الآخرين۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کو۔

يعني قوم فرعون. (معالم، ج۳/ص:۴۶۹)

فرعون وجنوده. (ابن كثير، ج۳/ص:۳۱۶)

فأوحينا...... الخ۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ تو بغیر عصائے موسوی کی ضرب کے بھی سمندر میں راستہ بنادینے پر قادر تھا، لیکن اس واسطے کے اختیار کرنے سے موسیٰ کلیم کی بھی عظمت کا اظہار ہوگیا۔

اور مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے ہاتھ پر خوارق کے ظاہر کرنے کی یہی حکمت ہوتی ہے اور اسی لیے اسے کہتے بھی کرامت ہی ہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۷۶)

۵۲ (اللہ کی قدرت وحکمت کا اور مخالفینِ حق کی سزایابی کا)

أي في هذه القصة وما فيها من العجائب والنصر والتأييد لعباد الله المؤمنين، لدلالة وحجة قاطعة وحكمة بالغة. (ابن كثير، ج۳/ص:۳۱۷)

۵۳ یعنی قوم فرعون واہل مصر میں سے۔

أي من أهل مصر. (معالم، ج۳/ص:۴۶۹)

أي أكثر قوم فرعون وهم القبط. (بحر، ج۷/ص:۲۱)

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۵۴ؔ اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے (اس وقت کا) جب کہ انھوں نے اپنے والد

وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انھی پر جمے بیٹھے رہتے ہیں ۵۵ؔ

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا

(ابراہیم نے) کہا اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انھیں پکارتے ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ ۵۶ؔ وہ بولے

بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾

(نہیں یہ کچھ نہیں) البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے ۵۷ؔ (ابراہیم نے) کہا بھلا تم نے ان کی (اصلی حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

کرتے ہو، تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی؟ یہ تو میری نظر میں دشمن ہیں ۵۸ؔ مگر ہاں پروردگار عالم (وہ ہے)

۵۴ چنانچہ اس کی قوت وعظمت (فرعونیوں کے مقابلے میں) اور اس کے فضل (اسرائیلیوں کے مقابلے میں) دونوں کے نمونے اس قصے میں پوری طرح آگئے۔

۵۵ آذر اور قوم ابراہیم کے مذہب شرک پر مفصل حاشیے اوپر گزر چکے۔ سورۃ الانعام، سورۂ ہود، سورۃ الانبیاء وغیرہ میں۔

۵۶ یہ جرحیں بڑی وسعت واطلاق رکھتی ہیں۔ دنیا میں کسی بت پرست کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں۔

۵۷ (اور اسی لیے ہم بھی یہی کر رہے ہیں)

گویا اثبات شرک وبت پرستی پر نہ کوئی دلیل عقلی نہ کوئی دلیل نقلی بلکہ صرف اندھی تقلید۔

۵۸ یعنی یہ بُت معبود اور میرا اسہارا تو کیا ہوتے، یہ تو اور دشمن ہیں، انھی کے ذریعے سے گمراہی پھیل رہی ہے۔ یہ تو واسطۂ شرک اور باعث تباہی وبربادی ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا

جس نے مجھ کو پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی جو مجھ کو کھلاتا ہے پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ

میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے ۵۹ اور وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی جس سے میں آس لگائے ہوں

عدو کا لفظ صدیق کی طرح واحد و جمع دونوں موقعوں پر آتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔

والعدو والصدیق: یجیئان فی معنی الوحدۃ والجماعۃ. (کشاف، ج۳/ص:۳۰۹)

۵۹ یعنی اس خدائے واحد کی ذات تمام صفات کمال کی جامع ہے---وہی خالق ہے اور وہی ہادی و مدبر بھی۔ یہ نہیں کہ خلق کا کام کوئی اور دیوتا کرے اور انتظام وہدایت کا دیوتا کوئی اور ہو---کھانا اور پانی دونوں وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دیوتا زراعت ونباتات کا ہو، اور کوئی اور دیوتا بارش کا---صحت وشفا بھی وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ بیماری سے صحت بخشنے کے لیے کوئی الگ دیوی دیوتا ہو---تشریعی خدا بھی وہی ہے اور تکوینی خدا بھی وہی، دنیوی ودینی، مادی وروحانی ہر قسم کی قوت وقدرت کا منشا، مخرج، منبع، مرکز، مرجع بس اُسی کی ذات ہے۔ مشرک جاہلی قوموں نے انھی صفات کے لیے برابر الگ الگ دیویوں دیوتاؤں کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔

إلا رب العالمین۔ یہ استثنا اس لیے کہ یہ شرک اکثر دوسری مشرک قوموں کی طرح دیوی دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ایک معبود اعظم کی بھی پرستش جاری رکھے ہوئے تھے۔ دین ابراہیمی کی صاف صاف دعوت ہے کہ چھوٹا بڑا کوئی بھی دوسرا معبود، دوسرا اللہ، دوسرا رب، اُس ایک کے سوا نہیں۔

إنهم کانوا یعبدون الأصنام مع اللّٰه، فقال ابراهیم: کل من تعبدون أعدائی إلا رب العالمین. (معالم، ج۳/ص:۴۷۰)

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ

بے شک تیرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی) کر دیتا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾

بے شک وہی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھتے رہنے والا ہے ۴۳

۴۲ (جیسا کہ بے تحاشہ اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے)

خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصاد و میانہ روی کی ہے ـــــ نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ، اور نہ بالکل کنجوسی ہی۔ نہ صرف بے محل و خلاف موقع، نہ موقع و محل پر صرف سے گریز۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے غایت بخل سے۔ جیسے اُردو میں کہا جاتا ہے کہ اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھینچ لینا۔

ای لا تجعل یدک فی انقباضها کالمغلولة الممنوعة من الانبساط۔ (کبیر)

هذا مجاز عبر به عن البخیل۔ (قرطبی)

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے انتہائے اسراف سے۔

ولا تتوسع فی الانفاق توسعا مفرطا بحیث لا یبقی فی یدک شیء۔ (کبیر)

هذا تمثیل لمنع الشحیح واعطاء المسرف وأمر بالاقتصاد الذی هو بین الاسراف والتقتیر۔ (کشاف)

فَتَقْعُدَ۔ ملاحظہ ہو اوپر حاشیہ ۳۳

۴۳ مخلوقات کی ضرورتوں سے، مصلحتوں سے، حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر و واقف کار اور کون ہو سکتا ہے کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر کا بھی پورا علم ہے اور باطن کا بھی اس نے تقسیم دولت جملہ مقتضیات حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔ یعنی اس کی مشیت تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اس کے ذرائع رزق وسیع کر دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ و محدود کر دیتی ہے، غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یونہی اندھا دھند اور بغیر کسی مقصد مصلحت کے نہیں ہو رہا ہے، سب آئین حکمت اور نقشۂ مصلحت کے ماتحت و مطابق ہی ہو رہا ہے۔

فالتفاوت فی ارزاق العباد لیس لاجل البخل بل لاجل رعایة المصالح۔ (کبیر)

لِمَنْ يَشَاءُ۔ یہ دولت و افلاس کا فرق مراتب دنیا میں جو کچھ ہے انتظامی، تکوینی، مشیتی مصلحتوں کے ماتحت ہے، اسے کسی کی مقبولیت، عدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں۔

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ

کے ساتھ شامل کردیجئے اور میرا ذکر خیر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھئے۔۶۱ اور مجھے جنت نعیم کے

وقت سامنا کسی اور کا کرنا پڑے، جیسا کہ عموماً مشرک و نیم مشرک قوموں نے فرض کیا ہے۔۔۔ اور پھر مغفرت کی امیدیں بھی تمام تر اسی خدائے واحد کی ذات سے ہیں، نہ کہ کسی اور سے۔

مشرک اور جاہلی قوموں کو شرک کی ٹھوکریں جب جب لگی ہیں، انھی صفات ہی سے متعلق لگی ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام پیمبر بھی کیسے! خلیل اللہ کا مرتبہ پائے ہوئے ہیں، مغفرت و مغفوریت آپ کی بھی اگر قطعی و یقینی نہ ہوگی تو اور کس کی ہوگی! اس پر بھی مقام عبدیت کا کمال یہ ہے کہ اس کی مزید ذکر و انابت و التجا کرتے ہیں اور مرتبہ رسالت و خلت پر ذرا بھی نازاں نہیں ہوتے!

أطمع .... الدين ۔ الفاظ آیت کے اندر رعایت ادب کس درجہ موجود ہے! اول تو پیمبر صاف صاف اپنے لیے خطيئة کا وجود تسلیم کرتے ہیں، محض اجتہادی غلطی کہہ کر نہیں گزر جاتے، اور پھر اپنی مغفوریت کو بھی جزم کے ساتھ نہیں بیان کرتے، اس کی صرف آس لگاتے ہیں۔۔۔ کہاں پیمبر جلیل حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ ادب و درجہ تواضع، اور کہاں بعض صوفیہ خامکار کا یہ دعویٰ کہ ہم خود تو خیر بڑی چیز نہیں، اپنے مریدوں، مرشدوں میں سے جس کو چاہیں گے چھڑا لیں گے!

۶۱ (تاکہ وہ لوگ میرے طریق پر چلیں اور میرے لیے اضافہ ثواب و حسنات کا باعث ہوں اور یہ ذکر خیر تو جبھی جاری رہے گا جب میرے اعمال صالحہ ستودہ ہوں گے)

قال المحققون من شيوخ الزهد في هذا دليل على الترغيب في العمل الصالح الذي يكسب الثناء الحسن. (قرطبی، ج۱۳/ص:۱۱۳)

بالصلحين۔ صالحین سے یہاں مراد ان کی اعلیٰ فرد یعنی انبیاء عالی شان ہیں۔

أي بالنبيين من قبل في الدرجة. (قرطبی، ج۱۳/ص:۱۱۲)

هب لي حكماً۔ نفس حکمت تو حضرت کو دعا کے وقت بھی حاصل تھی، دعا سے مقصود جامعیت علم و عقل میں مزید حصول کمال معلوم ہوتا ہے۔

مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾

مستحقوں میں سے کردیجئے اور میرے باپ کی مغفرت کردیجئے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ ۶۲

رب ھب لی۔ ابراہیم خلیل ابھی تک برابر صیغۂ غائب استعمال کررہے تھے۔ ھو یھدین، ھو یطعمنی وغیرہ صفات کمال بیان کرتے کرتے غلبۂ شوق وحضور سے براہ راست مناجات شروع کردیتے ہیں۔

واجعل لی .... الآخرین۔ نیک نامی کی خواہش ہرگز جاہ طلبی کے مرادف اور فطرت سلیم کے منافی نہیں، پیمبر جلیل وخلیل تک اس کی تمنا کررہے ہیں!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں سے جو اپنے سلسلے کے بقاوقیام کی تمنا ودعا منقول ہے، اس کی اصل اس آیت میں مل گئی۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۷۸)

۶۲ (سو تو اس کے لیے مغفوریت کے اسباب، یعنی ایمان اور اس کے برکات میسر کردے)

أی أمنن علیه بتوبة یستحق بها مغفرتك، وحاصله وفقه للإیمان. (روح عن ابن عباس، ج ۱۹/ص: ۹۹)

دعا آزر کی زندگی ہی کے آخر زمانے کی معلوم ہوتی ہے —— نبی جلیل بھی آخر بشر ہی ہوتا ہے، بشریت کے سارے طبعی جذبات سے معمور بس اتنا ہوتا ہے کہ نبی کا گہرا اور ہمہ وقتی تعلق مع اللہ اسے معصیت کے قریب نہیں جانے دیتا، اور اگر کان سے مراد لازمی طور پر صیغۂ ماضی اور آزر کی وفات کے بعد کا زمانہ لیا جائے، جب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو اس وقت تک اطلاع بھی ان کے حالت کفر میں موت کی نہ تھی۔

واجعلنی .... النعیم۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد نکل آیا جو جنت سے مستغنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۷۸)

نبی جلیل اور اللہ کے خلیل تک تو آرزو اور تمنا اس کی کرتے ہیں کہ انھیں جگہ جنت میں مل جائے، اور دوسری طرف ہمارے یاوہ گو شاعر اور جاہل صوفیہ ہیں جو جنت کو اپنے طنز وتعریض کا ہدف بنائے ہوئے ہیں!

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ

اور مجھے رسوانہ کرنا اس دن جب سب اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، مگر ہاں جو اللہ کے پاس

اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

پاک دل لے کر آئے۔۶۳

۶۳ (تو اسے البتہ کوئی کھٹکا نہ ہوگا)

بقلب سلیم۔ یعنی ایسا دل جو کفر وشرک کی آلائش سے پاک ہو۔

یعنی من الشرك. (ابن کثیر، ج ۳/ص:۳۱۹)

أی خالص من الشرك والشك. (معالم، ج ۳/ص:۴۷۱)

أی القلب السلیم عن مرض الکفر والنفاق هو المأثور عن ابن عباس ومجاهد وقتادة وابن سیرین وغیرهم. (روح، ج ۱۹/ص:۱۰۱)

یہ مراد نہیں کہ قلب گناہوں سے خالی ہو کہ ایسا قلب بشر کون سا ہو سکتا ہے۔

فأما الذنوب فلیس یسلم منها أحد، قاله قتادة وابن زید وأکثر المفسرین. (قرطبی، ج ۱۳/ص:۱۱۴)

ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا قلب ہو جو بدعت سے خالی ہو اور سنت پر مطمئن ہو۔

قال أبو عثمان النیسابوری: هو القلب الخالی من البدعة المطمئن علی السنة. (معالم، ج ۳/ص:۴۷۱)

آج کی زبان میں یوں سمجھئے کہ قلب سلیم وہ قلب ہوتا ہے، جو خیر وشر کا شعور زندہ و بیدار رکھتا ہو۔ آج نفرت ومحبت تک میں تو حیوانات بھی انسان کے شریک ہوتے ہیں، لیکن خیر وشر کا شعور وہ چیز ہے جو قلب انسانی ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

یوم لاینفع مال ولا بنون۔ جاہلی قومیں جس ادھوری، مبہم، ناقص حد تک حشر کی قائل بھی تھیں، تو آخرت کو دنیا پر قیاس کر کے یہ فرض کیے رہتی تھیں کہ جس طرح دنیا میں کام آنے والی چیزیں

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور جنت متقیوں کے نزدیک کردی جائے گی ۶۴ اور گمراہوں کے سامنے دوزخ ظاہر کردی جائے گی۔ ۶۵

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ

اوران سے کہا جائے گا کہ (اب) وہ کہاں گئے جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا

هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغٰوٗنَ ﴿۹۴﴾

کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں؟ ۶۶ پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب

مال واولاد ہیں آخرت میں بھی یہی کام آجائے گی۔

ولا تخزنی یوم یبعثون۔ یعنی میرے باپ کا مبتلائے عذاب آخرت دیکھا جانا خود میرے ہی لیے تو ایک علامت رسوائی کی رکھتا ہے۔ یہ پیمبروں کے سردار تک حشر کی رسوائی سے خوف زدہ ہیں، اور اس سے بچنے کی دعا و مناجات کر رہے ہیں! اللہ اللہ!

۶۴ (تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں قریبی داخلے کی بشارت سے اور زیادہ مسرور و محظوظ ہوں)

اللہ اکبر! مومنین متقین کے مرتبہ و اکرام کا کیا کہنا! بجائے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے، الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی!

۶۵ (تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں قریبی داخلے کی خبر سے اور زیادہ وحشت زدہ اور دہشت زدہ ہوں)

برزت۔ دوزخ ان خبیثوں کو تو شروع ہی سے گھیرے ہوئے تھی، آخرت میں فرق یہ ہوگا کہ وہ ان پر نمایاں اور ظاہر ہو کر بھی رہے گی۔

۶۶ معبودانِ باطل کی غایت بے بسی و بیچارگی کا بیان ہے کہ وہ دوسروں کو کیا چھڑائیں گے، خود اپنے کو بچانے پر بھی قادر نہیں۔

قیل .... تعبدون۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ اہل دوزخ سے انھیں اور زیادہ جلانے کے لیے کیا جائے گا۔

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي

اس میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ وہ اس (دوزخ) میں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے ۶۷ کہ بہ خدا بے شک ہم صریح

ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾

گمراہی میں تھے جب کہ تم کو پروردگار عالم کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان (بڑے) مجرموں نے گمراہ کیا۔

فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں اور نہ کوئی مخلص دوست ہی ہے ۶۸ سو کاش ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ملتا تو ہم مومن ہو جاتے۔

۶۷ یہ کہنے والے وہی مشرکین اور دیوی دیوتاؤں کے پجاری ہوں گے، اور ان سے کہیں گے کہ جنہیں دنیا میں وہ دیوتا دیوی، ٹھاکر، اوتار وغیرہ مانتے رہے تھے۔

وھم فیھا یختصمون۔ اہل دوزخ، عابد ہوں یا معبود، برابر باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔

۶۸ (جو رہائی دلانا تو خیر دور رہا، کم از کم ایسا ہی ہوتا کہ خالی ہمدردی و دل سوزی ہی کی بات کر لے)

ان الفاظ میں اہل دوزخ کی یاس اور بے بسی کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

إذ نسویکم برب العالمین۔ لیکن یہ تسویہ کس چیز میں تھا؟ مشرکین اپنے معبودوں کو آخر کس حیثیت سے پروردگار عالم کے درجے پر رکھتے رہے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ حیثیت خالق کائنات، قادر مطلق و پروردگار کے نہیں، بلکہ ان کی محبت، عظمت میں غلو کر کے، عملاً ان کو مطاع مطلق سمجھ لینے سے ہے۔

ابن القیم نے اس نکتہ کو خوب سمجھا ہے:

وھذہ التسویة إنما کانت فی الحب والتالیه واتباع ماشرعوا، لافی الخلق والقدرة والربوبیة.......... وھذہ التسویة لم تکن منھم فی الأفعال والصفات، بحیث اعتقدوا أنھا مساویة للّٰه سبحانه فی أفعاله وصفاته، وإنما کانت تسویة منھم بین اللّٰه وبینھا فی المحبة والعبودیة والتعظیم مع اقرارھم بالفرق بین اللّٰه وبینھا.

(تفسیر القیم، ص: ۳۹۶)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

بے شک اس ماجرے میں ایک نشان ہے ۶۹ اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار تو بڑا

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

قدرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۶۹ الف۔ نوح کی قوم نے پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے

أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راست باز پیمبر ۷۰ سو اللہ سے ڈرو

اور دوسری جگہ لکھا ہے:

ومن المعلوم: أنهم إنما سووهم به سبحانه في الحب والتاليه والعبادة، وإلا فلم يقل أحد قط: إن الصنم أو غيره من الأنداد مساوٍ لرب العالمين في صفاته وفي أفعاله، وفي خلق السموات والأرض، وفي خلق عابده أيضاً، وإنما كانت التسوية في المحبة والعبادة. (تفسير قيم، ص: ۱٤۱)

اور آگے لکھا ہے کہ یہ مشرکین تو خیر پھر غنیمت تھے کہ اللہ اور دوسرے معبودان کو ہر حیثیت سے برابر نہیں سمجھتے تھے، اور اللہ کے اعظم واشرف ہونے کے بہر حال قائل تھے، افسوس ان لوگوں کے حال پر ہے جو وحدت الوجود کے قائل ہیں، مخلوقات میں سے ہر شے کو اللہ کے برابر رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ شجر، حجر، حیوان کسی شے کی بھی پرستش اللہ ہی کی پرستش ہے۔ (تفسیر قیم، ص: ۱۴۱)

۶۹ (ہماری توحید و قدرت کا)

"اس ماجرے میں" یعنی یہی جو اوپر مذکور ہوا۔ حضرت ابراہیم کا قصہ اور قیامت کے دن کا نقشہ۔

۶۹ (الف) چنانچہ اس نے اس قصۂ ابراہیمی میں اپنی قوت وعظمت اور فضل وکرم دونوں کے پورے نمونے دکھا دیے۔

۷۰ (سو مجھ پر اور میرے لائے ہوئے پیام پر اعتماد کرو)

كذّبت۔ قوم کے لیے فعل کا صیغہ مؤنث (كذّبت) کیوں لایا گیا ہے؟ مفسرین نے یہاں

معنی کے لحاظ سے لفظ جماعۃ فرض کیا ہے۔

أی کذبت جماعۃ قوم نوح. (قرطبی، ج ۱۳/ص:۱۱۹)

قیل ھو مذکر ولحقت فعلہ علامۃ التأنیث علی إرادۃ الأمۃ والجماعۃ منہ.

(روح، ج ۱۹/ص:۱۰۶)

لیکن بعض نے کہا ہے، اور انھی میں زمخشری بھی ہیں کہ لفظ قوم خود مؤنث ہے۔

القوم: مؤنثۃ. (کشاف، ج ۳/ص:۳۱۳)

القوم کما فی المصباح یذکر ویؤنث. (روح، ج ۱۹/ص:۱۰۶)

إنما قال کذبت لأن القوم مؤنث. (کبیر، ج ۲۴/ص:۱۳۳)

ائمۂ لغت وزبان کے یہاں بھی اس کی صراحت مل جاتی ہے کہ اس لفظ کا استعمال مذکر ومؤنث دونوں طرح جائز ہے۔ (جوہری، ج ۵/ص:۲۰۱۶۔ تاج، ج ۱۷/ص:۵۹۰۔ ابوالبقاء، ص:۱۱۱۱۔ اقرب، ج ۲/ص:۱۰۵۴)

اور خود قرآن مجید میں قوم کے لیے کہیں کذب آیا ہے اور کہیں کذبت۔

نوح علیہ السلام اور قوم نوح دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔

امین یعنی متدین۔ دیانت واحتیاط کے ساتھ پیام الوہی پہنچانے والا۔ یہ مفہوم تو لفظی معنی کے اعتبار سے ہوا، باقی خود "امین" کا مفہوم عربی زبان میں ہے، بہت وسیع، یہ لفظ اس کے لیے آتا ہے جو ہر لحاظ سے اونچے کیریکٹر یا اعلیٰ سیرت کا ہو، اور جملہ محاسن اخلاق کا جامع۔

المرسلین۔ صیغۂ جمع شاید اس لیے لایا گیا کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے سلسلۂ نبوت کی تکذیب کو مستلزم ہے اور جاہلی قوموں کا مقصود اصلی کسی پیمبر کی شخصی تکذیب ہوتی ہی نہیں، بلکہ وہ لوگ سرے سے اس تخیل رسالت ہی کے منکر ہوتے ہیں--- یہ بھی ممکن ہے کہ پیمبر کے نائبوں پر بھی جب وہ اس کے بھیجے ہوئے ملک کے اطراف وجوانب میں جائیں، لفظی اعتبار سے "مرسلین" کا اطلاق ہوتا ہو۔

أخوھم نوح۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام جو انھی لوگوں کے ہم قوم، ہم وطن وہم نسل تھے۔

وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝١٠٨ وَمَاۤ اَسۡـَٔـلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝١٠٩

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝١١٠ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لَـكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ ۝١١١

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ا ے وہ بولے، تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں درآں حالیکہ تمہارے پیرو تو بس رذیل ہی ہیں۔ ۲ ے

ا ے یعنی توحید اور عقائد حقہ کے قائل ہو جاؤ۔

وما...... العلمین۔ یہ مضمون کئی بار پیشتر بھی بیان ہو چکا ہے۔ پیمبر اپنی تبلیغ کی کوئی فیس نہیں طلب کیا کرتے، نہ نقد میں نہ جنس میں، نہ مال سے نہ جاہ سے، انھیں رضائے الٰہی کی دولت ہر دنیوی فیس اور معاوضے سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

۲ ے پیمبروں، داعیان حق اور مصلحوں پر شروع شروع میں ایمان لانے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ تر غریب غرباء عوام الناس ہی ہوتے ہیں کہ ان پر حب جاہ وحب ریاست کی تہیں بہت ہلکی چڑھی ہوتی ہیں۔۔۔ حضرت مسیحؑ پر ابتدائی ایمان لانے والے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ غریب مچھیرے (ماہی گیر) ہی تھے، اور خود ہمارے رسول کریمؐ کی دعوت پر ابتدائی لبیک کہنے والوں میں رؤساء وامرائے قریش سے کہیں زیادہ عوام وغرباء تھے۔

الأرذلــــون۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی آبادی کے ایک حصہ کو نیچ اور اچھوت قرار دینے کا مرض مشرک جاہلی قوموں میں شروع سے چلا آ رہا ہے!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض اہل اللہ سے جو لوگ استفادہ اس بنا پر نہیں کرتے کہ ان کی حیثیت ظاہری پست ہے، وہ ایسی ہی ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۷۹)

محققین نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان مسلمان سب برابر و ہم سطح ہیں، اور فقہاء نے جو کفاءت کا باب باندھا ہے تو اس کا تعلق محض عرف عام اور دنیا کی انتظامی مصلحتوں سے ہے، نہ کہ قبولیت عند اللہ سے۔

وما ذكره الفقهاء في باب الكفاءة مبني على عرف العامة لانتظام أمر المعاش ونحوه على أنه روى عن الإمام مالك عدم اعتبار شيء من ذلك أصلا وأن المسلمين

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ

(نوح نے) کہا ان کے کام سے مجھے کیا بحث، ان سے حساب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

کاش تم اسے سمجھتے! اور میں ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں، میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔۳ے

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ

وہ بولے کہ اگر اے نوح! تم باز نہ آئے تو ضرور ہی سنگسار کردیے جاؤگے ۴ے (نوح نے) دعا کی کہ

رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ

اے میرے پروردگار! میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو تو ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ کردے اور مجھے اور میرے ساتھ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ

جو ایمان والے ہیں انھیں نجات دے دے، چنانچہ ہم نے انھیں اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے (سب) کو نجات دی۔ پھر اس کے

کیفما کانوا أکفاء بعضهم لبعض. (روح،ج۱۹/ص:۱۰۸)

۳ے حضرت نوحؑ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں، حرفوں، صناعتوں کے اعلیٰ وادنیٰ ہونے سے کیا بحث! اور اگر ان کا ایمان دل سے نہیں، صرف زبان سے ہے، جب بھی میرے اوپر کیا ذمہ داری! وہ جانیں ان کا خدا جانے۔ میں بہرحال انھیں اپنے پاس سے تمہارے خوش کرنے کو کیسے ہٹا سکتا ہوں---میرا فرض تبلیغ پر ختم ہوجاتا ہے، دلوں کی ٹٹول اور احتساب میرا کام نہیں۔

۴ے سنگساری، یادرہے کہ دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے، اور معاصرین نوحؑ انھیں اپنا قومی مجرم سمجھ کر یہی سزا دینے پر آمادہ تھے---سنگساری کی سزا کا ذکر عہد عتیق میں بار بار آتا ہے۔ مثلاً خروج ۸: ۲۸ میں۔

اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ‌ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾

بعد باقی لوگوں کو غرق کردیا۔ اس ماجرے میں (بھی بڑا) نشان ہے ۵ ؎ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتۡ عَادُ اۨلۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ قَالَ

اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۵ ؎ الف۔ قوم عاد نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی

لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

ہود ۶ ؎ نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا راست باز پیغمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو

وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾

اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس پروردگار عالم ہی کے ذمہ ہے

۵ ؎ (ہماری قوت اور قدرت انتقام کا)

ومن معه فی الفلك المشحون۔ اس بھری ہوئی کشتی میں جو لوگ حضرت نوحؑ کے ہمراہ تھے، وہ اہل ایمان ہی تھے۔

قوم نوح کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورہ ہود وغیرہ میں گزر چکے۔

ثم أغرقنا بعد البقين۔ یہ غرق ہو جانے والے آپؑ کی قوم کے باقی لوگ تھے سب کے سب منکر و باغی۔

فافتح بینی و بینهم فتحاً۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شخص دین کو ضرر پہنچا رہا ہو، اس کے لیے بددعا کرنا کمال صبر و حلم کے منافی نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۸۰)

۵ ؎ (الف) چنانچہ قصۂ قوم نوح میں اپنی قوت و عظمت اور اپنے فضل و کرم دونوں کے پورے نمونے دکھا دیے)

۶ ؎ ہود۔ قوم عاد وغیرہ پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔

أخوهم۔ بھائی، ہم وطنی یا ہم نسلی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ رِیۡعٍ اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾

تو کیا تم ایک یادگار محض فضول ہر اونچے مقام پر بناتے ہو، اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے تمہیں ہمیشہ ہی رہنا ہے!۷۷

۷۷ یہ قدیم شایستہ ومتمدن قوم بڑی صناع وکاریگر تھی، خصوصاً انجینیر ی اور فن تعمیرات کی ماہر۔ ملاحظہ ہوں سورہ اعراف کے حاشیے۔

مفسر تھانویؒ نے خوب لکھا ہے کہ اس سورۃ میں مختلف انبیاء کی دعوت میں بار بار انھی فقروں کی تکرار اس لیے ہے کہ ایک ہی طرز تبلیغ سب کا تھا۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۱۸۰)

تعبثون سے ظاہر ہے کہ یہ شوق تعمیر کسی ضرورت کی بنا پر نہ تھا، محض جذبات فخر ونمایش کی تسکین کے لیے تھا۔

مرشد تھانویؒ نے کہا کہ تعبثون سے عبث (محض فضول) کی مذمت صریح نکلتی ہے، خواہ وہ عبث بہ لحاظ قول ہو یا فعل۔

لعلکم تخلدون۔ لعلّ۔ قرآن مجید میں اور جہاں کہیں آیا ہے مفہوم تعلیل کا دیتا ہے، یعنی اس سے عجب نہیں کہ تم پر یہ واقع ہو، اس سے نتیجہ عجب نہیں کہ یہ کھلے، لیکن یہاں واقدی کا قول ہے کہ تعلیل نہیں، بلکہ تشبیہ ہے، مگر خود یہ قول غریب ہے اس لیے کہ اور نحویوں نے اُسے نہیں کہا ہے۔

وعن الواقدی کل مافی القرآن من لعل فإنها للتعلیل إلاّ لعلکم تخلدون فإنها للتشبیه وهذا غریب لم یذکره النحاة. (أبو البقاء، ص:۱۲۴۲)

مرشد تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عقیدۃً یہ لوگ ان تعمیرات کے ذریعہ سے خلود کے قائل نہ تھے، مگر ان کا طرز عمل گویا اس قسم کے عقیدے پر مبنی تھا، اس لیے ان کو اس عقیدے کا معتقد فرمایا گیا۔ اسی سے حضرات صوفیہ کے اس تعامل کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کافروں کے سے کام کرنے والوں کو کافر کہہ دیا جاتا ہے، اور حدیث میں بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۱۸۱)

فقہاء نے لکھا ہے کہ بلا ضرورت بڑی بڑی عمارتیں نام کے لیے تعمیر کرانا سرتا سر داخل اسراف ہے۔

وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾

اور جب تم کسی پر داروگیر کرتے ہو تو بالکل جابر بن کر داروگیر کرتے ہو۸ے سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

وَاتَّقُوا الَّذِیۡۤ اَمَدَّکُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّکُمۡ بِاَنۡعَامٍ

اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جنہیں تم جانتے ہو، تمہاری مدد کی مویشیوں

وَّبَنِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۳۵﴾

اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے ۹ے مجھے تمہارے لیے اندیشہ ہے بڑے سخت دن کے عذاب کا

۸ے غفلت وسرمستی کی افراط کے ساتھ قوم عاد کی دوسری خصوصیت ان کا ظلم وتشدد تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک ومعذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے، وہاں ان کے شرک وجاہلیت کے ساتھ، کہ وہ سب میں مشترک ہے، ذکر ان کے مخصوص قومی جرائم کا بھی کرتا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی، خیانت وغبن فاحش میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے، کوئی ظلم وشقاوت وسنگ دلی میں، کوئی بدچلنی وشہوت پرستی میں، وغیرہا۔

بطشتم جبارین۔ یعنی کبھی گرفت جو گرفت ہی کی غرض سے ہو، سزا برائے سزا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی گرفت ہے جس میں نہ رحم ہو، نہ اس سے تادیب کا قصد ہو، اور نہ اس میں انجام پر نظر رہے۔ (روح، ج۱۹/ص:۱۱۰)

اور مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کے برعکس جس گرفت میں یہ امور ملحوظ رہیں وہ اصلاح ہے اور منافی طریق نہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۸۱)

۹ے مطلب یہ ہے کہ تم کو جو ناز اپنی کثرت تعداد پر ہے نیز اپنے ملک کے باغ وسبزہ زار پر، اور اپنے ہاں کے نہر وبار وبر پر ہے، یہ سب آخر انعامات الٰہی ہی تو ہیں۔ یہ عطیے کسی دیوی دیوتا کے نہیں، اور نہ تمہارے اپنے پیدا کیے ہوئے ہیں، اسی معبود واحد ہی کے تو ہیں۔ توحید کا تو تمہیں اور زائد قائل ہونا چاہیے! قرآن مجید نے توحید پر استدلال جس طرح انسان کی غربت وافلاس سے

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ

وہ لوگ بولے ہمارے لیے برابر ہے خواہ تم نصیحت کرو خواہ ناصح نہ بنو، یہ تو بس اگلے لوگوں

اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ

کی ایک رسم ہے، اور ہم کو (ہرگز) عذاب نہیں ہونے کا۔۸۰ غرض ان لوگوں نے (ہود کو) جھٹلایا، سو ہم نے انھیں ہلاک کردیا۔۸۱

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

بے شک اس میں ایک (بڑا) نشان ہے لیکن اس میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ

قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔۸۱(الف) قوم ثمود نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا

کیا ہے اسی طرح اس کی خوش حالی و امارت سے بھی کیا ہے۔

جنّت وعیون قوم عاد، خیال رہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شاداب و زرخیز ترین علاقے میں آباد تھی، یعنی یمن و حضرموت میں، خلیج فارس کے ساحل پر، اور عراق عرب کی سرحد تک۔

۸۰ یعنی اس قسم کا وعظ و پند تو پرانے زمانے کے لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں، اس کے اندر حقیقت کبھی نہ دیکھی۔

ھذا۔ یعنی جو کچھ تم ہمیں سنا رہے ہو۔

أی ما ھذا الذی جئتنا بہ. (روح، ج۱۹/ص:۱۱۲)

۸۱ (زبردست اور تند آندھیوں سے)

قوم عاد کی ہلاکت کے لیے ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف کے حاشیے۔

۸۱(الف) (چنانچہ اس قصۂ عاد کے اندر ہماری قوت و عظمت اور فضل و کرم دونوں کے پورے نمونے موجود ہیں)

صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

کہ تم لوگ نہیں ڈرتے ؟ میں تمہارے لیے ایک راست باز پیمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَکُوْنَ

اور میں تم سے کوئی صلہ (تبلیغ) اس پر نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے ۸۲ کیا تم کو انھی چیزوں میں بے فکری سے

فِیْ مَا ھٰھُنَآ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُھَا ھَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾

رہنے دیا جائے گا، باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور خوب گندھے ہوئے گپھے والے کھجوروں میں؟

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِھِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو ۸۳ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور حدود سے نکل جانے والوں کا کہا نہ مانو، جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ ۸۴

۸۲ قوم ثمود اور حضرت صالحؑ دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔

فاتقوا اللّٰہ و أطیعون۔ خوف تو اللہ سے رکھو اور اطاعت اور پیروی میری کرو۔ ہر پیمبر کی دعوت کا خلاصہ ہمیشہ رہا ہے۔

أخوھم۔ ''بھائی'' سے مراد وہی وطنی یا نسلی برادری ہے نہ کہ دینی یا اعتقادی۔

باقی آیتیں اس سلسلے کی بار بار آچکی ہیں، اور اوپر ان کے حاشیے گزر چکے۔

۸۳ قوم ثمود کی تہذیب وتمدن اور فنون سنگ تراشی وغیرہ پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔

جنّٰت وعیون۔زروع ونخل۔ قوم ثمود عرب کے شمالی ومغربی علاقے میں آباد تھی، جو خوب سرسبز وشاداب تھا۔

۸۴ خداوندی قانون کو نہ ماننے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بے حیائی، شراب نوشی، زنا کاری، سود خواری، رشوت وخیانت، رشک وحسد سے ہمیشہ جسمانی اور اخلاقی بیماریاں ہی بڑھی ہیں، اور کشت وخون، قتل ومحاربے سے

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ

وہ لوگ بولے تم پر تو کسی نے سخت جادو کردیا ہے تم بس ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ

سوکوئی نشان پیش کرو، اگر تم سچے ہو۸۵ (صالح نے) کہا یہ ایک اونٹنی ہے

لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

پانی پینے کے لیے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری ۸۶ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا

کر معاشری ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی رہی ہیں۔ قرآن نے ان سارے انفرادی واجتماعی امراض کے لیے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کردیا ہے۔

یہ آیت روشن ہمیشہ سے تھی، آج کے مخصوص حالات میں روشن تر ہوگئی ہے، اخلاقی، سیاسی، معاشری، تعلیمی، کیسے کیسے نئے نظریے، خدائی احکام کے مدمقابل اور انھیں چیلنج دینے والے، خوشنما ناموں، پُرفریب عنوانوں کے ساتھ نکل آئے ہیں، ان سب کے دعوت دینے والے، ان کا پروپیگنڈہ کرنے والے، قرآن مجید کے جامع لفظ المسرفین کے تحت میں سب کے سب آجاتے ہیں۔

المسرفین۔ قوت عقلی ہو یا فعلی یا اعتقادی ان کا بے جا صرف کرنا سب داخل اسراف ہے۔

۸۵ (اپنے دعوئے نبوت میں)

آیت یعنی خارق عادت۔ انبیاء کی دعوت کا اصل جوہر خود ان کی تعلیمات رہی ہیں، جاہلی قوموں نے بجائے ان تعلیمات کی قدر کرنے کے ہمیشہ مطالبہ خوارق ومعجزات کا کیا ہے، اور پیمبروں کی بشریت ہی کو ان کی رسالت کا مانع اور اس کے منافی قرار دیا ہے۔ مظہر خدا، فرزند خدا، زوج خدا، فوق البشر، یہ سب کچھ تو وہ سمجھ سکتے تھے لیکن ''رسول'' خدا کا تصور ہی گویا ان کی دماغی گرفت سے باہر تھا۔

آج اولیاء اللہ کو بھی بہت سے جاہل ان کے لوازم طبعی اور حوائج بشری کی بنا پر حقیر سمجھتے ہیں۔

۸۶ یعنی ایک باری میں وہ اونٹنی پانی پیا کرے، اور دوسری باری میں تمہارے جانور۔ مفصل حاشیے اس سارے ماجرے پر سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ

ورنہ تمہیں ایک بڑے سخت دن کا عذاب آ پکڑے گا، مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر (اس پر) پچھتائے ۸۷ پھر ان کو عذاب نے آ لیا

الْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

بے شک اس ماجرے میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، اور بے شک آپ کا

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

پروردگار بڑا قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔ ۸۷ (الف) قوم لوط نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا، جب کہ ان سے ان کے بھائی لوط

أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

نے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو ۸۸ میں تمہارے لیے ایک راست باز پیمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو

۸۷ (جب عذاب کی آمد دیکھ لی)

یہ پچھتاوا ایک تو یوں بھی بے کار تھا اس لیے کہ محض ایک طبعی کیفیت تھی، تلافی و تدارک اور تجدید ایمان کا کوئی جز اس کے ساتھ نہ تھا، اور پھر یہ بھی اس وقت جب آثار عذاب نمایاں ہو چکے تھے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ ندامت اس لیے لاحاصل رہی کہ انھوں نے اپنے فعل کی تلافی ایمان سے نہ کی۔ (روح، ج ۱۹/ص: ۱۱۴)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ توبہ کے لیے ندامت طبعی کافی نہیں، ندامت عقلی ہونا چاہئے۔ (تھانوی، ج ۳/ص: ۱۸۲)

۸۷ (الف) چنانچہ اس قصہ ثمود میں اللہ کی قوت وعظمت، اور فضل وکرم دونوں کے پورے نمونے موجود ہیں۔

۸۸ حضرت لوطؑ اور قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔

المرسلین کے صیغۂ جمع پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔

أخوهم۔ أخ انھیں یہاں اس لحاظ سے کہا گیا کہ حضرت لوطؑ عراق سے آکر انھی کے ملک شرق اردن میں بس گئے تھے۔

وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی

اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے

رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاۡتُوۡنَ الذُّکۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوۡنَ مَا خَلَقَ

تمام دنیا جہاں والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے

لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ عٰدُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہِ

بیویاں پیدا کی ہیں، انھیں چھوڑے رہتے ہو، بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے ہی لوگ ہو۔۸۹ وہ لوگ بولے کہ اے لوط! اگر تم

۸۹ ذکر قوم لوط کی اس غیر طبعی شہوت پرستی کا ہے، جس میں وہ لوگ آج کل کی بعض بڑی ''مہذب ومتمدن'' قوموں کی طرح شدت سے مبتلا تھے۔

من العالمین کا تعلق أتاتون سے ہے، یعنی ساری مخلوق میں تم ہی ایسے ہو، جو ایسی گندی حرکت کے مرتکب ہوتے ہو۔

یعنی أنکم یا قوم لوط وحدکم مختصون بھذہ الفاحشۃ. (کشاف، ج۳/ ص:۳۱۹، مدارک، ص:۸۲۸)

لایشارککم فیہ غیرکم. (بیضاوی، ج۴/ص:۱۰۹-روح، ج۱۹/ص:۱۱۵)

أی أنتم من جملۃ العالمین صرتم مخصوصین بھذہ الصفۃ، وھی إتیان الذکران. (کبیر، ج۲۴/ص:۱۳۸)

اور اگر من العالمین کا تعلق الذکران سے سمجھا جائے، تو معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم دنیا جہاں کے مردوں سے یہ بدفعلی کرتے رہتے ہو۔ اور اس صورت میں یہ تاریخی حقیقت روشنی میں آجائے گی، کہ سدوم والے اپنی بدمستی کا اصلی ہدف آفاقیوں، پردیسیوں، اجنبیوں کو رکھتے تھے، خود قرآن مجید کی آیت کریمہ أولم ننھك عن العالمین بھی اسی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

بل أنتم قوم عدون۔ ان بدفعلیوں کی محرک کوئی طبعی جنسی خواہش کسی درجہ میں بھی نہ تھی، یہ محض نفس کا خبث اور طبیعت کا شیطانی میلان تھا، جو انھیں اغلام ولواطت کی طرف لے آیا تھا۔

يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾

باز نہ آئے تو تم ضرور نکال دیے جاؤ گے (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے (اس) عمل سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔۹۰

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے گھر والوں کو نجات دے اس کام (کے وبال) سے جو یہ کرتے رہتے ہیں سو ہم نے انھیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ

البتہ ایک بڑھیا کو کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ۹۱ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر مارا، اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا۔

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

سو کیسا برا مینہ تھا جو ڈرائے ہوؤں پر برسا۔۹۲ بے شک اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان

حد سے گزر جانے والے یعنی حدود انسانیت سے گزر جانے والے یا جرائم پیشہ یا مجرمانہ فطرت کے لوگ۔

۹۰ (اور میں تمہاری ان دھمکیوں میں آکر اپنے وعظ و پند اور تبلیغ سے رک نہ جاؤں گا)

القالین۔قلی بغض شدید کو کہتے ہیں۔

القِلى البغض الشديد. (كشاف، ج ٣/ص: ٣٢١)

القِلى شدة البغض. (راغب، ص: ٤٦٠)

پیمبر جیسے صالح الفطرت انسانوں کی تو خود فطرت ایسے گندے جرم سے ابا کرنے لگتی ہے، انھیں تو جتنی بھی بیزاری ایسے جرم سے ہو کم ہے۔

۹۱ مراد زوجہ لوط سے ہے تفصیلی واقعہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔

مما يعملون میں مضاف مقدر ہے۔

أى من عقوبة عملهم (كشاف، ج ٣/ص: ٣٢١)

أى من شؤم عملهم. (روح، ج ١٩/ص: ١١٦)

۹۲ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود کے حاشیے۔

مطراً۔ یہ بارش عام بارش نہ تھی، عذاب والی بارش تھی، آتش فشانی مادے کی بارش، یا حسب

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع كَذَّبَ اَصْحٰبُ

لانے والے نہ تھے۔اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۹۲ (الف) اصحاب ایکہ نے

لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّىْ لَكُمْ

بھی پیمبروں کو جھٹلایا ۹۳ جب کہ ان سے شعیب نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک

روایت توریت، یہ بارش آگ اور گندھک کی تھی۔

''خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی، اور اس نے ان شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کیا''۔ (پیدایش، ۱۹: ۲۴، ۲۵)

توریت ہی میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھی آ کر اس منظر کا معاینہ کیا تھا۔

''اور ابرہام فجر کو اُٹھ کر اُس جگہ گیا، جہاں وہ خدا کے حضور کھڑا تھا، اور سدوم و عمورہ اور اس تمام میدان کی زمین کی طرف نظر کی، اور کیا دیکھا کہ دیکھ زمین پر سے دھواں بھٹّے کا سا اُٹھ رہا ہے''۔ (پیدایش، ۱۹: ۲۷، ۲۸)

أمطرنا۔ اسم مطر سے فعل، مَطَرَ و امطر دونوں آتے ہیں، لیکن دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ مطر کا استعمال موقع خیر پر ہوتا ہے، اور امطر کا موقع عذاب پر۔

قيل إنّ مطر يقال في الخير، وأمطر في العذاب. (راغب، ص: ۵۲۴)

دمّرنا۔ لفظ قابل غور ہے۔ اُھلکنا نہیں آیا ہے، جو مفہوم اس کا ہے، اردو میں ''ہلاک کر دیا'' سے نہیں، ''ہلاک کر مارا'' ہی سے ادا ہوتا ہے۔

۹۲ (الف) چنانچہ اس واقعۂ قوم لوط میں اللہ کی قوت و عظمت اور فضل و کرم دونوں کے پورے نمونے موجود ہیں۔

۹۳ أصحٰب الأيكة پر حاشیہ سورۃ الحجر آیت ۷۹ میں گزر چکا۔

أيكة۔ غالباً وہی مقام شمالی عرب میں ہے، جس کا نام بعد کو تبوک پڑا، ہمارے پرانے جغرافیہ نویسوں نے بھی اسے بطور احتمال لکھا ہے، صفی الدین عبدالمومن کی ''مراصد الاطلاع'' (ترجمہ اردو)

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ

راست باز پیمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ تو مانگتا نہیں،

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے

الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

نہ بنو اور صحیح ترازو سے تولا کرو۔ ۹۴ اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں نہ

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

کیا کرو اور ملک میں فساد مت مچایا کرو۔ ۹۵ اور ڈرو اس (خدا) سے جس نے تمہیں اور (ساری)

وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ

اگلی مخلوقات کو پیدا کیا۔ ۹۶ وہ لوگ بولے کہ تم تو بس سخت سحرزدہ ہو، اور تم بھی کیا ہو بجز

میں ہے: ایکۃ، جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے، تبوک ہے یا مدین"۔ (مراصد، ج۱/ص:۱۳۸، عربی ایڈیشن)

۹۴ (یعنی نہ ڈنڈی مارا کرو، نہ تولنے کے باٹوں میں گڑبڑ کیا کرو)

یہ کوئی تجارت پیشہ قوم تھی، کاروباری بداخلاقی، بددیانتی، خیانت میں مبتلا تھی، تعلیم انھیں تجارتی اخلاق و شائستگی کی دی جارہی ہے۔ اسلامی زندگی کے نقشے میں ان "معاملات" کی بھی وہی اہمیت ہے، جو دوسرے اعمال و "عبادات" کی ہے۔ حاشیے سورۃ الاعراف و سورۃ الحجر و سورۃ الھود و سورۃ الانبیاء میں گزر چکے۔

۹۵ کاروباری بداخلاقی، بددیانتی کا انجام آخر کار اجتماعی فساد پر ہوتا ہے---- قرآن مجید نے بار بار اس سے آگاہ کیا ہے کہ غیر اسلامی زندگی بالآخر اجتماعی بدامنی و فتنہ فساد کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے۔

۹۶ خطاب کا قوم شعیبؑ کی طرف ہونا بالکل ظاہر ہے، لیکن اگر ضمیر کُم کا مخاطب عام نوع انسانی کو سمجھا جائے، تو الاولین سے مراد اس صورت میں ان مخلوقات سے ہوگی، جو انسان سے قبل خلعت وجود سے مشرف ہو چکی تھیں، فرشتے، جنات وغیرہ۔

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَٰذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا

ہمارے ہی جیسے ایک آدمی کے، اور ہم تو تم کو جھوٹوں ہی میں سمجھتے ہیں، اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا

مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾

لا گراؤ، اگر تم سچے ہو۔۹۷ (شعیب نے) کہا میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو۔۹۸

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾

پھر ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، سو انھیں عذاب سائبان نے آلیا۔ بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا۔۹۹

۹۷ نبی کے سحر زدہ ہونے اور اس کی بشریت ورسالت کے درمیان منافات پر حاشیے کئی بار اوپر گزر چکے۔

فاسقط ...... من السماء۔ شعیبؑ کے قوم والے کہتے ہیں کہ اگر دعوائے نبوت میں برحق ہو تو کوئی ایسا نمایاں خارق عادت پیش کرو، جیسے یہی کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر ہم پر گر پڑے --- اس آیت اور اس قبیل کی ساری آیات میں یہ ملحوظ رہے کہ ایک قوم میں فلکیات سے متعلق پھیلے ہوئے خیال کو قرآن مجید نے محض نقل کر دیا ہے، اس سے یہ استدلال کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ خود قرآن آسمان کو جامد اور ٹھوس ٹھہرا رہا ہے۔

ان ...... من الصدقین۔ گویا وبال نازل نہ ہونا ان جاہلوں کے خیال میں دلیل تھی ان کے انکار کے قبیح نہ ہونے کی، اور یہی ذہنیت آج بھی بہت سے جاہلیوں اور جاہلوں کی ہے۔ کسی بزرگ سے انکار پر وبال نازل نہ ہونے کو اس انکار کے قبیح نہ ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

۹۸ (سو تمہارے عمل کا جو مقتضا ہے یعنی عذاب کیسا ہو اور کب ہو، اسے بھی وہی خوب جانتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خوارق اہل اللہ کے بس میں نہیں۔
(تھانوی، ج ۲/ص: ۱۸۶)

۹۹ عذاب کے وقت پہلے ایک ابر نمودار ہوا تھا، گرمی پہلے سے مسلط تھی۔ لوگ ٹھنڈی ہوا کے شوق میں اس کے نیچے جمع ہو گئے، اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور سب جل گئے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

یقیناً اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، اور آپ کا پروردگار بڑا

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ ع وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ

قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۹۹ (الف) اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اسے روح الامین نے

الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾

آپ کے قلب پر اتارا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں ۱۰۰ صاف عربی زبان میں۔

وہ ابر سائبان نما تھا، اسی بنا پر اسے عذاب سائبان سے تعبیر کیا گیا۔

۹۹ (الف) چنانچہ اللہ کی قوت وعظمت اور فضل وکرم دونوں کے پورے نمونے اس واقعۂ امت شعیبؑ میں موجود ہیں۔

۱۰۰ یہاں قرآن مجید سے متعلق سب سے پہلی بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ کسی مخلوق کا نہیں، خود پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اور دوسری بات یہ کہ رسولؐ کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے، جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی وتحریف کا امکان نہیں۔

نزل بہ۔ نزل صلہٗ ب کے بعد أنزل کے معنی میں ہے۔

أی أنزله علی أن الباء للتعدية. (روح، ج۱۹/ص: ۱۲۰)

روح الأمین۔ یعنی امانت دار فرشتہ، مراد حضرت جبرئیل ہیں، اور سلف کا اس پر اتفاق ہے۔

وهو جبريل عليه السلام، قاله غير واحد من السلف: ابن عباس ومحمد بن كعب وقتادة وعطية العوفي والسدي والضحاك والزهري وابن جريج وهذا مما لا نزاع فيه. (ابن كثير، ج۳/ص: ۳۲۶)

ان کے وصف امانت کو یہاں نمایاں کرنے کے یہی معنی ہیں کہ ان کا لایا ہوا پیام قطعاً اور تمام تر محفوظ ہے۔

بلسان عربی مبین۔ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں: ایک یہ کہ آپ نبی عالم تھے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا

اور بے شک اس کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں میں ہے ۱۰۱ کیا ان لوگوں کے لیے یہ (کافی) دلیل نہیں کہ اسے

دوسرے یہ کہ آپ نبی عرب تھے۔ یہاں بھی آخری حیثیت مراد ہے، اسی لیے زبان عرب کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ قرآن کے عربی زبان میں ہونے پر یہاں اور دوسرے مقامات پر جو زور دیا گیا ہے، اس سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن پر، یعنی کسی ترجمۂ قرآن پر حکم قرآن کا نہیں لگایا جا سکتا۔

علی قلبك۔ وحی کا مخاطب اصلی قلب ہی ہوتا ہے اور باقی دوسرے اعضاء قلب کے ماتحت ہوتے ہیں۔

القلب هو المخاطب في الحقيقة لأنه موضع التمييز والاختيار، وأما سائر الأعضاء فمسخرة له والدليل عليه القرآن والحديث والمعقول. (کبیر، ج۲۳/ص:۱٤۲)

بعض محققین سے منقول ہے کہ نبی کے پاس قبول وحی کے لیے ایک قلب بھی مخصوص ہوتا ہے اور ایک مخصوص سامعہ و باصرہ بھی۔

۱۰۱ إنه میں مضاف مقدر ہے، عربی محاورے میں عام طور سے آتا ہے: فلان في دفتر الأمير۔ اور فلاں سے مراد فلاں کے نام یا ذکر سے ہوتی ہے۔ أي اسمه أو ذكره في دفتر الأمير۔ یہاں بھی تقدیر کلام کچھ یوں ہی معلوم ہوتی ہے: أن ذكره في زبر الأولين

يعني ذكره. (کشاف، ج۳/ص:۳۲٤)

أي ذكر إنزال القرآن، قاله أكثر المفسرين. (معالم، ج۳/ص:٤۷۸)

أي ذكر هذا القرآن والتنويه به (ابن کثیر، ج۳/ص:۳۲٦)

يعني ذكره مثبت في سائر الكتب السماوية. (مدارك، ص:۸۳۱)

لیکن بہرحال الفاظ قرآنی سے یہ بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ "قرآن" کا "زبر الاولین" میں ہونا ارشاد ہو گیا ہے، حالانکہ قرآن ان اگلی کتابوں میں بجنسہ عربی زبان میں نہیں، اس لیے قرآن کا اطلاق غیر عربی کے قرآن پر بھی صحیح و صادق آتا ہے۔

بَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ

علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں؟۱۰۲ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے، پھر وہ ان کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا

هذا مما يحتج به في أن نقله إلى لغة أخرىٰ لا يخرجه من أن يكون قرآنا لاطلاق اللفظ بأنه في زبرالأولين مع كونه فيها بغيراللغة العربية. (حصاص، ج٣/ص:٣٤٨)

احتج صاحب الكشاف والمدارك والهداية على أن القرآن قرآن وان ترجم بغيرالعربية فيكون دليلاً علىٰ جواز قراءة القرآن بالفارسية في الصلوٰة لأنه لم يكن في زبرالأولين إلا بغير العربية. (احمدى،ص:٥٨٦)

اور یہیں سے امام ابوحنیفہؒ نے نماز میں فارسی ترجمہ قرآن کو خود قرآن کا قائم مقام قرار دیا ہے۔

واشتهر من الامام أبي حنيفة أنه جوّز قراءة القرآن بالفارسية والتركية والهندية وغيرذلك من اللغات مطلقاً استدلالاً بهٰذه الآية، وفي رواية تخصيص الجواز بالفارسية. (روح،ج١٩/ص:١٢٦)

لیکن محققین کا یہ بھی بیان ہے کہ بعد کو امام صاحبؒ نے اپنی رائے سے رجوع بھی کر لیا تھا اور اپنے استدلال کی خامی انھیں خود نظر آ گئی تھی۔

وقد صح رجوعه عن القول بجواز القراءة بغيرالعربية مطلقاً جمع من الثقات المحققين. (روح،ج١٩/ص:١٢٦)

وكان رجوع الامام عليه الرحمة عما اشتهر عنه لضعف الاستدلال بهٰذه الآية عليه. (روح،ج١٩/ص:١٢٦)

وقد صح رجوعه إلى قولهما وعليه الاعتماد (احمدى،ص:٥٨٦)

۱۰۲ (اور کبھی اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں)

یعلمه میں ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔

عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾

جب بھی یہ لوگ اسے نہ مانتے۔۱۰۳ ہم نے اسی طرح اس (ایمان نہ لانے) کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔۱۰۴

لھم میں ضمیر قریش کی جانب ہے، جو علمائے بنی اسرائیل کے علم وفضل کے خود بھی قائل ومعتقد تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امر تو ان کے نزدیک خود ایک دلیل معتبر ہونا چاہئے کہ علمائے بنی اسرائیل اپنے مقدس صحیفوں میں قرآن مجید کا ذکر اور اخبار پاتے ہیں۔

أی أو لیس یکفیهم من الشاهد الصادق علیٰ ذلك أن العلماء من بنی اسرائیل یجدون ذکر هذا القرآن فی کتبهم التی یدرسونها. (ابن کثیر، ج۳/ص:۳۲۷)

۱۰۳ (فرطِ عناد سے)

مطلب یہ ہے کہ قرآن اپنی ساری موجودہ شان اعجاز کے ساتھ کسی غیر عرب پر نازل کردیا جاتا، تو اس وقت توجہ اعجاز اور زیادہ واضح ونمایاں ہوجاتی، لیکن ان ظالموں کو اس درجہ عناد اور غصہ ہے کہ ایمان یہ اس صورت میں بھی نہ لاتے اور خدائی کلام اسے جب بھی نہ تسلیم کرتے۔

قال تعالیٰ مخبراً عن شدة کفر قریش وعنادهم لهٰذا القرآن أنه لو نزل علیٰ رجل من الأعاجم ممن لایدری من العربیة کلمة وأنزل علیه هذا الکتاب ببیانه وفصاحته لایؤمنون به. (ابن کثیر، ج۳/ص:۳۲۷)

والمراد بیان فرط عنادهم وشدة شکیمتهم فی المکابرة کأنه قیل ولو نزلناه بهذا النظم الرائق المعجز علیٰ من لایقدر علی التکلم بالعربیة.......... "فقرأه علیهم" قراءة صحیحة خارقة للعادة. (روح، ج۱۹/ص:۱۲۸)

أی لو نزلناه علی بعض الأعاجم الذی لایحسن العربیة فضلاً عن أن یقدر علیٰ نظم مثله فقرأه علیهم هکذا معجزاً لکفروا به. (مدارك، ص:۸۳۲)

ماکانوا به مؤمنین۔ منکرین، معاندین کے ایمان کی طرف سے اتنی یاس دلانا غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہے۔

۱۰۴ اور وہ لوگ اپنے انکار پر ہٹ کی شدت کے ساتھ قائم ہیں۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً

یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں گے، جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی، پھر (اس وقت) کہیں گے کیا (اب) ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟ ۱۰۵ یہ لوگ ہمارے عذاب

سلکنہ میں ضمیر کفر بالقرآن وعدم ایمان کی طرف ہے، جو شامل ہے ماکانوا بہ مومنین میں۔

يعني القرآن أي الكفر به. (قرطبي، ١٣/ص:١٣٩)

أي التكذيب والكفر والجحود والعناد. (ابن كثير، ج٣/ص:٤٧٩)

قال ابن عباس والحسن ومجاهد أدخلناه الشرك والتكذيب. (معالم، ج٣/ص:٤٧٩)

أي أدخلنا التكذيب أو الكفر وهو مدلول قوله: ماكانوا به مؤمنين. (مدارك، ص:٨٣٢)

یہ دلوں میں کفر وتکذیب کا ڈال رکھنا ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے محض تکوینی حیثیت سے ہے، اور آیت اس پر دلیل ہے کہ امور تکوینی جتنے بھی ہیں، سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

يدل على أن الكل بقضاء الله وخلقه. (كبير، ج٢٣/ص:١٤٦)

اور آیت سے اہل سنت نے معتزلہ کے مقابلے میں استدلال کیا ہے کہ ہر فعل خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وهو حجتنا على المعتزلة في خلق أفعال العباد خيرها وشرها. (مدارك، ص:٨٣٢)

۱۰۵ (حالانکہ وہ وقت نہ مہلت ملنے کا ہوگا نہ قبول ایمان کا)

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا

(کون کراس) میں کیا جلدی چاہتے ہیں؟۱۰۶ ذرا بتلا! اگر ہم انھیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں، پھر جس (عذاب) کا

يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ

ان سے وعدہ ہے وہ ان پر آجائے، تو وہ ان کا عیش ان کے کیا کام آسکتا ہے۱۰۷ اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں

قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

سب میں ڈرانے والے آچکے نصیحت کے واسطے۱۰۸ اور ہم کچھ ظلم کرنے والے تو تھے ہی نہیں۔ ۱۰۸(الف)

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾

اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے نہ وہ اس قابل اور نہ یہ ان کے بس کی بات۔ ۱۰۹

۱۰۶ (براہِ انکار)

کفار معاندین عذاب کی وعیدیں سن سن کر کہتے ہیں کہ اگر یہ خبر سچ ہے، تو عذاب آخر آ کیوں نہیں جاتا؟

۱۰۷ تو اگر انھیں مہلت مل بھی جائے، تو اس سے حاصل کیا؟ جب عذاب ان پر آنا ہی ہے اور انھیں ایمان نہ لانا ہی ہے، تو جیسے آج ویسے چند سال بعد، اس عارضی مہلت والتوا سے کچھ جان تو ان کی بچ جائے گی نہیں۔

۱۰۸ اور جب ان لوگوں نے پیمبر کی کچھ نہ سنی، بلکہ الٹے اسی کے ردو مضحکہ میں لگ گئے جب کہیں جا کر عذاب نازل ہوا ہے۔

۱۰۸ (الف) (کہ بغیر تنبیہ وانذار کامل کے ان پر عذاب نازل کردیں)

۱۰۹ (جو اس کے مضامین میں کسی خلط کا احتمال ہو یا اسے غیر خدائی وضع وتحریف کا نتیجہ سمجھا جائے)

ومایبنغی لھم۔ یعنی کہاں وحی الٰہی کے یہ بلند مضامین اور کہاں شیاطین! دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں، اور پھر ومایستطیعون۔ بالفرض شیاطین کوشش وارادہ کریں بھی، جب بھی اخلاقیات، اجتماعیات وروحانیات کے یہ بلند مضامین پیش کرنے پر کہاں سے قادر ہوسکتے ہیں؟

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ

وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم کیے جا چکے ہیں۔ ۱۱۰ آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریئے

فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

ورنہ آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی ۱۱۱ آپ اپنے کنبے کے عزیزوں کو ڈراتے رہیے۔ ۱۱۲

۱۱۰ چنانچہ متعدد عرب کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے اپنی ناکامی کا خود اعتراف کیا اور انھوں نے اس کی خبر دوسروں کو بھی دی)

اہل عرب، کاہنوں اور ساحروں کے خوگر، قرآن مجید کے اعجاز سے قائل ولاجواب ہو کر یہی سمجھنے لگتے تھے کہ ہو نہ ہو یہ "نبی" کوئی کاہن ہیں، ان کے پاس یہ کلام موکل شیاطین لے کر آتے ہیں---اور تنہا عرب ہی میں نہیں، کہانت کا چرچا تو اُس وقت ملک ملک میں تھا۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہ تم لوگ بھی کس درجہ بدعقل ہو، شیاطین تو تمام تر مجسمۂ ظلمت وضلالت ہیں اور قرآن سرتاسر نور وہدایت۔ قرآن کے مضامین عالیہ وعلوم کو بھلا شیطانی ہفوات سے مناسبت کیا؟ اور پھر شیطانوں میں اتنی قوت وقدرت ہی کہاں کہ وحی الٰہی کو گڑھ سکیں، یا اس میں اپنی طرف سے کوئی جز ہی شامل کر سکیں!

۱۱۱ یہ صیغۂ حاضر کمالِ تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لیے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ پیمبر کو شرک سے مناسبت ہی کیا ہو سکتی ہے!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ولی سے کسی حال میں بھی تکلیف شرعی ساقط نہیں ہو سکتی۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۸۶)

۱۱۲ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل میں اپنے عزیزوں کو بلا کر جمع کیا اور ان پر تبلیغ کی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے---قریبی عزیزوں کے ذکر کی تخصیص اس لیے ہے تاکہ انھیں بھی معلوم ہو جائے کہ نجات بغیر پیمبر کے اتباع کے ممکن نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ

اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ اس کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیے ۱۱۳ لیکن اگر یہ آپ کا کہنا نہ مانیں

فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾

تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ ۱۱۴ اور آپ بھروسہ رکھئے بڑے قوت والے بڑے رحمت والے (خدا) پر

خصهم...... ليعلموا أنه لا يغني عنهم من الله شيئاً وأن النجاة في اتباعه دون

قربه. (مدارك، ص:۸۳۳)

أي لا يتكلمون على نسبهم وقرابتهم. (قرطبي، ج۱۳/ص:۱۴۲)

عشيرتك الأقربين۔ فقہاء نے کہا ہے کہ وعظ فرض کفایہ ہے، شروع اپنے عزیزوں

قریبوں سے کرے اور پھر جہاں تک ہو سکے پھیلانا چاہئے۔

۱۱۳ کہاں پیمبر اور کہاں امتی، شرف و منزلت کے اعتبار سے دونوں کا مقابلہ ہی کیا! لیکن یہاں صراحت کے ساتھ حکم مخدوم و آقا کو مل رہا ہے کہ وہ اپنے متبعین کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیں!---یہ تعلیم اسلام کے سوا کہاں ملے گی؟

محققین نے کہا ہے کہ فروتنی کا حکم جب سردار و مخدوم کو اپنے خادموں کے مقابلے میں مل رہا ہے تو خود خادموں، مریدوں، شاگردوں کو تو اپنے بزرگوں، مرشدوں، استادوں کے حضور میں کہیں زیادہ فروتنی کے ساتھ رہنا چاہئے!

واخفض جناحك ۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ خفض جناح کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جو اطاعت سے پیدا ہوتی ہے، جیسے اولاد کی فروتنی والدین کے مقابلے میں، دوسری وہ جو شفقت سے پیدا ہوتی ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۸۶)

۱۱۴ واخفض جناحك میں تعلیم ابھی ابھی حب فی اللہ کی ملی تھی اب فإن عصوك میں تعلیم بغض فی اللہ کی مل رہی ہے۔

الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٢٢٠﴾

جو آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخاست کو دیکھتا رہتا ہے ۱۱۵ بے شک وہ بڑا ہی سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۱۱۶

۱۱۵ (اور وہی ہر ضرر سے آپ کی حفاظت کے لیے کافی ہے)

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ ضررِ حقیقی سے ہمیشہ محفوظ رہے، اور متوکل کو جو ضرر پہنچتا ہے وہ صرف ضررِ صوری ہوتا ہے، جس کے اندر ہزاروں نفع ہوتے ہیں، جس کا ظہور خواہ دنیا میں ہو، خواہ آخرت میں۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۱۸۸)

اور مقام توکل صوفیہ کے ہاں ایک معروف و مسلم مقام ہے۔

یرٰك حین تقوم۔ یعنی حالت نماز میں۔

أی تقوم إلیٰ صلاتك من أكثر المفسرین. (معالم، ج ۳/ص:۴۸۳)

اللہ دیکھتا تو ہر حال اور ہر وقت ہی رہتا ہے، یہاں حالت نماز سے متعلق تخصیص ہے۔ یرٰك کہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ عنایت خاص کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے۔

تقلب کے لفظی معنی گھومنے، پھرنے، الٹ پلٹ کے ہیں۔

التقلّب التصرّف (راغب، ص:۴۵۹)

مراد یہاں نشست و برخاست سے لی گئی ہے۔

السّٰجدین کے لفظی معنی سجدہ کرنے والے کے ہیں۔ مراد نمازی ہیں، خود سجود کے مجازی معنی نماز کے ہیں۔

وقد یُعبّر به عن الصلوٰة. (راغب، ص:۲۵۱)

فی السّٰجدین أی فی المصلین. (ابن جریر عن قتادة، ج ۱۹/ص:۴۱۳)

الساجدین المصلین. (ابن جریر عن ابن زید، ج ۱۹/ص:۴۱۳)

والمراد بالساجدین: المصلون. (كشاف، ج ۳/ص:۳۳۰)

۱۱۶ چنانچہ وہ سمیع آپ کی دعاؤں کو خوب سن رہا ہے اور وہ علیم آپ کے پاکیزہ خیالات کو خوب جان رہا ہے۔ آپ کے دشمنوں کی کھلی اور چھپی دشمنی سب اس پر عیاں ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾

اچھا تو میں تم کو بتادوں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں؟ ۱۱۷ ایسوں پر اترا کرتے ہیں جو (جھوٹے) لپاپیے ہوں بدکردار ہوں

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾

اور جو (ان کی طرف) کان لگائے رکھتے ہوں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ ۱۱۸

۱۱۷ (اور تمہارے اس فریب ذہن کو بھی دور کردوں)

مشرکین مکہ کا ایک وسوسہ یہ بھی تھا کہ رسالت (نعوذ باللہ) ایک شعبہ کہانت کا ہے، اور کاہنوں کو غیب کی خبریں موکل شیطانوں کے ذریعے سے مل جایا کرتی ہیں۔قرآن مجید یہاں جواب ان کے اس شبہ کا دے رہا ہے۔

۱۱۸ (اپنے دعوئے کہانت وغیب دانی میں)

قرآن مجید نے مشرکوں سے مخاطب ہوکر کہا ہے کہ بات زبان سے بک ڈالنے سے پیشتر یہ بھی تو سوچ لیا کرو کہ کچھ لگتی ہوئی بھی ہے؟ شاگرد واستاد میں کچھ تو مناسبت ہونا چاہئے۔شیطان سے تعلق رکھنے والے کون لوگ ہوتے ہیں؟ شیطان سے فیض پانے والے کس سیرت، کس اخلاق کے ہوتے ہیں؟ شیطان کے تربیت یافتہ تو وہی ہوتے ہیں جو جھوٹے، لپاپیے، بدکردار، گناہوں کی گندگی میں آلودہ ہوتے ہیں---یعنی ٹھیک ان پاکیزہ خو، فرشتہ صفت اصحاب نبوی کے برعکس، جن کے اوصاف ابھی سورۃ الفرقان میں بیان ہوچکے ہیں۔ایسے متقیوں، پاکبازوں کے سردار کو بھلا شیطان کے سایہ سے بھی کوئی مناسبت ہوسکتی ہے؟

اکثرھم کذبون میں اکثر سے مراد کل لی گئی ہے، یعنی یہ سب کے سب جھوٹے ہیں۔

وقد فسر الأكثر بالكل. (بیضاوی، ج ٤/ص:١١١)

دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ کثرت سے جھوٹ بولنے والے ہیں، گویا کثرت کا تعلق تعداد سے نہیں، ان کے اقوال سے ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾

اور یہ شاعر تو ان کی پیروی بدر اہ لوگ کرتے رہتے ہیں ۱۱۹ کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ (شاعر) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔ ۱۲۰

والأظهر أن الأكثرية باعتبار أقوالهم. (بيضاوى، ج ٤ / ص: ١١١)

سب سے زیادہ دل نشین معنی وہ ہیں جو زمخشری نے کیے ہیں، یہ یعنی ان میں سے اکثر دعوائے کہانت ہی میں جھوٹے ہیں۔ شیاطین سے جو خبریں پانا بیان کرتے ہیں، خود اس دعوے میں یہ سچے نہیں۔

والأكثر الأفاكين كاذبون يفترون على الشياطين مالم يوحوا إليهم. (كشاف، ج ٣ / ص: ٣٣١)

كاذبون في مايقولون ويخبرون. (ابن جرير، ج ١٩ / ص: ٤١٥)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شیطان طالب صادق و متقی کے اندر ایسا تصرف نہیں کر سکتا، جس سے اس کے دین کو ضرر پہنچے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۸۷)

۱۱۹ مشرکین و منکرین کا دوسرا بڑا شبہ آپؐ سے متعلق شاعر ہونے کا تھا۔ شاعر سے مراد کلام وزن و قافیہ سے کہنے والے نہیں، بلکہ وہ لوگ ہیں، جو خیالی مضامین اور رنگین عبارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔۔۔ عرب جاہلی کی تہذیب و تمدن میں شعراء کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب بنا دینا ان کا معمولی کرتب تھا۔۔۔ شاعروں کی ذریت تو انھی لوگوں پر شامل رہتی ہے، جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔

الغاوون کے تحت میں وہ سب لوگ آ گئے، جن کے ایمان اور حسن کے اخلاق کمزور ہیں۔

أى السفهاء أو الرادون أو الشياطين أو المشركون. (مدارك، ص: ٨٣٥)

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۲۰ (خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے، ٹھوکریں کھاتے)

یعنی شاعروں کو واقعیت، حقیقت سے واسطہ کیا ہوتا ہے؟ یہ تو تمام تر تخیل پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ قرآن جو سرتاسر دفتر حقائق ہے وہ تو شعر و شاعری کی بالکل ضد ہے۔

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور وہ کہتے وہ ہیں جو وہ کرتے نہیں ۱۲۱ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے

وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا

اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا، اور بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (اس کا) بدلہ لیا (تو وہ اس حکم میں داخل نہیں) ۱۲۲

۱۲۱ شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا، وہ مضامین شجاعت و مردانگی کے باندھے گا، لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہوگا، وہ قصیدہ خوانی عفت وعصمت کی کرے گا اور خود انتہا درجہ کا بدچلن اور سیاہ کار ہوگا۔ عموی خصلت ہر ملک وقوم کے شاعروں کی یہی ہے---قوم کی قوت عملی کو وہ اور کمزور کرتے رہتے ہیں۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ دور اموی کے مشہور عرب شاعر فرزدق نے جب اپنا وہ شعر جس میں اپنی حرام کاری کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کو سنایا تو خلیفہ نے برجستہ کہا کہ اس اقبال جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آگئی، شاعر نے فوراً یہی آیت قرآنی اپنی صفائی میں پڑھ کر اپنی جان بچائی---گویا یہ ظاہر کر دیا کہ ہم شاعر لوگ ہیں، ہمارے کلام سے ہمارے عمل پر بھلا کیا شہادت مل سکتی ہے؟

۱۲۲ اسلام اکثر "فنون لطیفہ" کی طرح بالعموم شاعری کا بھی ہرگز قدرداں نہیں، اور نہ شاعروں کی ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے دربار میں کوئی کرسی ہرگز شاعروں کے لیے نہیں، اس لیے کہ عام شاعری میں بجز خیال آرائی اور مبالغہ پروری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اعلم أن الآيات الدالة على تقبيح الشعر أكثر من أن تحصى. (احمدی، ص:٥٨٦)

واستدل بالآية على ذم الشعر والمبالغة في المدح والهجو وغيرهما من فنونه.

(روح، ج١٩/ص:١٤٧)

والشعراء عام يدخل فيه كل شاعر والمذموم من يهجو ويمدح شهوة محرمة ويقذف المحصنات ويقول الزور وما لا يسوغ شرعاً. (بحر، ج٧/ص:٤٨)

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ ۱۲۳

ذکروا اللہ کثیراً۔ اسلامی نظمیں، جوش دینی پیدا کرنے والی، عصبیت اسلامی کو بیدار کرنے والی، سب ذکرِ الٰہی ہی کی فرد ہیں۔۔۔ قرآن نے شاعروں پر یہ ملامت صرف عمومی یا اکثری حیثیت سے کی ہے، کلی حیثیت سے نہیں۔ ایمانی، اسلامی شاعری کو اس سے بالکل مستثنیٰ رکھا ہے۔ شاعر دربار نبوت حضرت حسانؓ بن ثابت سے لے کر اقبال و اکبر تک کی اسلامی، اصلاحی شاعری اسی ذیل میں آجاتی ہے۔

وجوازه في الزهد والأدب ومكارم الأخلاق وجواز الهجو لمن ظلم انتصاراً۔ (روح، ج ۱۹/ص: ۱۴۷)

۱۲۳ یعنی جہنم میں۔

أیّ منقلب ''کیسی جگہ'' سے مراد کیسی مصیبت وتکلیف کی اور بری جگہ ہے۔ یہ ان منکرین سے متعلق وعید ہے، جو اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہی پہنچاتے رہے۔

الذین ظلموا مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے، رسول کے، بندوں کے حقوق تلف کرتے رہے۔

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ

عجب کیا ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے ۱۱۷ اور آپ کہتے رہئے کہ اے میرے

مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ

پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ ۱۱۸ اور مجھے نکالتے وقت خوبی سے نکالیو ۱۱۹ اور مجھے اپنے پاس

ای بالقرآن - (قرطبی)

۱۱۷ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے۔

مقام الشفاعة (ابن جریر عن ابن عباس) ای مقام الشفاعة یوم القیامة (ابن جریر عن الحسن)

وھو مقام الشفاعة عند الجمھور (مدارک)

عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو المقام الذی اشفع لامتی فیہ - (ابن کثیر عن الامام احمد)

عسیٰ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک کا پہلو نہیں رہ جاتا بلکہ تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔

عسی من اللہ تعالیٰ واجب (معالم)

اتفق المفسرون علی ان کلمة عسی من اللہ واجب (کبیر)

اگرچہ امام راغب کو اس معنی سے قطعی اختلاف ہے اور انھوں نے اسے مفسرین کا قصور نظر بتایا ہے۔

۱۱۸ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر و راحت کے ساتھ اتاریو۔

ادخلنی - اخرجنی کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے۔

مدخل صدق - سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے۔

ای المدینة حین ھاجر الیھا - (ابن جریر عن ابن زید)

صدق کا مفہوم عربی میں بہت وسیع ہے ہر ایسا فعل اس کی جانب منسوب کر دیا جاتا ہے جو کوئی ظاہری یا باطنی خیر و خوبی رکھتا ہو۔

یُعبّر عن کل فعل فاضل ظاھرًا او باطنًا بالصدق فیضاف الیہ ذلک الفعل الذی یوصف بہ - (راغب)

۱۱۹ (سرزمین مکہ سے)

یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر و خوبی کے ساتھ نکالیو۔

مُخْرَجَ صِدْقٍ - یعنی مکہ مکرمہ۔

اور مجاہد تابعی سے مدخل و مخرج کے معنی ادخال و اخراج کے بھی نقل ہوئے ہیں جیسے قرآن مجید میں منزلًا مبارکًا بھی انزال کے معنی میں آیا ہے۔

(۲۷)

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ نمل مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②

طا۔ سین۔ یہ آیتیں ہیں قرآن اور ایک واضح کتاب کی۔ (موجب) ہدایت و بشارت ایمان والوں کے لیے ۱

۱ طٰسٓ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات پر حاشیہ آغاز سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

گویا آیتوں سے متعلق یہاں چار باتیں بیان ہوئیں: ایک یہ کہ یہ آیتیں جس کتاب کی ہیں وہ قرآن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایک روشن و واضح کتاب ہے۔ تیسرے اور چوتھے یہ کہ یہ آیتیں اہل ایمان کے لیے ہدایت بھی ہیں اور ذریعۂ بشارت بھی۔

تلك کا اشارۂ بعید، قرآن کے شرف و منزلت کے اظہار کے لیے ہے۔

أداة البعد للإشارة إلى بعد المنزلة فی الفضل والشرف (روح، ج۱۹/ص:۱۵۴)

کتاب - کتاب کی تنوین و تنکیر اظہار عظمت کے لیے ہے۔

وتنوینه للتفخیم (روح، ج۱۹/ص:۱۵۵)

لیبهم بالتنکیر فیکون أفخم له (کشاف، ج۳/ص:۳۳۵)

پورے قرآن مجید کی کتابت جب اور جس دور میں بھی ہوئی ہو، اس کی کتابی یا مکتوبی حیثیت شروع ہی سے، یعنی دوران نزول ہی سے ملحوظ رہی ہے۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ③

جو نماز کی پابندی کرتے رہتے ہیں اور زکوۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر تو پورا ہی یقین رکھتے ہیں۔ ۲

ھُدیٰ و بُشریٰ۔ بجائے ہادیہ اور مبشرہ کے، خود ہدیٰ و بشریٰ کہنے میں زور کہیں زیادہ پیدا ہو گیا۔

المبالغة كأنها نفس الهدى و البشارة (روح، ج ۱۹/ص: ۱۵۶)

کتاب مُّبِین۔ یہ کتاب روشن ہے اپنے مقصود و مفہوم کی وضاحت کے اعتبار سے بھی اور اپنے دلائل کے اثبات کے اعتبار سے بھی۔

للمؤمنین۔ پچھلے موقعوں کی طرح یہاں ایک بار پھر اسے صاف کر دیا ہے کہ اس کتاب مبین سے نفع دنیا و آخرت میں وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اسے کتاب الٰہی اور اس کے لانے والے کو پیمبر برحق تسلیم کر لیں۔

۲ یعنی عقائد و اعمال دونوں میں بڑے پختہ ہیں۔

یقیمون .... الزکوۃ۔ نماز گویا خلاصہ ہے طاعات بدنی کا، اور زکوۃ طاعات مالی کا۔

وكنى باقامة الصلوة و إيتاء الزكوة عن عمل الصالحات مطلقاً. (روح، ج ۱۹/ ص: ۱۵۶)

گویا یہ کتاب مبین، ہدایت و بشارت انھی لوگوں کے حق میں ہے، جو اسلام کے سارے نظام اعمال کو اپنائے ہوئے ہیں۔

ھم .... یوقنون۔ عقائد کے باب میں عقیدۂ آخرت کو انتہائی اہمیت حاصل ہے، انسان کو اپنی ذمہ داری، مسؤلیت کا پورا احساس بغیر اس کے ہو نہیں سکتا، اسی لیے قرآن مجید یہاں بھی اس عقیدے کو الگ کر کے صراحت کے ساتھ لایا۔ مشرکین کے یہاں یہ عقیدہ تو پہلے ہی سے مسخ شدہ تھا، یہود بھی آخرت کی جزا و سزا کو بھلا کر اسی دنیا پر قانع ہو گئے تھے، چنانچہ ان کی توریت اور دوسرے صحائف عالم آخرت سے خاموش ہی ہیں۔

ملاحظہ ہوں سورۂ بقر کی ابتدائی آیتوں کے حاشیے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما بنا رکھے ہیں، سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ۳

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سخت عذاب ہے ۴ اور آخرت میں تو وہ بڑا سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ۴ (الف)

۳ یہ مشاہدہ ہے کہ جن قوموں کے دل سے آخرت کا خیال مٹ جاتا ہے، وہ اپنا سارا وقت، ساری قوت، اسی دنیا کی دوڑ دھوپ، اسی کی ترقیوں کے لیے وقف رکھتے ہیں، اور اس پر فخر و ناز کرتے رہتے ہیں۔ زینا لهم أعمالهم فهم يعمهون - جو لوگ یاد آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، قرآن مجید نے کتنی صحیح تشخیص ان کے بارے میں کردی۔ اپنی اسی مادی، حسی دنیا کے سامان اور یہیں کی ترقیوں پر وہ پھولے اور اترائے ہوئے کس کس طرح، ایک ایک نظریے، ایک ایک فلسفے کی آڑ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں، اور اِس در سے اُس در تک ٹھوکریں کھاتے ہی پھرتے ہیں۔

۴ (اس دنیا میں بھی)

موت کے وقت تو اس عذاب شدید کا نزول مشاہد اور قطعی ہے، باقی موت سے پہلے بھری پُری زندگی ہی میں غور کر کے دیکھا جائے تو آخرت فراموش قومیں کتنی ذہنی اذیتوں میں مبتلا زندگی بسر کرتی رہتی ہیں۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان، اطالیہ وغیرہ سب پر ابھی پچھلی جنگ میں جو کچھ گزر چکی ہے، وہ کس کی نظر سے مخفی ہے--- اور جنگ کے علاوہ حالت امن میں بھی، بے روزگاری، شک و بے اعتمادی، انتہائی گرانی، روز روز کی ہڑتالیں، بلوے، پارٹی بندی، اعصابی جنگ، کتنی بلاؤں سے ہر روز سامنا رہتا ہے۔ سکون خاطر و اطمینان قلب صرف استحضار آخرت ہی سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ کہ فلسفہ، معاشیات اور سائنس کے نت نئے نظریوں سے۔ آنکھ کھول کر جدھر جائیے، یہ تماشہ دیکھ لیجیے۔

حکمت دنیا فزاید ظن و شک
حکمت دینی برد فوق فلک

(مثنوی مولانا رومؒ)

۴ (الف) عقیدۂ آخرت کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ تین آیتوں کے اندر تین ہی مرتبہ الآخرۃ کا ذکر لایا جا چکا ہے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ

اور آپ کو یقیناً قرآن دیا جارہا ہے ایک بڑے حکمت والے بڑے علم والے کی طرف سے ۵ (یاد کیجیے وہ وقت) جب موسیٰ نے اپنے گھروالوں سے

اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لکڑی (وغیرہ) میں لگا ہوا

تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ

لاتا ہوں تاکہ تم تاپ سکو ۶ پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انھیں آواز دی گئی کہ برکت ہو اس پر

۵ (جو ہر حکمت اور ہر علم کا منبع و سرچشمہ ہے)

اس لیے قدرۃً قرآن ہی ہر انسانی درد کی دوا، ہر مرض کی شفا اور ہر بشری ضرورت کا ایک جامع نسخہ ہے۔

حکیم علیم۔ ان دو اسمائے صفاتی کو لاکر گویا یہ یاد دلا دیا گیا کہ جو کلام حکیم کامل و علیم کل کی طرف سے آئے، وہ خود ہر مقتضائے علم و حکمت کا جامع ہوگا۔

۶ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین سے مصر کی طرف واپسی کے وقت جزیرہ نمائے سینا میں کوہ طور سے قریب ہو کر گزرنے کا ہے۔ آپ مصر کی راہ بھول گئے تھے۔ سردی کا موسم اور اندھیری رات تھی، حاشیے سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰، ۱۱ میں گزر چکے ----- پیمبر سارے کمالات و فضائل روحانی کے باوجود بہرحال بشر ہی ہوتا تھا فوق البشر نہیں ہوتا۔ راہ بھول جانا، دوسروں سے پتا پوچھنا، آگ وغیرہ کی مدد سے آبادی کا پتا چلانا، اس قسم کی کوئی چیز بھی کمال نبوت کے منافی نہیں۔ بشر کے لیے یہ سارے امور طبیعی ہیں، اور پیمبر طبیعیات سے عام انسانوں سے الگ نہیں ہوتا۔

لأهله - أهل اور ساتیکم اور اٰتیکم اور لعلکم سب کے صیغۂ جمع سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کے ساتھ ایک قافلہ تھا۔

اگلی سورۃ القصص میں بھی یہی قصہ خفیف لفظی تغیرات کے ساتھ آرہا ہے، فقہائے مفسرین نے اس لفظی اختلاف و معنوی اتحاد سے استدلال یہ کیا ہے کہ حدیث نبوی کی روایت بالمعنی جائز ہے۔

مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸

جو اس آگ کے اندر ہے ۷ اور اس پر بھی جو اس کے پاس ہے۔ ۸ اور پاک ہے اللہ پروردگار عالم ۹

واختلاف الألفاظ فی هاتین السورتین والقصة واحدة دلیل علی جواز نقل الحدیث بالمعنی. (مدارك،ص:۸۳۸)

۷ یعنی ملائکہ۔

أی من فی مکان النار وهم الملائکة (مدارك،ص:۸۳۸)

أنْ ۔یہاں مفسرہ ہے،اور تقدیر کلام یوں بھی کی گئی ہے:نودی بأنه بورك۔

أن هی المفسرة: لأنّ النداء فیه معنی القول، والمعنی قیل له بورك (کشاف، ج۳/ص:۳۳۸- کبیر،ج۲٤/ص:۱۵٦)

نودی بأنه بورك. (مدارك،ص:۸۳۸)

۸ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

ومن حول مکانها أی موسی. (مدارك،ص:۸۳۸)

بہت سے مفسروں سے اس کے بالعکس بھی منقول ہے یعنی من فی النار کو قریب نار کے معنی میں لے کر مراد اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام لی ہے اور من حولها سے فرشتہ۔لیکن اصل مقصود دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

۹ (جہت، رنگ، مقدار، وزن وغیرہ تمام تعینات سے)

یہ تنبیہ معاً اس لیے کر دی گئی کہ کوئی اس تجلی کو جو بشکل نار، محدود و مقید تھی، کہیں عین ذات واجب الوجود نہ سمجھ بیٹھے! معاذ اللہ، کہیں رب العالمین کی سی ناقابل پیمائش وسعتیں رکھنے والی ذات بے ہمتا آگ کے چند شعلوں کے اندر حلول کر سکتی ہے!

أی الذی یفعل مایشاء، ولا یشبهه شیئ من مخلوقاته، ولایحیط به شیئ من مصنوعاته، وهو العلی العظیم المبائن لجمیع المخلوقات، ولا یکتنفه الأرض والسموات، بل هو الأحد الصمد المنزه عن مماثلة المحدثات. (ابن کثیر،ج۳/ص:۳۳۵)

يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ﴿۹﴾ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ

اے موسیٰ! یہ تو میں ہوں اللہ بڑا غلبہ والا، بڑا حکمت والا ۱۰؎ اور تم اپنا عصا ڈال دو،

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ

پھر جب انھوں نے اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ (کرتا ہے) تو وہ منہ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا ۱۱؎

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۟ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ

اے موسیٰ! خوف نہ کرو، ہمارے حضور میں پیمبر خوف نہیں کرتے ۱۲؎ ہاں البتہ جس سے کوئی قصور ہو جائے

"موسیٰ علیہ السلام اگر اس مسئلے سے خالی الذہن ہوں تو اس کی تعلیم ہے اور اگر دلائل عقلیہ وفطرت صالحہ سے پہلے سے معلوم تھا تو زیادتِ تفہیم ہے" (تھانوی، ج ۲/ص:۱۹۱)

۱۰؎ (اور کوئی مادی مخلوق نہیں جو تم سے ہم کلام ہو رہا ہے!)

العزیز ۔ ہر شے پر غالب، جس طریقے سے بھی چاہے مخاطبت پر قادر۔

الحکیم ۔ ہر امر میں مصلحت وحکمت کو ملحوظ رکھنے والا، اس کا یہ خاص طریقۂ مخاطبت بھی کسی حکمت ہی پر مبنی تھا۔

۱۱؎ خوب خیال کر لیا جائے، ذکر ایک پیغمبر برحق وجلیل القدر کا ہو رہا ہے، وہ بھی سانپ سے ڈرتے، اور کتنا ڈرتے ہیں! ----- خوف طبعی سے ماوراو مافوق کوئی نبی بھی نہیں ہوتا، چہ جائے کہ فرطِ عقیدت سے کسی ولی یا مومن صالح کو اس سے منزہ سمجھ لیا جائے!

"یہ خوف اگر خوف عقلی تھا، جب بھی بسبب اس کے کہ اس میں کسی مخلوق کا واسطہ نہ تھا، اس میں کوئی امر منافی شان نبوت نہیں" (تھانوی، ج ۲/ص:۱۹۲)

قرآن مجید ضمناً واستطراداً بھی کتنے جاہلی، مشرکانہ عقیدوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔

جَآنٌّ اور ثعبان اور حیۃ سب پر حاشیے گزر چکے۔

۱۲؎ فقرہ صورۃً خبر ہے اور معناً انشاء، یعنی ہدایت ہو رہی ہے کہ خوف نہ کرنا چاہیے۔

"یہ خوف اگر طبعی تھا، تو لا تخف الخ سے جواز الہ خوف کیا گیا ہے اس کی تقریر یہ ہوگی کہ

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ

پھر برائی کے بعد بجائے اس کے نیک کام کرے تو میں بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں ۱۳ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ

تو وہ بلا کسی عیب کے بالکل سفید ہو کر نکلے گا (یہ) نو معجزات میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کے مقابل، بے شک وہ لوگ

کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ

حد سے نکل جانے والے تھے ۱۴ غرض جب ان کے پاس ہمارے معجزے نہایت واضح پہنچے تو وہ بولے یہ تو کھلا ہوا

ایک کیفیت طبعیہ پر جب دوسری کیفیت طبعیہ غالب آجاتی ہے، تو پہلی کیفیت زائل و مضمحل ہو جاتی ہے، پس تم یہ سمجھو کہ ہم نے تم کو نبوت دی ہے۔ اس عنایت متجددہ کا سرور طبعاً ایسا غالب ہو گا کہ اس خوف کا اثر نہ رہے گا اور اگر خوف عقلی تھا تو تقریر یہ ہو گی کہ ہر چند کہ حوادث انبیاء پر بھی آتے ہیں، مگر ہم اپنی عادت سے اطلاع دیتے ہیں کہ خود معجزات سے اور بالخصوص عطائے نبوت کے وقت ابتلا وتضرر نہیں ہوا کرتا۔ پس اب خوف عقلی نہ رہے گا'' (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۹۲)

۱۳ (اور اس لیے معاملہ مغفرت و رحمت کا کرتا ہوں)

یہ عام قاعدۂ غفرورحمت جب کئے مجرموں کے حق میں ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ھیقۃً عاصی وخاطی تھے ہی نہیں، قتل قبطی میں ان کا ظلم محض صورۃً تھا نہ کہ معنیً وحقیقۃً۔

مشرک وجاہلی قوموں کو قانون مکافات کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر لگی ہے، اس میں غلو و افراط سے کام لے کر انھوں نے خدائے فعّال ورحمٰن کو گویا بے دخل ہی کر دیا ہے۔

غفور۔ یعنی بخش دینے والا، معاف کر دینے والا پچھلی غلطیوں کا۔

رحیم۔ مزید شفقت و کرم کرنے والا حال و مستقبل میں۔

۱۴ غیر سوء، ید بیضا پر، اور تسع آیات، نو معجزات موسوی پر حاشیے سورۃ الاعراف، آیت ۱۰۸، ۱۳۰، ۱۳۳ اور سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۱ میں گزر چکے۔

ھذا سحر مبین - حقائق کو بجائے تسلیم کرنے اور ان پر سر جھکا دینے کے اسے مکر و فریب، شعبدہ بازی و جعل سازی پر محمول کرنا جاہلی قوموں کا عمومی شعار رہا ہے۔

مُّبِيْنٌ ۝ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ

جادو ہے۔ یہ لوگ ان (معجزات) سے بالکل منکر ظلم وتکبر کی راہ سے ہو گئے، دراں حالیکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ

سو دیکھئے کیسا انجام ان مفسدوں کا ہوا! ۱۵ اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو (ایک خاص) علم عطا فرمایا۔ ۱۶

۱۵ (باوجود ان کے سارے زعم قوت کے کہ دنیا میں غرقابی نصیب ہوئی اور آخرت میں عذاب شدید)

جاء تهم .... مبين ۔ یعنی وہ خوارق تھے تو ایسے صریح کہ ان کے نفس وقوع سے انکار ممکن ہی نہ تھا۔ اب ان کے مشاہدے کے بعد ان منکروں نے توجیہ وتاویل یہ شروع کی کہ ان کو حقانیت وللّٰہیت سے واسطہ نہیں، یہ تو عین سحر کی کارفرمائیاں ہیں۔

وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ۔ یعنی وہ شواہد نبوت اندر ہی اندر تو اپنا کام کرتے گئے اور ان لوگوں کے دلوں میں اتر گئے۔ پھر بھی یہ لوگ محض اپنی ضد، اکڑ اور نفسانیت سے انکار پر قائم رہے۔

ظلماً وعلواً ۔ انکار پر انھیں کونسی چیز لائی؟ ان کا "ظلم وعلو" ظلم آیات الٰہی کے ساتھ، اور علو اپنے نفس کا، ان لوگوں کا ظلم ان آیات وشواہد کو ان کے مرتبہ سے گھٹاتا تھا اور ان لوگوں کا علو اپنے کو اپنے درجہ سے بڑھاتا تھا۔

۱۶ یعنی نبوت کے علاوہ علم ملک داری۔

علماً ۔ علماً کا صیغۂ نکرہ میں ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ علم، علم کی ایک نوع یا قسم تھا۔

نكر علماً لأنه طائفة من العلم (بحر، ج ۷/ص: ۵۹)

طائفة من العلم (بيضاوى، ج ٤/ص: ۱۱۳)

یہ علم کونسا تھا؟ کسی نے کہا کہ محض فہم مقصود ہے۔ کسی کا قول ہے کہ علم احکام وحکومت مراد ہے اور کسی کے نزدیک علم معرفتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

قال قتادة علماً فهماً (بحر) قال مقاتل علماً بالقضاء (بحر) قال ابن عطاء علماً بالله تعالىٰ (بحر، ج ۷/ص: ۵۹)

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

اور وہ دونوں کہنے لگے (ساری) تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔ ۱۷

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ

اور سلیمان داؤد کے جانشین ہوئے ۱۸ اور انھوں نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی ہے

المراد علم الدین والحکم (مدارک، ص: ۸٤۰)

وھو علم الحکم والشرائع (بیضاوی، ج ٤ /ص: ۱۱۳)

علمِ نبوت تو ہر نبی کو ہوتا ہی ہے۔ یہ علم اس کے علاوہ صورتوں پر مستزاد، ان دو انبیاء کے لیے تھا۔ ملک داری و حکمرانی مطلق صورت میں معرفت الٰہی، تقرب الٰہی، رضائے ربی کے منافی نہیں۔

ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن، نیز اسی تفسیر کے حاشیے سورۃ الانبیاء، آیت ۷۹ میں۔

۱۷ (اور ہم اس پر ادائے شکر اور تحدیث نعمت کرتے ہیں)

اس میں اس کی تعلیم آ گئی کہ ہر مومن قانت کس طرح ہر نعمت کو ایک عطیۂ الٰہی سمجھ کر اس پر شکر گزار رہتا ہے، اسے اپنا استحقاق اور ذاتی کمال کا نتیجہ سمجھ کر اس پر اترا نہیں جاتا۔

فضّلنا۔ اظہار افضلیت اپنی زبان سے مطلق صورت میں مذموم و ممنوع نہیں، ممنوع صرف راہ کبر و تفاخر سے ہے۔

علی کثیر من عبادہ المؤمنین۔ افضلیت کل مؤمنین پر نہیں، صرف اکثر مومنین پر۔ خیال رہے کہ یہ دعویٰ بس یہیں تک محدود ہے۔

ضمناً اس میں رد آ گیا توریت کا، جس نے حضرت سلیمانؑ کو نعوذ باللہ ایک بددین انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ غلبۂ فنا کے آثار کا دائم و مستمر رہنا کاملین کے لیے بھی لازم نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اگرچہ فنا کے اعلیٰ مقام پر تھے، تاہم اپنے کمالات کی طرف سے بھی التفات رہا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۹۲)

۱۸ (ملک و سلطنت میں)

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ

اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں عطا ہوئی ہیں ۱۹

جانشینی ملک وسلطنت میں مل جاتی ہے، نبوت میں نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ صلاحیت واہلیت نبوت کبھی کبھی بیٹے میں بھی پائی جاتی ہے، جیسے ابراہیمؑ کے بعد ان کے دونوں بیٹوں اسحاق واسماعیل علیہما السلام میں۔
ورث سے مراد میراث اصطلاحی نہیں، جو بیٹے کو باپ سے اس کی جائداد میں ملتی ہے بلکہ معنی مطلق کسی متقدم کے کمالات کے مالک ہو جانے کے ہیں۔
سلیمانؑ اور داؤدؑ دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

۱۹ (حکومت وسلطنت سے متعلق)

من کل شیئ۔ مراد کثرت وافراط ہے، نہ کہ فرداً فرداً ہر ایک شے، اور یہ عام محاورۂ زبان ہے۔
أی کثرۃ ما أوتی، کما تقول: فلان یقصدہ کل أحد. (کشاف، ج۳/ص:۳۴۲)
المراد بہ کثرۃ ما أوتی. (مدارک، ص:۸۴۱)
آپؑ کی مملکت کے حدود فلسطین، شام، شرق اردن وغیرہ تک وسیع تھے۔
اردو محاورے میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں: اس کو اللہ نے سب ہی کچھ دے رکھا ہے، اسے دنیا بھر کا سامان حاصل ہے۔ اور خود عربی میں کُل ہمیشہ اطلاق واستغراق ہی کے لیے نہیں، بلکہ تکثیر کے لیے بھی آتا ہے۔
وقد تکون للتکثیر والمبالغۃ دون الإحاطۃ وکمال التعمیم کقولہ تعالیٰ (وجاء ھم الموج من کل مکان) ویقال فلان یقصد کل شیئ أو یعلم کل شیئ. (ابو البقاء، ص:۱۱۸۳)
وقد جاء استعمال بمعنی بعض وقال شیخنا: وجعلوا منہ أیضاً قولہ تعالیٰ (فکلی من کل الثمرات) (وأوتیت من کل شیئ). (تاج، ج۱۵/ص:۶۶۰)
ملاحظہ ہو، اسی سورۃ کا حاشیہ نمبر ۳۰۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ⑯ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَٰنَ جُنُودُهُ

بے شک یہ تو کھلا ہوا فضل ہے ۱۹(الف) اور سلیمان کے لیے ان کا لاؤلشکر جمع کیا گیا

أوتينا۔ علمنا۔ جمع متکلم کے صیغے اظہار عظمت کے لیے ہیں، جیسا کہ شاہی محاورہ ہے۔ صیغۂ مجہول سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اللہ کے نیک اور متقی بندے اپنے کسی کمال کا بھی انتساب اپنی ذاتی صلاحیت کی جانب نہیں کرتے، بلکہ اپنے ہر شرف وکمال کو موہبت الٰہی ہی سمجھتے ہیں۔

أيها الناس۔ اس طریق خطاب سے اشارہ یہ نکل رہا ہے کہ آپؑ کو اس انعام الٰہی کی اشاعت عام ہی منظور تھی۔

فالمقصود منه تشهير نعمة الله تعالىٰ والتنويه بها ودعاء الناس إلى التصديق بذكر المعجزة. (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱٦۰)

اس جاہ وحشم کا بیان توریت میں ان الفاظ میں ہے:

"اور سلیمان بادشاہ کے پینے کے سب باسن سونے کے تھے ...... سو سلیمان بادشاہ دولت اور حکمت کی نسبت زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا اور سارے جہان نے سلیمان کی طرف توجہ کی، تاکہ اس کی حکمت کو جو خدا نے اس کے دل میں ڈالی تھی، سنے۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی اپنا ہدیہ روپے کے باسن اور سونے کے برتن اور پوشاکیں اور سلاح اور خوشبوئیاں اور گھوڑے اور خچر جتنے ہر ایک سال کے لیے ٹھہرائے ہوئے تھے اس کے آگے گزرانتے تھے۔ اور سلیمان نے گاڑیاں اور سوار بہت سے جمع کیے۔ اس کی ایک ہزار چار سو گاڑیاں تھیں اور بارہ ہزار سوار" (۱-سلاطین-۱۰:۲۱-۲٦) نیز ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

موجودہ مورخین کے بیان کے مطابق حضرت سلیمانؑ کے حدود سلطنت فلسطین، شرق اردن کے علاوہ شام ومصر کے بھی بعض علاقوں تک وسیع تھے، اور یہ اس وقت کی دنیائے آباد ومعلوم کا ایک بہت بڑا حصہ تھا۔

۱۹(الف) هذا کا اشارہ جن نعمتوں کی طرف ہے، وہ تمام تر دنیوی ہی نعمتیں ہیں، اور یہ کلمہ ایک پیمبر جلیلؑ کی زبان سے ادا ہو رہا ہے--- دنیا کی نعمتیں بھی ہر حال میں مردود اور قابل تحقیر نہیں، بلکہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں، اور پیمبروں تک کے لیے موجب فخر ومباہات۔

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُوْنَ ۝

جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی، اور انھیں (کوچ سے قبل صف بندی کے لیے) روکا گیا۔ ۲۰

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ

یہاں تک کہ (ایک مرتبہ) وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے ۲۱

۲۰ یعنی ان کے حسب درجہ ومرتبہ انھیں نظم وترتیب کے ساتھ روکا گیا، اور فوج کے کوچ کی تیاری ہوئی۔

من الجن والإنس والطیر۔ انسانوں کی سپاہ تو خیر ہوتی تھی، جنات وطیور بھی جو عموماً وعادۃً کسی سلطان وملک کے تابع نہیں ہوتے، قرآن کے بیان سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کے وہ بھی تابع فرمان تھے۔

جنودہ۔ لفظ جند میں جو وسعت ہے، تنہا سپاہی اور لشکر میں نہیں، ہر قسم کی جماعتیں اور گروہ اس کے تحت میں آسکتے ہیں، اور خود قرآن میں جند اور جنود دونوں اسی وسیع معنی میں آئے ہیں۔

ثم يقال لكل مجتمع جند نحو الأرواح جنود مجندة. (راغب، ص: ۱۱٤)

الأعوان والأنصار. (جوهرى، ج ۲/ص: ٤٦٠)

الأعوان والأنصار، والعسكر. (لسان، ج ۲/ص: ۳۸۱)

"لاؤ لشکر" میں محض "لشکر" سے وسعت زیادہ ہے، یعنی محض سپاہی ہی مراد نہیں، بلکہ جو بھیڑ بنگش غیر میاں لوگوں کی ہر سپاہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے، سامانِ رسد پہنچانے والوں کی، انجینیروں کی، مرہم پٹی کرنے والوں کی، اس قسم کے سارے گروہ مراد ہیں۔

۲۱ چیونٹیوں کا میدان اس لیے کہا گیا کہ وہاں جھنڈ کی جھنڈ چیونٹیاں جمع تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کا لشکر خشکی میں کسی خطۂ زمین سے گزر رہا تھا، کہ راہ میں ایسا قطعہ پڑا، جہاں چیونٹیاں بکثرت آباد تھیں اور وہیں یہ ماجرا پیش آیا ------ حضرتؑ کے ملک فلسطین میں چیونٹیاں ہوتی بھی کثرت سے تھیں۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ

ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں سلیمان اور ان کا لاؤ لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں

وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور انھیں (اس کی) خبر بھی نہ ہو۲۲

وادی النمل۔ یہ وادی نمل کہاں ہے؟ قتادہ تابعی کا قول نقل ہوا ہے کہ ملک شام میں ہے (قرطبی ۱۳/۱۶۹) اور یہ قول کہیں زیادہ قرین قیاس ہے بمقابلہ طائف وغیرہ اور دوسرے مقامات کے جو نقل ہوئے ہیں۔

بعض لوگوں نے وادیٔ نملہ سے انسانی قبیلہ میں نمل کا مسکن مراد لیا ہے۔ انھوں نے مکر وحیلہ اختیار کیا ہے--- امروہہ (ضلع مرادآباد) کے کوئی صاحب سید محمد حسن نقوی نام گزرے، جنھوں نے غایۃ البرھان فی تاویل القرآن اردو زبان میں لکھی ہے، بائبل کا مطالعہ انھوں نے خوب کیا ہے، کہنا چاہئے کہ اس کے حافظ تھے، لیکن کاش یہی بات ان کی قرآن فہمی اور قرآن دانی کی بابت کہی جاسکتی۔ انھوں نے آیت کی عجیب تاویلات کرڈالی ہیں، چنانچہ یہاں بھی اسی بائبل کا سہارا لے کر نمل سے مراد چیونٹی نہیں، بلکہ قبیلہ ہی نمل لکھا ہے، اور آگے چل کر ہدہد کو بجائے ایک پرندہ کے ایک فوجی افسر قرار دیا ہے۔ (غایۃ البرہان فی تاویل القرآن، ج ۳/ص: ۲۴۸)

۲۲ (کہ وہ تمہیں کچلے جارہے ہیں)

چیونٹی نہایت ذہین جانور ہوتی ہے۔ جیسا کہ ماہرین فن کا بیان ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

۲۸ اپریل ۱۹۷۳ء کو ایک برطانوی ماہر فن کا بیان نئی دہلی کے روزناموں میں شائع ہوا کہ جانوروں میں سب سے زیادہ طاقتور جانور چیونٹی ہے، جو اپنے وزن سے ۱۰ گنا سے زیادہ بوجھ اٹھا کر چل سکتی ہے۔

حیوانات سے عقل کی بالکلیہ نفی کرنا قول بلا دلیل ہے، اور چیونٹی کے متعلق تو یہ خیال خلاف دلیل بھی ہے۔ چیونٹی کے باب میں تو ماہرین فن کا بیان ہے کہ ”تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ

(سلیمان) اس بات پر مسکرا کر ہنس پڑے ۲۳ اور کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا

ذہانت اور ذکاوت کی بنا پر، چیونٹی کی زندگی ہر طرح مربوط و مکمل ہوتی ہے''۔ انھی ماہرین کا بیان ہے کہ چیونٹیاں ایک خاص قسم کے مکوڑے جن کے شکم کے اندر شہد بھرا رہتا ہے، اپنے ہاں بطور گائے بھینس کے پالتی ہیں، انھیں اپنے نفع کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ فوجیں رکھتی ہیں، ان سے اپنے دشمنوں پر حملہ کرتی ہیں، کاشتکاری کرتی ہیں، اور تہ خانوں میں غلہ کا ذخیرہ جمع کرتی ہیں، چیونٹیوں کی قسمیں دنیا میں اب تک ۳۵ ہزار دریافت ہو چکی ہیں، سرد ملکوں کی چیونٹیاں بے ضرر ہوتی ہیں۔ بعض گرم ملکوں کی چیونٹیاں خطرناک بھی ہو سکتی ہیں۔

منطق الطیر کا علم تو حضرت سلیمانؑ کو حسب تصریح قرآنی تھا ہی۔ اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ بھی حیوانات کی بولیوں کا علم آپؑ رکھتے تھے۔

وھم لا یشعرون۔ سلیمانؑ نبی تھے۔ ارادی ظلم آپ سے تو خیر ممکن ہی نہ تھا، آپؑ کے لشکریوں سے بھی بہت بعید تھا۔ وھم لا یشعرون اسی دفع دخل کے لیے ہے، یعنی یہ زیادتی بے خبری ولاعلمی کی حالت میں ان کے لشکریوں سے بھی نہ سرزد ہو جائے۔

ضمناً یہ بھی آیت سے نکل آیا کہ علم غیب ہرگز جزو نبوت نہیں، چہ جائے کہ اسے جزو ولایت تسلیم کیا جائے!

اس قصے کے حوالے اسرائیلی مذہبی نوشتوں میں بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔ (کہ اللہری احتیاط و دور اندیشی!)

۲۳ ضاحکاً۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے ثبوت ضحک کا انبیاء علیہم السلام سے ملتا ہے۔ اور حدیث نبوی میں جو اس کی نفی آئی ہے مراد اس سے نفی عادت ضحک کی ہے نہ کہ نفی بالکلیہ۔ (تھانوی، ج ۲، ص ۱۹۴)

پیمبروں سے متعلق یہ تخیل کہ وہ خشک مزاج ہوتے ہیں، سرتاسر خلاف عقل ونقل ہے۔ اور قرآن مجید نے اسی لیے یہاں صراحت سے ذکر بھی کر دیا--- بشریت کے دوسرے اجزا کی طرح ہنسی جب منافی نبوت نہیں، تو منافی ولایت کیوں ہونے لگی۔

نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا

شکر ادا کیا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں، اور اس پر بھی کہ میں نیک کام کیا کروں

تَرۡضٰٮهُ وَاَدۡخِلۡنِىۡ بِرَحۡمَتِكَ فِىۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيۡرَ

جس سے آپ راضی ہوں ۲۴ اور تو مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ اپنے نیک بندوں میں ۲۵ اور (انھوں نے) پرندوں کی حاضری لی۔

تبسم ضاحکا۔ ترکیب الفاظ سے بعض اہل تفسیر نے بات یہ پیدا کی ہے کہ تبسم تو آپ نے اپنی عادت و معمول کے مطابق کیا، پھر وہ تبسم اضطراراً ضحک کے درجہ تک پہنچ گیا۔ حالانکہ ضحک (ہنسی) اگر اضطراری نہیں، تمام تر ارادی ہو، جب بھی اس کے منافی مرتبۂ نبوت ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ ہنسی تو صرف وہ مذموم ہے، جو غفلت اور آخرت فراموشی سے پیدا ہوتی ہے اور حد افراط تک پہنچ جاتی ہے۔

۲۴ یعنی عمل مقبول عنایت ہو۔

انبیائے صادقین کی زبانوں تک پر اظہار عبدیت کا ہوا کرتا ہے، صالح مجسم ہوتے ہوئے بھی، ہوس و تمنا اسی کی کہ بندۂ شکر گزار اور صالح العمل بنیں۔

نعمتك ...... والدی۔ نعمت سے مراد نعمت ایمان و نعمت علم ہیں۔ اور جہاں تک حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ کا تعلق ہے نعمت نبوت بھی۔

نعمتك۔ نعمة صورۃً واحد ہے مگر بمعنی جمع ہے یعنی نعمتیں بہ صیغۂ جمع۔

جانوروں کی گفتگو سمجھ لینا ایک معجزہ اور نعمت عظیم ہے۔ حضرات انبیاءؑ اپنے ان کمالات پر اتراتے نہیں جاتے، بلکہ انھیں ایک نعمت سے اور دوسری نعمتوں کا استحضار ہو جاتا ہے! جیسا کہ یہاں حضرت سلیمانؑ کو ہوا۔

قرآن مجید کی صراحتیں توریت موجودہ کی ان بیانات کی تردید کر رہی ہیں، جن میں حضرت سلیمانؑ کے ایمان اور اخلاق کو مجروح کیا گیا ہے اور ان اسرائیلی نوشتوں کی بھی جن میں فخر و تعلّی کو حضرت سلیمانؑ کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔

وعلی والدی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اللہ کے حضور میں شکر یہ انھی نعمتوں کا ادا نہیں کر رہے ہیں، جو خود ان کو ملی ہیں، بلکہ ان نعمتوں کا بھی جو ان کے والدین کو ملی ہیں۔ اس سنت نبی سے ایک بڑی تعلیم کُل مسلمانوں کو مل گئی۔

۲۵ (اور کبھی بھی اس نعمت قُرب کو بُعد سے تبدیل نہ کر)

فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ

تو بولے کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا، کیا وہ غیر حاضر ہے؟ ۲۶ میں اسے سخت سزا دے کر رہوں گا

عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ

یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا پھر وہ صاف عذر میرے سامنے پیش کر دے۔ ۲۷ سو تھوڑی دیر میں وہ

اللہ اللہ! کیا شان عبدیت ہے! انتہائے صالحیت کے مرتبہ پر پہنچ کر بھی تمنا و دعا اسی کی کی کہ مرتبۂ صالحیت سے ہٹنے اور ڈگمگانے نہ پائیں۔

رحمتك۔ رحمت سے مراد رحمت خاصہ ہے اور الصالحین سے مراد اعلیٰ درجہ کے نیک بندے یعنی انبیاء ہیں۔ حضرات انبیاء کے تواضع وانکساری کا کیا کہنا! اور اولیاء بھی انھی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ حضرات انبیاء کا خواہ وہ کسی بھی دینوی مرتبۂ اقتدار پر پہنچ جائیں، اصلی تعلق روحانی ہوتا ہے، وہ اسے کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرتے۔

۲۶ ہدہد ایک معروف پرندہ ہے، سر پر کلغی لیے ہوئے، جو ہندوستان کے اطراف میں برسات کے موسم میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ جاڑوں میں مصر اور مضافات مصر کو چلا جاتا ہے اور مارچ کے مہینے سے پھر فلسطین میں آجاتا ہے۔ اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

ہدہد کو بعض لوگوں نے لشکر سلیمانی کے کسی افسر کا نام کہا ہے، لیکن اس کا ثبوت تاریخ سے درجہ ادنیٰ میں بھی نہیں ملتا۔

۲۷ یعنی وہ اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر میرے سامنے پیش کر دے تو البتہ سزا سے بچ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سپرد بھی کچھ خدمات تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حاضری محض انضباط و انتظام کے لیے لی گئی ہو، اور فوج سے غیر حاضری خود ایک جرم ہے۔

لاُعذبنہ ...... مبین۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہاں صرف اپنا ارادہ مشروط ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر ملزم کوئی عذر ہی نہ پیش کر سکا، یا پیش بھی کیا تو بہت ضعیف، تو وہ قابل تعزیر ہوگا۔ کوئی حکم

غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿۲۲﴾

آگیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ۔۲۸ اور میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک تحقیق خبر لایا ہوں ۲۹

إِنِّى وَجَدتُّ ٱمْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَىْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

میں نے ایک عورت کو دیکھا وہ ان پر حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر طرح کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے ۳۰

شرعی نافذ نہیں کر رہے ہیں، اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فقہ اسلامی میں تو غائب پر قضا جائز نہیں، پھر یہ نبیؑ کیسے غائب پر قضا جاری کر رہے ہیں۔

لاعذبنه سے مفسر تھانویؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ حیوانات کو تعلیم کے لیے تادیب جائز ہے اور دفع اذی کے لیے قتل بھی جائز ہے، لیکن وہیں جہاں تادیب ودفع اذی مرتب ہو، ورنہ نہیں۔ چنانچہ ہدہد ہی ہے کہ اب نہ وہ قابل تادیب، ہے نہ اس سے کوئی ایذا پہنچتی ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۹۵)

۲۸ یہ بات ایک نبی سے، ایک امتی انسان بھی نہیں ایک حیوان کہہ رہا ہے اور قرآن مجید اس دعوے کو بلا شائبہ تردید دُہرا رہا ہے۔ یعنی بعض علوم ومعلومات میں بالکل جائز ہے کہ ایک حیوان بھی ایک پیمبر سے بڑھا ہوا ہو۔

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ہدہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میری غیر حاضری کسی نافرمانی کی بنا پر نہیں، بلکہ کار سرکار ہی سے تھی۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۹۵)

۲۹ ملک سبا، عرب کے جنوبی مغربی علاقے کو کہتے ہیں، تقریباً وہی ملک جہاں آج یمن، حضرموت، عسیر واقع ہیں۔ اپنے زمانے میں بڑا زرخیز ومتمول ملک رہ چکا ہے۔ قوم سبا اپنے زمانے کی متمول ترین قوم تھی اور تجارت میں بڑا نام پائے ہوئے تھی۔ اس کا زمانہ عروج ۱۱۰۰ق،م سے ۱۰۰ق،م تک کا بیان کیا جاتا ہے۔ گویا کہ ایک ہزار سال کی مدت۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

۳۰ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا، اس کی دولت، امارت، ساز وسامان کے لیے انگریزی تفسیر القرآن ملاحظہ ہو۔

یہ ملکہ حسین وجوان بھی تھی اور فہیم ودانا بھی، بائبل میں اس کے نام کی تصریح نہیں، لیکن اس کے جاہ وحشم کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ

میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں ۱۳۱ اور شیطان نے ان کے اعمال

عرش۔ عرش کے ایک معنی تخت سلطنت کے ہیں۔

العرش سرير المليك (قاموس،ص:۵۵۲۔جوھری،ج۳/ص:۱۰۰۹۔ لسان،ج۹/ص:۱۳۳)

اور اسی سے اشارہ مملکت واقتدار کی جانب بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

وكُنّي به عن العز والسلطان والمملكة. (راغب،ص:۳۶۹۔ تاج،ج۹/ص:۱۳۷)

عظیم۔ عظیم جو تخت کی صفت آئی ہے۔اس سے مراد گراں قدر وبیش بہا بھی ہوسکتا ہے اور جسامت کے لحاظ سے بڑا بھی اور یا یہ مراد ہو کہ وہ ایک بڑی سلطنت کی مالک ہے۔

اوتيت من كل شيء۔ کل شیء سے یہاں بھی مراد انھی چیزوں کی کثرت وافراط ہے، جو ملکہ کو اپنے جاہ وحشم کے لیے ضروری تھیں۔ کُل کا اطلاق جس طرح "سب" پر ہوتا ہے،"اکثر" و"بیشتر" پر بھی ہوتا ہے۔

وقد تستعمل فی معنی البعض (لسان،ج۱۲/ص:۱۴۷)

وقد تستعمل للتكثير والمبالغة. (اقرب،ج۲/ص:۱۰۹۹)

ملاحظہ ہو اسی سورت کا حاشیہ نمبر ۱۹، نیز سورہ النحل کا حاشیہ نمبر ۱۰۰۔

امرأة تملكهم۔ عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ اور منصب دے دینا، یہاں تک کہ انھیں پورے ملک کی ملکہ یا فرماں روا بنا دینا، یورپ کی ایجاد نہیں، مشرک قوموں کے ہاں یہ دستور ہر زمانے میں رہا ہے اور مصر، کلدانیہ وایران کی جاہلی حکومتوں کے ہاں عورت کو اتنی آزادی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ یہ تو اسلام تھا، جس نے آکر "بریک" لگا دیا، اور اس دستور کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الفتن، رقم ۴۴۲۵) میں صاف حدیث آئی ہے کہ وہ قوم فلاح یاب نہ ہوگی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کیے ہوئے ہے۔

۱۳۱ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس ملک میں سو سے اوپر دیوتا پجتے تھے، معبود اعظم سورج دیوتا تھا، جو دنیا کی بہت سی قوموں کا معبود اعظم رہ چکا ہے۔

یسجدون۔ یہاں بھی سجدہ سے مراد فقہی، اصطلاحی سجدہ نہیں، بلکہ مطلق انقیاد وانحنا، یعنی پرستش یا پوجا مراد ہے۔

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

ان کی نظر میں خوشنما کر رکھے ہیں سو انھیں راستے سے ہٹا دیا ہے چنانچہ وہ (راہ) ہدایت پر نہیں چلتے ۳۲

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

یعنی اللہ کی عبادت نہیں کرتے جو باہر لاتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اور جو کچھ

مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

تم پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، سب کو جانتا ہے۔ ۳۳

۳۲ (اور راہ ہدایت پانے کی کوشش درجہ ضروری میں بھی نہیں کرتے)

زین .... أعمالهم ۔ جیسا کہ ہر جاہلی اور خدا فراموش و آخرت فراموش قوم اپنی دنیوی، مادی ترقیوں میں مست اور مگن رہا کرتی ہے، یہ متمدن قوم بھی تھی اور توحید و معاد کے مسائل پر سنجیدگی سے غور و فکر کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی تھی۔

فقہاء و صوفیہ نے چونکہ یہ سارا قول ہدہد پرندے ہی کا قرار دیا ہے، اس لیے اس سے نتیجہ بھی یہ نکالا ہے کہ بقدر ضرورت علم و معرفت حیوانات میں بھی موجود ہوتا ہے۔

۳۳ (اے انسانو!)

الذی یخرج...... الأرض ، یعلم.......... تعلنون۔ یعنی اس کی قدرت بھی کامل، اور اس کا علم بھی ہمہ گیر --- جاہلی مشرک قوموں کو مغالطہ عموماً انھی دو صفاتِ باری کے باب میں پیش آتا رہا ہے، اسی لیے یہاں کھل کر دونوں کا اثبات کیا گیا۔

یخرج الخبء فی السمٰوٰت والأرض۔ مثلاً پانی کو آسمان سے اور نباتات کو زمین سے اور اسی طرح کی بے شمار چیزیں فضائے آسمانی سے بھی اور زمین کی اندرونی تہوں سے بھی۔

ألّا یسجدوا۔ اس ترکیب سے مفہوم وجوب سجدہ کا لیا گیا ہے۔

قال أهل التحقیق قوله ألّا یسجدوا یجب أن یکون بمعنی الأمر.

(کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۶۵)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ

اللہ (وہ ہے کہ) سوا اس کے کوئی معبود نہیں، مالک ہے عرش عظیم کا ۳۴ع (سلیمان نے) کہا ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ (اچھا تو) یہ میرا خط لے جانا اور اسے ان کے پاس ڈال دینا۔ پھر ان کے پاس سے (ذرا) ہٹ جانا

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾

پھر دیکھنا آپس میں کیا سوال جواب کرتے ہیں۔ ۳۵ع (ملکہ نے) کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے ۳۶ع

۳۴ع (جس کے آگے تخت ملکۂ سبا کی حقیقت ہی کیا ہے)

• امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ملکۂ سبا کے تخت کو جو عظیم کہا گیا تھا، وہ باعتبار معاصر ملوک وسلاطین کے تھا اور یہاں جو عرش الٰہی کو "عظیم" کہا جا رہا ہے، یہ جملہ مخلوقات کے مقابلے میں ہے۔ (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۶۴)

۳۵ع حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ اچھا ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔ یہ خط لے کر جا، بس حقیقت حال معلوم ہوئی جاتی ہے کہ تیرا بیان صحیح ہے یا غلط۔

فالقه إليهم۔ پرندوں کے ذریعے سے خطوط رسانی کا طریقہ دنیائے قدیم میں عام رہا ہے، اور کبوتروں سے یہ خدمت حالت جنگ وغیرہ میں یورپ میں آج تک لی جا رہی ہے۔ پھر سلیمانؑ کے شاہی دربار میں تو عجب نہیں کہ یہ پرندہ خاص طور پر اس خدمت کے لیے سدھا لیا گیا ہو ---- إليهم کا صیغۂ جمع ملکۂ بلقیس کے دربار خدم وحشم کے لیے ہے۔

ثم تول عنهم ۔ "ہٹ جانے کا حکم جو ہد ہد کو دیا گیا، اس میں تعلیم ہے تہذیب وادب مجلس ملوک کی" (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۹۵)

لیکن یہ مقصود بھی ہو سکتا ہے کہ غیر ملک کے سفیر کے بالکل سامنے وہ لوگ آزادی سے بات چیت نہ کر سکیں گے۔

۳۶ع کریم۔ مکتوب کو معزز یا تو اس کے مضمون کی عظمت کے لحاظ سے کہا گیا ہے اور یا اس لحاظ سے کہ اس کا بھیجنے والا معزز ہے۔

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿۳۰﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ

وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور وہ یہ ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تم لوگ میرے مقابلے میں بڑائی مت کرو

وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي

اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ ۳۷ (پھر) بولی اے اہل دربار! مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو،

لكرم مضمونه أو مرسله (بيضاوى، ج ٤/ص: ١١٦)

حسن مضمونه و مافيه ...... أو لأنه من عند ملك كريم (مدارك، ص: ٨٤٤)

عجب نہیں کہ آفتاب پرست ملکہ متاثر اس سے بھی ہوئی کہ خط کا سرنامہ خدائے واحد کا نام نامی ہے۔

۳۷ خط کے مخاطب ملکہ کے علاوہ اعیان سلطنت بھی ہیں اور تبعاً جملہ اہل سبا، اسی لیے صیغہ جمع مخاطب کا ہے۔

و اتونی مسلمین سے مراد محض جسمانی حاضری نہیں، قبول اسلام یا اطاعت مقصود ہے۔ یعنی اسلام یا اسلامی حکومت کی ماتحتی اختیار کر کے آؤ۔

أى مؤمنين أو منقادين (بيضاوى، ج ٤/ص: ١١٦)

المراد من المسلم إما المنقاد أو المؤمن (كبير، ج ٢٤/ص: ١٦٧)

یہ ضرور نہیں کہ خط کی عبارت بجنسہٖ یہی ہو، قرینہ روایت بالمعنی کا ہے۔

یہود کے مقدس نوشتہ تالمود میں جو عبارت مکتوب دی ہوئی ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

و انہ .... الرحیم۔ پیمبر اپنے شاہی مراسلے میں بھی آداب پیمبری کو نہیں بھولتے اور آغاز کلام خدائے واحد کے نام سے کرتے ہیں۔

مضمون مکتوب کے اس ایجاز سے امام رازیؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ کلام انبیاء میں طوالت نہیں ہوتی، بلکہ نفس مطلب پر اکتفا ہوتا ہے۔ قشر (چھلکا) نہیں، محض مغز ہی مغز ہوتا ہے۔

الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام لا يطيلون بل يقتصرون على المقصود وهذا الكتاب مشتمل على تمام المقصود (كبير، ج ٢٤/ص: ١٦٧)

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ

میں بھی کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم (میرے پاس) موجود نہ ہو۔ ۳۸ وہ لوگ بولے ہم بڑے طاقتور

وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ

اور بڑے لڑنے والے ہیں، لیکن اختیار آپ ہی کو ہے آپ ہی دیکھ لیجئے آپ کو کیا حکم دینا ہے۔ ۳۹ وہ بولی کہ بادشاہ

الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ

جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ و بالا کر دیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انھیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں

وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ

اور اسی طرح (یہ لوگ) کریں گے۔ ۴۰ اور میں ان لوگوں کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ وہ ایلچی

۳۸ (اور اس معاملے میں شریک نہ ہو لو)

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سبا کا آئین حکومت کچھ نیم جمہوری یا شورائی طرز کا تھا----اور یہ حقیقت تاریخی تو اپنی جگہ ثابت ہی ہے کہ ''جمہوریت''، ''عمومیت''، ''شوریت'' کوئی نو پیدا ادارے اس زمانے کے نہیں، بہت قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں۔

۳۹ یعنی ہم تو صلح و جنگ ہر صورت میں آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہی ہیں، جو راہ قرین مصلحت جانئے، اختیار کیجئے۔ باقی جنگی اعتبار سے آپ کمزور نہیں۔

۴۰ (اس لیے سر دست جنگ تو مناسب نہیں)

ملکہ جنگ کے نتائج، کشت و خون، تباہی، بربادی سے خوب واقف ہے، اس لیے جنگ سے بچنا چاہتی ہے۔

إن الــمــلــوك..........أذلة۔ یورپ کی پچھلی دونوں عالمگیر جنگیں دیکھ کر ان آیتوں کی صداقت دل میں کس درجہ موثر اتر جاتی ہے!

صاحب خلاصۃ التفاسیر (متوفی غالباً ۱۹۰۵ء) اپنے استاذ فخر المتاخرین مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انھوں نے اس آیت کے سبق میں فرمایا کہ ''مناسب نہیں کہ آدمی

يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ

کیا (جواب) لے کر آتے ہیں ۱۴۱ سو جب وہ (ایلچی) سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے کہا کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو!

فَمَاۤ اٰتٰٮنِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ۚ بَلۡ اَنۡتُمۡ بِهَدِيَّتِكُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ ﴿۳۶﴾

سو اللہ نے مجھ کو جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے، البتہ تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہو گے!

اِرۡجِعۡ اِلَيۡهِمۡ فَلَنَاۡتِيَنَّهُمۡ بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا وَلَنُخۡرِجَنَّهُمۡ مِّنۡهَاۤ

تو لوٹ جا ان لوگوں کے پاس۔ ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا (ذرا بھی) مقابلہ نہ ہو سکے گا، اور ہم ان کو

اَذِلَّةً وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَيُّكُمۡ يَاۡتِيۡنِىۡ بِعَرۡشِهَا

وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے ۱۴۲ (سلیمان نے) کہا اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے جو (بلقیس) کا تخت

انقلاب کا خواہاں رہے، بلکہ یوں دعا کرے: اے اللہ بادشاہ وقت کو ایسی ایسی توفیق دے، یہ ہدایت کر، اور یہ نہ کہے کہ یہ بادشاہ معزول اور فلاں فرماں روا ہو، اس لیے کہ اس میں ہزار ہا بے جرم وخطا ارباب شرف وذکا پس جاتے ہیں''۔ (خلاصۃ التفاسیر، ج ۳/ص: ۳۷۷)

وجعلوا............أذلة۔ مفتوح ومحکوم قوم کے بڑے سے بڑے گردن کش بھی اپنے کو فاتح وحاکم قوم کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں، بلکہ خود اپنی نظر میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ حکومت کا جو بھی کیش وعقیدہ ہو، اس کی چاکری بلکہ خوشامد اور حاکموں کی تہذیب ومعاشرت کی نقالی ہی اپنے لیے باعث فخر سمجھنے لگتے ہیں۔

۱۴۱ ملکہ نے کہا کہ سردست تو میں اپنی طرف سے صلح ودوستی کی طرح ڈالتی ہوں، تحفہ تحائف دے کر کسی کو بھیجتی ہوں۔ اس کا جواب آنے پر مکرر غور ہوگا۔

روایاتِ یہود میں ہے کہ ملکہ بلقیس نے یہ سفارت بحری راستے سے روانہ کی، جس کے ساتھ علاوہ زر وجواہر کے چھ ہزار لڑکے اور لڑکیاں، ہم عمر، ہم قامت، ہم لباس بھی بطور غلاموں اور کنیزوں کے تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۴۲ سلیمان نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دعوت تو اطاعت اور اسلام کی دی تھی، یہ بلا اطاعت وقبول دعوت محض اظہار دوستی کیسا؟ یہ تو ایک صورت رشوت کی ہوئی۔ مال وقوت

قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ

میرے پاس لے آئے، قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں ۴۳ ایک شریر جن بولا میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں گا

دونوں کے لحاظ سے تو میری سلطنت اللہ کے فضل وکرم سے بلقیس کے ملک سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ میں ان ہدایا وتحائف کو واپس کرتا ہوں اور عنقریب فوج کشی کرکے ان بے دینوں کو کچل ڈالوں گا۔

فقہاء نے کہا ہے کہ کافروں کے ہدیہ کا رد کردینا، جب اپنی مصلحت اس میں ہو، مستحب ہے۔

فـمـا اٰتـنـی .... اٰتکم۔ سلیمان علیہ السلام آخر پیمبر ہیں۔ اس موقع پر بھی دنیوی بادشاہوں کی طرح کبر سے یہ نہیں کہتے کہ میری قوت تمہاری ملکہ کی قوت سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، بلکہ مال ودولت، جاہ وحشمت کو تمام تر عطیۂ الٰہی ہی قرار دے کر فرماتے ہیں کہ اُس نے یہ نعمتیں مجھے تمہاری ملکہ سے کہیں بڑھ کر دے رکھی ہیں۔

لاقبل لھم۔ قبل کے معنی طاقت وطاقت مقابلہ کے ہیں۔

أی لایقدرون أن یقابلوھم (کبیر) أی لاطاقة، وحقیقة القبل المقاومة والمقابلة (کبیر، ج ۲٤/ص:۱٦۸)

أی لاطاقة لھم علی استقبالھا ودفاعھا (راغب) یقال لاقبل لی بکذا ای لایمکننی أن أقابله (راغب، ص:٤۳۸)

أذلة وھم صٰغرون۔ "ذلت" یہ کہ جو کچھ شوکت وحکومت ہے وہ سب چھن چھنا جائے گی، اور "صِغار" یہ کہ غلامی واسیری میں زندگی بسر کرنا ہوگی۔

۴۳ وہ قاصد اب واپس پہنچا ہے، اور حالات دربار سلیمانی بیان کیے ہیں، بلقیس یہ سن کر حاضری کا قصد کرتی ہے۔ اس کی اطلاع حضرت سلیمانؑ کو وحی الٰہی یا کسی اور ذریعہ سے ہو جاتی ہے، اس وقت وہ یہ گفتگو اپنے اہل دربار سے کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اس خارق عادت کے ذریعہ سے مقصود حضرت سلیمانؑ کا اپنے کمالات باطنی کے ساتھ اپنی قوت اعجازی کا اظہار ہو۔

ان کے اعجازی پہلو کو سمجھنے کے لیے ملک یمن اور فلسطین کا درمیانی فاصلہ نظر میں رہے۔ بحری راستے سے پہنچنے میں اس وقت مہینوں کا ذکر نہیں، دو دو، تین تین سال لگ جاتے تھے۔

قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىۡ عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ ۝ قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ

قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں، اور میں اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں، امانت دار ہوں۔۴۴ (اور) اس نے کہا جسے

عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ ؕ فَلَمَّا

علم کتاب حاصل تھا ۴۵ کہ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ کی پلک جھپکے، پھر جب (سلیمان نے) اسے اپنے

۴۴ ملکۂ سبا کے تخت شاہی کو لے آنے کے لیے ضرورت انھی دونوں صفات یعنی قوت وامانت کی تھی---- قوی، اس لیے کہ وہ تخت لاکھ وزنی سہی، اور اس کی حفاظت کے لیے چوکی پہرہ کیسا ہی زبردست سہی، لیکن اس پر بھی میں اسے لے ہی آؤں گا۔ امین یوں کہ وہ ہزار قیمتی سہی، مرصع سہی، میں کسی طرح کی خیانت نہ کروں گا، ہر طرح معتبر وقابل اعتماد ہوں۔

عفریت کے معنی شریر، سرکش قسم کے جن کے ہیں۔

هو العارم الخبيث (راغب، ص: ۳۷۹)

مقامك۔ یعنی اپنے اجلاس سے۔ لفظی معنی مکان قیام کے ہیں اور مقام جلوس کے بھی۔

المقام مكان القيام وزمانه (راغب) قال الأخفش أن المقام المقعد (راغب، ص: ٤٦٦)

حضرت سلیمانؑ، روایات تاریخی میں ہے کہ روزانہ صبح سے دوپہر تک عدالت کیا کرتے تھے۔

۴۵ قال .... الكتب۔ یہ کہنے والا کون تھا؟ اس باب میں اقوال مختلف ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ یہ کہنے والے جبرئیل یا کوئی اور فرشتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ وزیر سلطنت حضرت آصف تھے، اور یہ قول ابن عباسؓ کی جانب منسوب ہے اور جمہور نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔

قاله الجمهور (بحر، ج ۷/ص: ۷٦)

وهو الأصح وعليه الجمهور (مدارك، ص: ۸٤۷)

قال أكثر المفسرين: هو آصف بن برخيا (معالم، ج ۳/ص: ٥٠٥)

وهو المشهور من قول ابن عباسؓ (كبير، ج ۲٤/ص: ۱٦۹)

تیسرا قول ہے کہ وہ خود حضرت سلیمانؑ ہی تھے۔ (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۶۹)

رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۔ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ

پاس رکھا دیکھا، تو بولے یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تا کہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں

اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ

یا ناشکری کرتا ہوں، اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے

كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

کریم ہے ۳۶ ع (پھر سلیمان نے) کہا اس کے لیے اس کے تخت کی صورت بدل دو۔ ہم دیکھیں کہ اسے اس کا پتا لگ جاتا ہے یا وہ انھی لوگوں میں ہے

امام رازیؒ نے قرائن قوی قائم کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے، لیکن مفسر ابن حیان نے اس قول کی تضعیف کی ہے۔

ومن أغرب الأقوال أنه سليمان عليه السلام (بحر، ج۷/ص:۷٦)

الکتٰب۔ سے مراد توریت بھی ہو سکتی ہے اور کوئی دوسری کتاب بھی جس میں اسمائے الٰہی کی تاثیرات درج ہوں---- یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنس کتب الٰہی مراد ہے، یا خود لوح محفوظ۔

والمراد بالكتب جنس الكتب المنزلة أو اللوح (بيضاوى، ج٤/ص:۱۱۷)

۴۶ (اسے نہ کسی کی شکر گزاری سے نفع، نہ کسی کی ناشکری سے نقصان۔ جود و کرم تو بہر صورت اس کا شیوہ ہے)

قبل أن .... طرفك۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد کمال سرعت ہے۔

قبل ارتدادا الطرف مجاز هنا وهو من باب مجاز التمثيل والمراد استقصار مدة الاتيان به (بحر، ج۷/ص:۷۷)

ملکہ کا تخت، خواہ حضرت کی دعا سے، خواہ کسی اور خارق عادت طریق پر، بہر حال سیکڑوں میل سے فی الفور اٹھ آیا ہے۔ اس موقع پر آپؑ کی فطرت پیمبرانہ جوش شکر گزاری سے لبریز ہو کر یہ الفاظ زبان پر لاتی ہے---- قرآن مجید ہر جزئیہ تاریخی سے بھی حسب معمول کس کس طرح درس توحید دیتا جاتا ہے!

الَّذِیۡنَ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتۡ قِیۡلَ اَہٰکَذَا عَرۡشُکِ ؕ قَالَتۡ

جنہیں پتا نہیں لگتا ۴۷ خیر، جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی کہ ہاں

کَاَنَّہٗ ہُوَ ۚ وَ اُوۡتِیۡنَا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہَا وَ کُنَّا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۴۲﴾

یہ تو گویا وہی ہے ۴۸ اور ہم کو علم (ایمانی) اس کے پیشتر ہی (حاصل) ہو چکا ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں۔ ۴۹

وَ صَدَّہَا مَا کَانَتۡ تَّعۡبُدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہَا کَانَتۡ مِنۡ قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ ﴿۴۳﴾ قِیۡلَ لَہَا

اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم کی تھی۔ ۵۰ اس سے کہا گیا

ومن یشکر .... کریم۔ اس میں تردید آ گئی ان جاہلی قوموں کی، جن کے دیوی دیوتا خود اپنے پجاریوں کے ہر طرح محتاج و دست نگر رہتے ہیں۔

۴۷ (تاکہ اس سے خود ملکہ کے عاقل و ذہین ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے) اس قسم کا مزاح کہ جس سے کوئی دینی و اخلاقی خرابی لازم نہ آئے، بالکل جائز ہے۔

۴۸ ملکہ نے جواب بڑی فہم و دانش سے دیا۔ نہ سرے سے انکار ہی کر دیا، اور کہہ دیا کہ نہیں وہ نہیں ہے۔ اور نہ جھٹ اقرار کر لیا کہ ہاں یہ تو وہی ہے، بلکہ جواب بین بین دیا کہ ہاں ہے تو اسی کے مثل، اسی جیسا۔ گویا اس کے اصلی مادے اور بدلی ہوئی موجودہ شکل دونوں کی رعایتیں ملحوظ رکھیں۔

توریت میں بھی دربارِ سلیمانی میں ملکۂ بلقیس کی حاضری کا ذکر ہے۔ (۱۔ سلاطین۔ ۱۰:۱-۱۳) مگر قرآن مجید سے ایک بالکل مختلف صورت میں۔

۴۹ ملکہ کہتی ہے کہ ہم لوگ اس معجزے کے صدور سے پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں، اور دل سے آپ کے فرماں بردار ہو چکے ہیں۔

أی مطیعین لأمرك منقادین لك. (بحر، ج ۷/ص: ۷۹)

العلم۔ علم یہاں علم توحید و نبوت کے معنی میں ہے۔

العلم باللہ و بصحة نبوة سلیمان قبل هذه المعجزة (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۷۱)

۵۰ یعنی ایسی عاقل و صاحب فہم خاتون جو چند روز تک ایمان نہیں لائی، سوائے شرک، خدا پرستی سے روکے ہوئے تھا، غیر اللہ کی عبادت کی عادت روکے ہوئے تھی، اور عادت اس

ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ

کہ محل میں داخل ہو، تو جب اس نے اس کو دیکھا ۵۱ اسے پانی خیال کیا اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔ ۵۲

قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي

(سلیمان نے) کہا یہ تو ایک محل ہے شیشوں سے بنا ہوا۔ ۵۳ وہ بولی اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا

وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ

اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ (ہوکر) اللہ پروردگار عالم پر ایمان لے آئی۔ ۵۴ اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس

لے پڑی تھی کہ آنکھ کھول کر اس نے اردگرد کفر ہی کفر دیکھا تھا۔

۵۱ اس کو دیکھا، یعنی محل کے صحن کو دیکھا۔ عبارت میں مضاف مقدر ہے۔

یہ صحن شفاف شیشے سے بنا ہوا تھا، دیکھنے میں پانی کی طرح جھلجھلا رہا تھا۔

۵۲ (جیسا کہ عموماً دامن اٹھاتے اور پائنچے سمیٹتے وقت ہو جاتا ہے)

یہ پائنچہ اٹھانے اور دامن سمیٹنے کا ذکر تالمود اور روایات یہود میں بتصریح مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بغرض نکاح عورت پر نظر کرنے کی اجازت کی احادیث میں تو صراحت ہے ہی۔ فقہاء نے استنباط قرآن کے اس مقام سے بھی کیا ہے۔

۵۳ (اور اس کا صحن تک شفاف شیشوں سے پٹا ہوا ہے۔ دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں)

قصر سلیمانی کے تجمل و تزئین کا نقشہ، جوزیفس، قدیم یہودی مؤرخ کے حوالے سے انگریزی تفسیر میں درج ملے گا۔

۵۴ ملکہ، حضرت سلیمانؑ کی روحانی عظمت و نبوت کی قائل تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اب جب یہ مشاہدہ کر لیا کہ دنیوی سلطنت اور جاہ و حشم میں بھی سلیمانؑ کا مرتبہ مجھ سے کہیں بڑھا ہوا ہے، اور ایسے کی محافظت دوسرے خطرات سے پناہ دینے میں کافی ہو جائے گی، تو اب کھلم کھلا ایمان لے آئی۔

مع سلیمٰن۔ یعنی سلیمان کے طریق پر۔

اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو ۵۵ سو ان میں دو فریق ہو گئے باہم جھگڑنے والے۔ ۵۶

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ

(صالح نے) کہا اے میری قوم والو! تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو؟ ۵۷ تم لوگ اللہ سے مغفرت ہی

أسلمت۔ "کنا مسلمین میں بھی اقرار ایمان کا ہے، مگر اس سے مقصود إخبار ہے اور ایمان مطلوب یعنی انشاء وہ اسی صیغے سے حاصل ہوا ہے"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۱۹۹)

بلقیس کے ایمان لانے کا ذکر توریت میں بھی موجود ہے۔ (۱۔سلاطین-۱۰: ۶-۹ نیز ۲-تواریخ-۹: ۸)

روایات یہود میں ہے کہ اس کے بعد ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کے عقد میں آگئیں، اور روایات اسلامی بھی اس باب میں کچھ ایسی ہی ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید و حدیث صحیح اس باب میں خاموش ہیں۔

والأظهر فی كلام الناس أنه تزوجها، وليس لذلك ذكر فی الكتب، ولا فی خبر مقطوع بصحته (كبير، ج ٢٤/ص: ١٧٢)

۵۵ (شرک و کفر چھوڑ کر)

قوم ثمود و حضرت صالحؑ دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف (آیت نمبر ۷۳) میں گزر چکے۔

۵۶ (دین کے باب میں)

یعنی بجائے اس کے کہ سب کے سب دعوت توحید پر متفق ہو جاتے، صرف ایک فریق ایمان لایا، باقی لوگ ان سے جھگڑنے لگے۔

۵۷ الحسنة ۔ یعنی توبہ و ایمان یا عافیت و رحمت۔

المراد بالحسنة الثواب (كبير، ج ٢٤/ص: ١٧٤)

العافية والرحمة (معالم، ج ٣/ص: ٥٠٨)

السيئة ۔ یعنی عذاب۔

اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّیَّرۡنَا بِکَ وَ بِمَنۡ مَّعَکَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُکُمۡ

کیوں نہیں طلب کرتے، جس سے تمہارے اوپر رحمت ہو، وہ بولے ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو نحوس سمجھ رہے ہیں۔ ۵۸ (صالح نے) کہا

عِنۡدَ اللّٰہِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ کَانَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ تِسۡعَۃُ رَہۡطٍ

تمہاری نحوست تو اللہ کے علم میں ہے البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں پڑو گے۔ ۵۹ اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں

یُّفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا یُصۡلِحُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰہِ لَنُبَیِّتَنَّہٗ

فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ ۶۰ وہ بولے آپس میں خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح

المراد بالسئية العقاب (کبیر، ج۲۴/ص:۱۷۴)

بالبلاء و العقوبة (معالم، ج۳/ص:۵۰۸)

حسب دستور یہ کافر قوم بھی بجائے ایمان لانے کے یہی کہنے لگی کہ عذاب ہے کہاں؟ لاکر دکھاؤ عذاب، اگر سچے پیمبر ہو!

قبل یہاں بھی پیشتر کے بجائے "بجائے" کے معنی میں ہے۔

۵۸ (کہ جب سے تم نے یہ نیا مذہب کھڑا کیا ہے، قوم میں انتشار پیدا ہو گیا ہے۔)

۵۹ (اپنے اس کفر کی بدولت)

طائر کم۔ نحوست یعنی اسباب نحوست۔

حضرت نے فرمایا کہ تمہارے اعمال کفریہ اللہ کو خوب معلوم ہیں، اور موجودہ مصائب انھی اعمال کفریہ کا ثمرہ ہیں، سو ابھی کیا ہوا ہے، ابھی تو تمہیں اس کفر کی بدولت عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

طائرکم أی السبب الذی منه یجیئ خیرکم و شرکم عنداللّٰه. (کبیر، ج۲۴/ص:۱۷۴)

تفتنون۔ صیغۂ مخاطب میں أنتم کی رعایت سے ہے، اور یہی فصیح تر ہے۔ ورنہ جائز قوم کی رعایت سے صیغۂ غائب (یفتنون) بھی تھا۔

وجاء تفتنون بتاء الخطاب علی مراعاۃ أنتم وهو الكثير فی لسان العرب ویجوز یفتنون بیاء الغیبة علی مراعاۃ لفظ قوم وهو قلیل (بحر، ج۷/ص:۸۳)

۶۰ یعنی وہ سرتاسر مفسد ہی مفسد تھے۔ صالحیت کی صلاحیت ہی گویا ان میں نہ تھی

وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

اوران کے متعلقین کو جامار یں گے، پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے اور (ہماری چال کی) انھیں خبر بھی نہ ہوئی ٦٢ سو دیکھیے، ان کی

عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ

چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان کو اوران کی قوم سب کو ہلاک کرڈالا سو یہ ان کے گھر ہیں

---شرک، کفر وفسق سے دل جب بالکل زنگ آلود ہوجاتے ہیں، تو یہی حال قوموں کا اور جماعتوں کا ہوجاتا ہے۔

رهط۔ رہط کے لفظی معنی چھوٹی سی جماعت کے ہیں، جو دس کے اندر ہو۔

الرّهط العصابة دون العشرة (راغب، ص: ٢٣٠)

یہاں مراد شہر کے وجیہ افراد سے ہے، جن کے ساتھ جتھے ہوں۔

قيل: كان هؤلاء التسعة رؤساء مع كل واحد منهم رهط. (روح، ج١٩/ص:٢١٢)

ف ٦١ (جوخون کا دعویٰ کرے گا)

یہ ولی یا قریب ترین وارث یا تو مومن ہی ہوگا، اور یا تو محض غیرت قرابت سے طالب قصاص ہوگا۔

المراد به طالب ثاره من ذوی قرابته إذا قتل (روح، ج١٩/ص:٢١٣)

ف ٦٢ لنقولن لوليه ماشهدنا، إنا لصادقون۔ ومكروا مكرا۔ سرکش جاہلی قومیں جس طرح دولت ایمان وتوحید سے معرّیٰ ہوئی ہیں، عموماً اسی طرح راستی، دیانت واخلاق سے بھی کوری رہی ہیں۔

مكرنا مكراً۔ ملاحظہ ہو ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين پر حاشیہ نمبر ١٣٥، سورۂ آل عمران آیت نمبر ٥٤ میں۔

خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝٥٢

جو ویران پڑے ہیں اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے، بے شک اس (واقعہ) میں بڑا نشان ہے ۶۳ ان لوگوں کے لیے جو صاحب علم ہیں۔

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝٥٣ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

اور ہم نے نجات دے دی ایمان وتقویٰ والوں کو ۶۴ اور لوط (کو بھی ہم نے پیمبر بنا کر بھیجا تھا) جب کہ انھوں نے اپنی قوم والوں سے کہا

أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝٥٤ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ

کہ ارے! کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو، درآں حالیکہ سمجھ رکھتے ہو۔ ۶۵ ارے! تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی

شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝٥٥ فَمَا كَانَ

کرتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر؟ مگر ہاں تم لوگ ہی ہو جاہلیت میں پڑے ہوئے ۶۶ سو ان کی قوم کوئی جواب

۶۳ (اللہ کی قدرت وحکمت اور انبیاء کی صداقت کا)

بما ظلموا۔ ظلم یہاں شرک وطغیان کے معنی میں ہے۔

مدائنِ صالح کے کھنڈر ملک شام جاتے ہوئے اہل مکہ کے راستے میں پڑتے تھے۔

۶۴ نجات اپنے عذاب سے بھی اور نجات کفار کی سازش قتل سے بھی۔

۶۵ یعنی یہ تو بہت موٹی اور معمولی سوجھ بوجھ کی بات ہے۔ اس حرکت کے بیہودہ ہونے میں کسی قسم کا خفا یا غموض نہیں۔

ولوطاً میں عامل مقدر ہے۔

ای وأرسلنا لوطاً (روح، ج۱۹/ص:۲۱۵)

قصۂ لوط وقوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔

۶۶ دین فطرت کی طرح دین جاہلیت کا بھی ایک مستقل نظام ہے۔ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی، جاہلی عقائد، جاہلی عبادات، جاہلی اخلاق، جاہلی معاملات وغیرہا۔ اسی جاہلی اخلاق ومعاشرت کا ایک مظہر یہ غیر طبعی بہیمانہ شہوت رانیاں بھی ہیں جن سے ہر سلیم الفطرت انسان ہی کو نہیں، حیوانات تک کو گھن آتی ہے۔ آج جاہلیت فرنگ میں پھر یہی بدکاریاں نئے نئے خوشنما ناموں

جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ

نہ دے سکی بجز اس کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ نکال دو لوط والوں کو اپنی بستی سے

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫

یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط اور ان کے متعلقین کو نجات دے دی بجز لوط کی بیوی کے

قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

انھیں ہم نے چھوٹ جانے والوں ہی میں تجویز کر رکھا تھا، اور ہم نے ان لوگوں کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسا دیا، سو بُرا ہوا مینہ

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ

ان لوگوں کے لیے جو ڈرائے جا چکے تھے۔ ۶۷ آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو

آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

جنھیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں۔ ۶۸

کے ساتھ زور و شور کے ساتھ واپس آ رہی ہیں۔

أتاتون اور أئنكم ، دونوں میں ہمزۂ استفہام کمال استعجاب کے لیے ہے۔ ترجمہ میں ''ارے'' دونوں جگہ اسی مفہوم کے اظہار کے لیے ہے۔

۶۷ (اور یہ اس لیے کہ یہ بدنصیب اس انذار پر ذرا ملتفت نہیں ہوئے تھے)

امرأۃ لوط اور عذاب قوم لوط وغیرہ پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

۶۸ آگے ایک مستقل خطبہ توحید پر آ رہا ہے۔ یہ ایک آیت اس کے مقدمہ یا تمہید کے طور پر ہے۔

قل الحمد لله۔ خیال رہے کہ حمد الٰہی زبان پر لانے کا یہ حکم عین ہلاکت کفار کے موقع پر مل رہا ہے، جیسا کہ صاحب روح المعانی نے توجہ دلائی ہے۔ (روح، ج ۲۰/ص: ۲)

اور مرشد تھانوی نے اس سے مزید استنباط یہ کیا ہے کہ معاندین کی ہلاکت پر مسرور ہونا جب کہ اس کا باعث دنیانہ ہو، اخلاق فاضلہ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۰۱)

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ‌ۚ

(آیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا

فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ‌ ۚ مَا كَانَ لَـكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ‌ؕ

اور اس کے ذریعہ سے بارونق باغ اگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اُگاؤ

ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ‌ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ۝۶۰ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے ۶۹ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو

۶۹ (چنانچہ اس معاملہ میں بھی توحید کی سیدھی راہ چھوڑ بیٹھے)

آیت ماقبل سے لے کر آیندہ کئی آیتوں تک مسلسل مضمون توحید کا چلا گیا ہے، اور شرک کی تمام صورتوں کی تردید ہوتی گئی ہے۔

وانزل لکم۔ آسمان سے نزول آب اور بارش انسان ہی کے نفع کے لیے اور اسی کی مصلحتوں سے ہے۔ تکوینیات میں جو کچھ بھی ہے، انسان سب سے مقدم ہے۔

ء الٰہ مع اللّٰہ۔ آسمان، زمین سب کا پیدا کرنے والا، پانی برسانے والا، نباتات اگانے والا، سب وہ ایک اور یکتا خدا ہی ہے، اس کے سوا نہ کوئی میگھ دیوتا یا بارش کا خدا ہے، نہ ہوا، زراعت وغیرہ کے لیے کوئی دیوی دیوتا اور نہ زمین و آسمان کی خالقیت میں کوئی شریک۔

مآء ...... بھجۃ۔ نباتات میں قوت نمو، اور پودوں، پھولوں، پھلوں میں ساری لذت، خوشنمائی، افادیت، اسی برساتی پانی سے پیدا ہوتی ہے۔

ماکان .... شجرھا۔ انسان خوب غور کر کے دیکھ لے، کاشتکاری ہو یا باغبانی، اس عظیم الشان نظام کے کسی جز پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ --- کیا زمین میں صلاحیتِ قبول رکھنا اُن کا کام ہے؟ کیا خاک میں قوت نمو رکھ دینا اُس کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر اور مقام مناسب پر بارش لانا اُس کے اختیار میں ہے؟ کیا بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ

نباتات وغیرہ اگائیں، اُس کے دخل وتصرف کی چیز ہے؟ درختوں، پودوں، سبزیوں کو آفتاب کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا، کیا اُس کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض کھاد، سورج، پانی وغیرہ میں پیداواری کی صلاحیتیں اور تاثیرات رکھ دینا اور اِن ساری استعدادوں کو ایک متعین درجہ میں اور مناسب حد تک قوت سے فعل میں لانا، اِن میں سے کوئی بھی شے انسان غریب کے دخل وتصرف میں ہے؟

ما کان لکم میں ما نافیہ ہے۔

ما کان............شجرھا۔ جب اس کی نفی ہوگئی کہ اس نظام نباتی کی کوئی سی کڑی بھی انسان کے اختیار کی ہے تو اب معاجرح یہ کی ہے کہ ء إلٰه مع الله اچھا تمہارے اپنے بس کی نہ سہی، تو پھر کیا کوئی اور غیر اللہ، خدائی میں شریک ہے؟

یعدلون۔ عدول سے ہے۔ جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔

من العدول بمعنى الانحراف أى بل هم قوم عادتهم العدول عن طريق الحق بالكلية............ فلذلك يفعلون مايفعلون. (روح، ج ۲۰/ص:۵)

عن الحق الذی هو التوحید (بیضاوی، ج ٤/ص:۱۱۹)

يصح أن يكون من قولهم عدل عن الحق إذا جار عُدولاً. (راغب، ص:٣٦٤)

دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ غیر اللہ کو اللہ کے مساوی رکھتے ہیں۔

يصح أن يكون على هذا كأنه قال يعدلون به (راغب، ص:٣٦٤)

قيل: يعدلون بالله سواه. (كبير، ج ٢٤/ص:١٧٧)

يشركون بالله غيره (جلالين، ص:٥٠١)

ان آیات میں (جیسا کہ اور بھی بے شمار مقامات میں قرآن کے ہے) مسلسل دعوت دی گئی ہے کائنات اور اس کے اجزا وعناصر پر نظر کرنے کی، یہیں سے عارفین صوفیہ نے کہا ہے کہ خلائق پر نظر مطلق صورت میں ممنوع نہیں۔ توحید کے منافی صرف وہ نظر ہے جو خود مقصود ہو، اور حقائق پر نظر کرنا جب کہ وصول الی الحق کے لیے ہو، تو عین مطلوب ہے اور توحید کے ذرا بھی منافی نہیں۔

قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ

قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں، اور زمین کی خاطر بوجھل پہاڑ بنائے، اور دو (قسم کے) سمندروں کے

بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ۝

درمیان حدِ فاصل بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو سمجھتے ہی نہیں۔۷۰

۷۰ یعنی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ---- چنانچہ اتنی موٹی سی بات کو نہ کلدانیہ والے سمجھے نہ مصر والے، نہ ہندوستان والے نہ ایران والے، نہ یونان والے نہ رومہ والے، سب نے اپنے "کمال تہذیب" اور "عروج تمدن" کے زمانے میں پرستش مخلوقات کی کی ہے۔ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

البحرین۔ مراد یہی دنیا کے نظام آبی کے دو ترکیبی حصے: ایک عظیم الشان ذخیرہ سمندری کھاری پانی، اور دوسرا میٹھے، صحت بخش پانی کا۔

ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان کی آیت ۵۳ ھو الذی مرج البحرین کا حاشیہ۔

حاجزاً۔ یہ قدرت کی عجیب وغریب صناعی کا نمونہ ہے کہ نہ سمندری پانی کے بخارات سے برسا ہوا پانی کھاری ہو کر برستا ہے، اور نہ یہ میٹھا پانی ہو کر سمندر کے کھار کو مٹھاس سے بدل دیتا ہے۔ دونوں کے حدود الگ الگ قائم ہیں۔ یوں بھی دونوں قسم کے آبی ذخیرے دنیا کی سطح میں آپس میں مل کر ایک نہیں ہو جاتے، ایک دوسرے سے گڈمڈ نہیں ہو جاتے۔

جعل الأرض قراراً۔ زمین میں جو ابتداءً تزلزل کی مسلسل کیفیت تھی، اس میں اللہ ہی کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ نے اس حد تک سکون پیدا کر دیا کہ دنیا کے کاروبار میں کسی قسم کا بھی خلل نہیں پڑتا۔

مانعاً من قدرته لئلا يختلط الأجاج بالعذب (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۲۲۲)

وجعل لها رواسی۔ یعنی پہاڑوں کے ثقل سے زمین کی حرکت اضطرابی میں سکون وتوازن قائم کر دیا۔

لها۔ یعنی زمین کی خاطر، زمینی مصلحتوں کے لحاظ سے گویا یہ بھی انسان ہی کے لیے ہے۔ بندہ پروری اور بندہ نوازی ایک ایک عمل تخلیق سے نمایاں ہے۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ

(یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے، اور تم کو زمین میں

خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ

صاحب تصرف بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو!۱؎ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو

يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

تمہیں راستہ سجھاتا ہے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں، اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے (دلوں کو) خوش کردینے کے لیے

أی لصلاح أمرها (روح، ج ۲۰/ص:٦)

بل أکثرهم لایعلمون۔ انسان کی بیشتر آبادی فکر صحیح سے کام نہیں لیتی، اور اس کھلی ہوئی حقیقت سے غافل و بے خبر رہ جاتی ہے۔

۱؎ (اتنا کم غور کہ صحیح نتیجے تک پہنچ ہی نہیں پاتے ہو)

اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ کی صفات خالقیت، ناظمیت و ربوبیت پر توجہ دلائی جا چکی۔ اس آیت میں اس کی صفات فریاد رسی اور تصرف تکوینی یاد دلائی گئی ہیں۔ اور پہلی آیتوں میں خطاب خاص اگر عام مشرکوں سے تھا، تو اس میں مخاطبت خصوصی مسیح پرستوں، مریم پرستوں، اور ہر قسم کے روح پرستوں اور پیر پرستوں سے ہے۔

یجیب اور یکشف سے یہ مطلب نہیں کہ اللہ ہمیشہ بندے کے حسب مرضی فریادیں قبول ہی کر لیتا ہے، اور ہمیشہ مصیبت کو دور ہی کر دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی حسب مشیت و حسب مصلحت تکوینی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے، تو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔

ماتذکرون۔ ما زائد ''قِلت'' کو مؤکد کرنے اور اسے نفی (لا) کے ہم پلہ بنا دینے کو ہے۔

ما مزیدة......لتاکید معنی القلة التی أرید بها العدم. (روح، ج ۲۰/ص:۷)

والمعنی نفی التذکر والقلة تستعمل فی معنی النفی. (کبیر، ج ۲٤/ص:۱۷۹)

رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ۲ے (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو مخلوق کو اول بار

ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ

پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ آپ کہئے

هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ

تم اپنے (دعوے پر) دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو ۳ے آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی (مخلوق) موجود ہے

۲ے (اور یہ بات بالکل واضح وصریح ہے)

آیت میں ربوبیت تکوینی ہی کے بعض اور پہلوؤں کو نمایاں کر کے توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔

تعالی اللہ عما یشرکون۔ اللہ کی صفات کمال اس کے شرک سے بلند وبالا ہیں، جو اس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

رحمتہ۔ رحمت یہاں بارش کے معنی میں ہے۔

یعنی المطر (بیضاوی، ج٤/ص: ١٢٠)

ویجعلکم خلفاء الأرض۔ یعنی زمین پر تمہیں نسلاً بعد نسل حاکم ومتصرف، خدا تعالی کے سوا اور کون بنائے ہوئے ہے؟ خطاب عام نوع انسان سے ہے۔

۳ے (اپنے عقیدۂ شرک میں)

یعنی حق تعالی کی صفات خالقیت، حاکمیت ورزاقیت تو واضح وظاہر ہی ہیں، تم اگر ان کا انتساب کسی اور کی جانب بھی کرتے ہو تو اپنے دعوئے شرک پر کوئی دلیل بھی تو پیش کرو، اگر کر سکتے ہو۔ یہ مسلسل سوالیہ آیتیں اپنی گہری معنویت سے قطع نظر، حسنِ ادا وبلاغت کے معیار سے بھی عربی ادب کا بہترین وبلند ترین نمونہ ہیں۔

أمن یبدأ الخلق۔ مخلوق جتنی بھی ہے، سب کی سب حادث ہے، قدیم نہیں۔ یعنی کسی وقت اور کسی زمانے میں نیست سے ہست ہوئی ہے، عدم سے وجود میں آئی ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہ خود اور مسلسل ہمیشہ سے موجود رہی ہو، اس میں صاف تردید ہے ہندو عقیدے کی۔

وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٦٥ بَلِ ادّٰرَكَ

کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے ۴۴۔ بات یہ ہے کہ آخرت

عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝٦٦

کے باب میں ان کا علم نیست ہو چکا، چنانچہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ ۴۵

بدء خلق۔ اعادۂ آفرینش اسلام کا ایک مرکزی عقیدہ ہے ـــــ ضمناً اس سے اس عقیدے کا بھی اثبات ہو گیا کہ عالم اپنی تکوین کے لیے ایک مستقل ابتدا رکھتا ہے۔ ازل سے خود بہ خود قائم نہیں چلا آ رہا ہے۔

ھاتوا برھانکم إن کنتم صٰدقین۔ قرآن توحید پر صرف دفاعی جوابات نہیں رکھتا، بلکہ کھل کر مشرکوں کو للکارتا ہے کہ بن پڑے تو کوئی دلیل تو شرک پر لے کر آؤ۔

یرزقکم من السماء والأرض۔ انسان کی ایک غذا ہی کی حد نہیں، آسمان و زمین کی کتنی ہی قوتیں (روشنی، گرمی، ہوا، پانی وغیرہ کی) سب مل جل کر کام کرتی ہیں، جب جا کر انسان اپنی غذا حاصل کر سکتا ہے۔

یرزقکم من السماء والأرض۔ یعنی آسمان اور زمین دونوں سے سامان رزق تمہارے لیے فراہم کرتا ہے۔

۴۴ (چنانچہ یہ وقت قیامت کا تعین بھی انھی مسائل غیب میں سے ہے)

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو تو بے بتائے سب کچھ معلوم ہے، اور کسی دوسرے کو بے بتائے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اور یہ تمہارے دیوی دیوتا، جس طرح صفت قدرت سے محروم ہیں، اسی طرح صفت علم سے بھی ـــــ مخلوق کی بے بسی علم کے لحاظ سے بیان ہوئی ہے۔

عقیدۂ آخرت اہم ترین عقائد میں سے ہے، اس لیے اس کا ذکر خاص طور پر کیا گیا۔

الغیب۔ یعنی جو کچھ مخلوق کے حواس ظاہری باطنی سے پرے اور ماوراء ہے۔

۴۵ منکرین آخرت کے کئی طبقے ہیں، قرآن نے ان کی نفسیات کی الگ الگ پوری تشریح کر دی: ایک طبقہ تو وہ ہے جس کا ظاہری، سطحی، مادی، حسی علم، آخرت کے باب میں جواب دے جاتا ہے، اور وہ طبقہ اپنے عدم علم پر قانع و مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے، یہ لوگ بل ادّٰرک علمھم

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم جب خاک ہوگئے اور (اسی طرح) ہمارے باپ (دادا بھی) تو کیا ہم (قبر سے) نکالے جائیں گے؟

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

اس کا تو وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ داداؤں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے یہ تو بس اگلوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ ۷۶

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

آپ کہیے کہ تم زمین پر چلو (پھرو) پھر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا ہے؟ ۷۷

فی الآخرۃ کے مصداق ہیں۔ دوسرا طبقہ، عدم علم سے قدم آگے بڑھا کر اس عقیدے پر جرح قدح کرتا ہے، اور اس باب میں تشکیک وارتیاب میں مبتلا رہتا ہے یہ گروہ بل ھم فی شک منھا کے تحت میں آیا۔ تیسرا طبقہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی آنکھیں دلائل وشواہد کی طرف سے بند کر لیتا ہے، اور قیامت کے بروئے کار آنے کی طرف سے قطعی مایوس ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے لیے کھلی ہوئی وعید بل ھم منھا عمون کی ہے۔

منکرِ آخرت ''دانایانِ فرنگ'' بھی تین طبقوں میں تقسیم ہیں: ایک وہ جو اس باب میں بمنزل توقف وسکوت میں ہیں۔ دوسرے وہ جو درجۂ تشکیک وارتیاب میں ہیں۔ تیسرے کھلا ہوا انکار کرنے والے۔ (دلائل وشواہد اثبات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے والے)

۷۶ (جو نہ آج تک واقع ہو کر رہے ہیں، نہ آیندہ کبھی واقع ہونے کے ہیں)

أساطير الأولين پر حاشیہ سورۃ الانعام آیت نمبر ۲۵ میں گزر چکا۔

ء إذا كنا۔ ء إنا لمخرجون۔ ہمزۂ استفہامیہ کی تکرار انکار میں تاکید ومبالغہ کے لیے ہے۔

وتكرير الهمزة للمبالغة في الانكار (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٢٠)

جیسے اردو میں کہیں کہ بھلا کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے؟

۷۷ (اسی دنیا میں)

مطلب یہ کہ جو قومیں خدا کی باغی، یعنی توحید وآخرت کی منکر ہوئی ہیں، وہ باوجود اپنی ساری

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ چالیں چل رہے ہیں، اس سے دل تنگ نہ ہوجئے۔ ۸ے اور یہ پوچھتے ہیں ۹ے کہ یہ وعدہ (آخر) کب پورا

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ جس (عذاب) کی تم جلدی مچا رہے ہو، عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس

ظاہری عظمت وشوکت کے بالآخر اسی دنیا میں کیسی تباہ وبرباد ہو کر رہی ہیں، ان کے قلعوں، ان کی عمارتوں، ان کے محلوں کے گرے پڑے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر، ان کے آثار قدیمہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔

سیروا فی الأرض۔ سیر فی الأرض اگر تذکر وعبرت پزیری کی راہ سے ہو، تو خود ایک عبادت بن جاتی ہے۔ شرط فانظروا کیف کان عاقبۃ المجرمین کی ہے۔ اگر یہ شرط کسی درجہ میں بھی نہیں پوری اترتی، تو مطلق سیر وسیاحت ہرگز مقصود نہیں۔

ملاحظہ ہو سورۃ الحج، آیت أفلم یسیروا فی الأرض (آیت ۴۶) کا حاشیہ

۸ے (اسے متحضر رکھئے کہ دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی برابر یہی معاملہ ہوتا رہا ہے)

مشرکین معاندین کی مسلسل وشدید مخالفتوں کے دو ہی اثرات رسول اللہؐ کے قلب مبارک پر پڑ سکتے تھے: ایک آپ کا فرط شفقت سے ان کے حق میں غم کھانا، اس کی تردید ولا تحزن علیہم میں آگئی۔ دوسرے ان کے دل کا اس خیال سے کڑھنا کہ کہیں ترقی اسلام کی رفتار میں اس سے رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے، سو اس کی پوری تردید ولا تکن فی ضیق مما یمکرون سے کر دی گئی۔

اکبر الہ آبادی (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے) نے اپنے ایک شعر میں آیت کریمہ کے اس ٹکڑے کی خوب تضمین کی ہے ؎

آگ ان کی خود ہی ان کو دے گی بھون
لا تکن فی ضیق مما یمکرون

۹ے (طنز واستہزاء کے لہجے میں)

منکرین کا یہ سوال بطور استفسار حقیقت بالکل نہ تھا، بلکہ مقصود تمام تر طنز وانکار تھا۔

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

ہی آلگا ہو۸۰۔ اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے ۸۱۔ لیکن اکثر انسان ہی شکر نہیں ادا کرتے۔

۸۰۔ چنانچہ قحط، قتل، ہزیمت وغیرہ کے تجربے تو اس دنیا میں ہو کر رہے۔

ردف لکم پر نحوی حیثیت سے خاص بحث ہوئی ہے، عام استعمال زبان میں بلاصلہ لام کے ہے، ردفه امرٌ أردفه كما يقال تبعه واتبعه۔ بعض اہل نحو نے لکھا ہے لام اس وقت داخل کیا جاتا ہے، جب اضافت کسی فعل کی جانب مقصود ہوتی ہے، جیسے تعبرون ويرهبون میں للرؤيا تعبرون ولربهم يرهبون (ابن جریر، ج ۱۹/ص: ۴۹۲) اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے معنی میں زور پیدا ہو گیا ہے اور معنی ”قریب آلگا“ کے ہو گئے ہیں۔ ادخل اللام فی ذلك للمعنى لان معناه دنا لهم۔ ابن جریر نے یہ سب نقل کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے۔

وهذا القول الثانى هو أولهما عندى بالصواب (ابن جرير، ج ۱۹/ص: ۴۹۲)

سب سے بے تکلف اور بے غبار قول زمخشری کا ہے کہ ل یہاں تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ کہیں کہیں ب بھی تاکید کے لیے آئی ہے۔

زيدت اللام للتاكيد كالباء فى ولا تلقوا بأيديكم (کشاف، ج ۳/ص: ۳۶۸)

اللام مزيدة للتاكيد (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٢١)

۸۱۔ (چنانچہ وہ عذاب کو بہت ٹالتا رہتا اور مہلت بہت دیتا رہتا ہے)

على الناس ارشاد ہوا ہے، على المومنين نہیں۔ اللہ کا فضل و کرم تو عام بندوں پر رہا کرتا ہے۔ زندگی، صحت، ہوا، غذا، پانی، روشنی وغیرہ، کتنی نعمتیں ہر وقت ہر ایک کو ملتی رہتی ہیں۔

هذه الآية تبطل قول من قال إنه لا نعمة لله على الكفار (كبير، ج ٢٤/ص: ١٨٤)

رحمت حق اپنی عمومی صورت میں تو کیا مومن اور کیا کافر ساری ہی نوع انسانی پر ہے۔ شکر گزار بندہ اپنے کو رحمت خصوصی کا مورد بنالیتا ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ

اور بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے، جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے (اس کو) اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (اس کو) اور کوئی چیز مخفی

فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٥﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ

آسمان اور زمین میں ایسی نہیں جو کتاب مبین میں درج نہ ہو۔۸۲ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی ان باتوں

عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى

کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔۸۳ اور بے شک وہ ایمان والوں کے حق میں

۸۲ یعنی حق تعالیٰ کو براہِ راست علم تو ہے ہی، باقی باضابطہ اور ظاہری طور پر بھی ہر چیز خداوندی رجسٹر میں درج ہے۔

کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، جس میں ہر چیز، چھوٹی بڑی، اگلی پچھلی لکھی ہوئی موجود ہے۔

وھو أم الکتاب الذی أثبت ربنا فیه کل ما ھو کائن من لدن ابتدأ خلق خلقه إلی یوم القیامة. (ابن جریر، ج۱۹/ص:۴۹۴)

أی فی اللوح المحفوظ (معالم، ج۳/ص:۵۱۲)

غائبة۔ غائبة میں ت تانیث کی نہیں، مبالغہ کی ہے یعنی زیادتی کے اظہار کے لیے۔ جیسے راویة کے معنی کثیر الروایات کے ہوتے ہیں۔

لیست للتأنیث إذلم یلاحظ لھا موصوف تجری علیه کالراویة للرحل الکثیر الروایة فھی تاء مبالغة (روح، ج۲۰/ص:۱۷)

اور غائب کا اطلاق تو ہمیشہ مخلوق ہی کے سلسلے میں ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے ''غائب'' کون سی چیز ہو سکتی ہے۔

۸۳ یعنی بنی اسرائیل پر بہت سے وہ حقائق روشن کر دیے، جن کے باب میں وہ غلط فہمیوں میں مبتلا تھے، اور جن صداقتوں کو وہ بھلا چکے تھے، انھیں پھر سے روشن کر دیا۔ یہود اپنے صحائف میں دانستہ و نادانستہ بہت کچھ تحریف و تصرف کر چکے تھے، قرآن نے جچے تلے فیصلے ان امور

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾

ہدایت ورحمت ہے۔۸۴ بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان فیصلہ اپنے حکم سے کردے گا، اور وہ غلبہ والا ہے علم والا ہے۔۸۵

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

سو آپ اللہ پر توکل رکھیے، بے شک آپ صریح حق پر ہیں۔۸۶ یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ۸۷

میں صادر فرمادیے، اور یہود نے اپنی تاریخ اور اپنے عقائد اور ان سے متعلق جو کچھ گڑھ رکھا تھا، قرآن نے اس کے باب میں دوٹوک بیانات دے دیے۔

اکثر یہاں کثیر کے معنی میں ہے۔

۸۴ یعنی ہدایت خاص ورحمت بالاختصاص۔ ورنہ عموماً ہدایت ورحمت تو ساری دنیا کے لیے ہے۔

مفسر تھانویؒ نے کہا کہ ہدایت باعتبار طاعات کے اور رحمت بلحاظ ثمرات کے۔

(تھانوی، ج ۲/ص: ۲۰۵)

۸۵ (تو اس عزیز وعلیم کو اپنے فیصلے کے صادر کرنے اور نافذ کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے)

یہاں فیصلہ سے مراد قیامت کے دن کا عملی فیصلہ ہے، ورنہ شرعی وعقلی فیصلہ تو آج بھی اسی دنیا میں موجود ہے۔

۸۶ (اس لیے آپ معاندین منکرین کے مکروکید کی مطلق پروانہ کیجیے، اس عالم الغیب پر ان کی ایک ایک چال روشن ہے۔ امداد ونصرت اس قوت والے کی طرف سے ان کی نہیں، آپ کی ہوگی)

۸۷ (کوئی ایسی آواز وکلام جواب ان کے لیے نافع ہو)

مطلب یہ ہے کہ یہ معاندین تو مُردوں کی طرح ہیں، ان سے توقع ہی فہم وہدایت کی بیکار ہے۔

إنما شبهوا بالموتى لعدم انتفاعهم باستماع مايتلى عليهم كما شبهوا بالصم

(بیضاوی، ج ٤/ص: ١٢١)

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ

اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ ۸۸؎ اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی

بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا

سے راستہ دکھانے والے نہیں، آپ تو بس انھی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً

پھر وہ (انھیں) مانتے ہیں ۸۹؎ اور جب وعدہ ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایسا جانور

بعض علماء نے آیت سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مردے مطلقاً کلام نہیں سن سکتے، حالانکہ یہاں مقصود تشبیہ ہے، اور اس کی بنا عرف وظاہر پر ہے، کوئی مسئلہ فقہی بیان نہیں ہو رہا ہے، اور پھر کافروں سے سمع وبصر کی نفی تو اور بھی متعدد مقامات پر قرآن میں آئی ہے۔ جس طرح وہاں مراد اس وقت ادراک لی گئی ہے، یہاں بھی نفی سمع، نفی قبول پر محمول ہوگی۔

اس کے علاوہ موتیٰ کا اطلاق تو جسد مردہ پر ہوتا ہے، روح کے مٹنے کی نفی تو اس سے بھی نہیں ہوتی۔ اور بعض محققین نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ تسمع باب افعال سے ہے، یعنی تم ان میں قوت سماع نہیں پیدا کر سکتے، اور سماع عادی جو نام ہے تصادم صوت وسامعہ کا، وہ ظاہر ہے کہ مُردوں میں مفقود ہے۔

۸۸؎ (اور سننا ہی نہ چاہیں)

مقصود اس تشبیہ سے بھی اس کا اظہار ہے کہ جب کوئی نفع حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کے برعکس کا ارادہ کر لے، تو کوئی اسے نفع پہنچا سکتا ہی نہیں ہے۔

فإن اسماعهم فی هذه الحالة أبعد (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٢١)

یہ سنا دینے اور نفع پہنچانے کی نفی جب حضرات انبیاء سے کی جا رہی ہے، تو کسی شیخ یا مرشد غریب کے اختیار میں کب ہے کہ ہدایت کسی کے دل میں اتار دے؟

۸۹؎ یعنی آپ ﷺ کی تبلیغ سے فائدہ اٹھانے والے صرف ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

آیٰتنا میں آیات سے مراد اللہ کی نشانیاں اور دلائل بھی ہو سکتے ہیں اور آیات قرآنی بھی۔

مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

نکالیں گے جوان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔ ۹۰

۹۰ قرب قیامت کی علامتیں بہت سی حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہیں۔ بہت سی عجیب وغریب چیزوں کا اس وقت ظہور ہوگا۔ اور عجیب چیزوں کا یہ خاصہ ہے کہ اپنے ظہور سے قبل پوری طرح سمجھ میں نہیں آتیں۔ ریل، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ تمام مادی ایجادیں ایسی ہیں، جو پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ جب ظہور میں آلیں، جب ہی سمجھ میں آئیں ----- جس قسم کے جانور کا یہاں ذکر ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا، اور خود الفاظ قرآنی بھی یہی معنی چاہ رہے ہیں۔ یہ آخر ترین علامت اگر عجیب ترین بھی ہو، تو اس میں عجب کیا ہے، حدیث میں اس عجیب ترین حیوان کا نام جساسہ آیا ہے۔

کافر اس وقت بالاضطرار اس خارق عظیم کی تصدیق کریں گے، لیکن اضطراری تصدیق ظاہر ہے کہ مقبول نہ ہوگی۔

القول۔ القول کی تفسیر یہاں عذاب وقیامت موعود سے آئی ہے۔ اقوال نقل متعدد ہوئے ہیں، لیکن ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔

وهو ما وعدوا به من قيام الساعة ووقوعه حصوله (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۸۷)

وهو ما وعدوا به من البعث والعذاب (بیضاوی، ج ٤/ص: ۱۲۱)

جميع الأقوال عند التأمل ترجع إلى معنى واحد (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۲۳۵)

من الأرض۔ آیت میں من الأرض کا لفظ بہت قابل غور ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس حیوان کی پیدائش عام حیوانات کی طرح بطریق توالد وتناسل نہ ہوگی، بلکہ یہ ازخود پیدا ہو جائے گا۔

وفي تقييد اخراجها بقوله سبحانه من الأرض نوع إشارة علىٰ ماقيل: إلى أن خلقها ليس بطريق التوالد بل هو بطريق التولد (روح، ج ۲۰/ص: ۲٤)

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ

اور جس دن ہم ہرامت سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، سو وہ صف بستہ کھڑے

يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا

کردیے جائیں گے۹۱ یہاں تک کہ جب (سب) حاضر ہو جائیں گے تو (اللہ ان سے) کہے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا درآں حالیکہ تم

دابۃ۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ دابۃ یہاں بطور اسم جنس کے آیا ہے، گویا یہ ایک جانور نہ ہوگا بلکہ ایسے بہت سے جانور ہوں گے۔ ہر ہر شہر سے ایک ایک جانور۔

روی أنه يخرج فی كل بلد دابة مماهو مبثوت نوعها فی الأرض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (بحر، ج۷/ص:۹۶)

حكى أبو حيان فی البحر والدميری فی حياة الحيوان رواية أنه يخرج فی كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فی الأرض فليست دابة واحدة، وعليه يراد بدابة الجنس الصادق بالمتعدد (روح، ج۲۰/ص:۲۲)

روی أنها تخرج فی كل بلد دابة مما هو مبثوت نوعها فی الأرض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (نهر، ج۷/ص:۹٤)

دابۃ کے بارے میں روایتیں نقل بہت سی ہوئی ہیں، لیکن بقول امام رازیؒ کتاب الٰہی اس باب میں ہرصراحت سے خاموش ہے۔ اب اگر کوئی بات قول رسولؐ سے ثابت ہو جائے، وہ تو خیر مان لی جائے گی، باقی اور کوئی شے قابل التفات نہیں۔

اعلم أنه لا دلالة فی الكتاب علی شیء من هذه الأمور، فإن صح الخبر فيه عن الرسول صلی اللّٰه عليه وسلم قبل وإلا لم يلتفت إليه. (كبير، ج۲٤/ص:۱۸۷)

۹۱ یوزعون کا مفہوم یہ ہے کہ اگلوں کو چلنے میں پچھلوں کے آملنے کے واسطے روکا جائے گا۔ یہ کنایہ کثرت انبوہ سے ہے کہ کثرت انبوہ کے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

من کل أمة میں من تبعیض کا ہے۔ (روح، ج۲۰/ص:۲۶)

أَمَّا ذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٨٤ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ

انھیں اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لاتے تھے، بلکہ اور بھی کیا کیا کرتے رہے تھے۔۹۲ اور (اب) ان پر وعدہ پورا ہوگا بسبب اس کے کہ انھوں نے (بڑی) زیادتیاں کی تھیں

لَا يَنطِقُونَ ۝٨٥ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ

سو وہ لوگ بات بھی نہ کرسکیں گے۹۳ کیا انھوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تا کہ اس میں لوگ آرام کریں اور دن بنایا جس میں دیکھیں

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

بھالیں۔ بے شک اس میں (بڑی) دلیلیں ہیں۹۴

ممن یکذب میں من تبیین کا ہے۔ (روح، ج ۲۰/ص: ۲۶)

۹۲ مثلاً یہی کہ انبیاء و اہلِ ایمان کو ناحق ستایا، جو نفس تکذیب سے بھی بڑھا ہوا جرم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے جمع ہونے پر ان پر فردِ جرم لگ جائے گی، الزام یہ قائم ہوگا کہ تم نے سنتے ہی بلا تدبر و تفکر تکذیب شروع کردی، اور تکذیب ہی پر اکتفا نہ کی، بلکہ اور بھی بہت کچھ کر گزرے۔

اَمَّا میں ام منقطعہ ہے، یعنی بل کے معنی میں۔

وأم هنا منقطعة، ينبغي أن تقدر ببل (بحر، ج ۷/ص: ۹۸)

۹۳ یعنی ثبوتِ جرم اتنا قوی، قطعی اور بیّن ہوگا کہ جواب دہی کرنا چاہیں گے تو کچھ بھی نہ بن پڑے گی۔

اللہ وہ وقت نہ اس نامہ سیاہ خادم قرآن پر ڈالے، نہ کسی اقرار شہادتین کرنے والے پر!

بما ظلموا سے مراد کفر و شرک کی حرکتیں ہیں، یا جامع لفظ میں یوں کہیے کہ تکذیب آیات الٰہی۔

وهو التكذيب بآيات الله (بيضاوي، ج ٤/ص: ١٢٢)

۹۴ (امکان بعث و قیامت پر)

اَنَّا .... فیه۔ سکون اعصاب و راحت کے لیے شب کی تاریکی، اور کام کاج کے لیے دن کی روشنی، دونوں حکمت ہی کے یکساں تقاضے ہیں ---- جعلنا سے رات اور دن دونوں کی تخلیق کا انتساب اپنی جانب کرکے بتادیا کہ یہ پُرحکمت نظم اوقات خود بہ خود وجود میں نہیں آ گیا، ہمارا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے ۵۰؎ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے دے رکھے تھے۔

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ

اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی لگا رکھی تھی ۵۱؎ دونوں

اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾

باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے۔ اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی، اور ہم نے ان دونوں کے درمیان

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ

ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس (اور بھی) تمول تھا ۵۲؎

بماء کالمهل یشوی الوجوه۔ کالمہل میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور یشوی الوجوہ میں اس کے مزے کی تیزی اور گرمی کا بیان آگیا۔

۴۸؎ ہر انذاری اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولات قرآنی میں سے ہے۔ امنوا اور عملوا الصّٰلحٰت کے درمیان واؤ عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔

یدل علی ان العمل الصالح مغایر للایمان لأن العطف یوجب المغایرة۔ (کبیر)

إنا... عملا۔ مسلک اہل سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔

عند اصحابنا ذلك الاستيجاب حصل بحكم الوعد (کبیر)

۴۹؎ اہل دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں اہل جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے۔ اساور من ذهب۔ جنت میں چو دار العمل نہیں تمام تر دار الجزاء ہے، یہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی۔ بالکل اس کا شمار اسباب زینت میں سے ہونے لگے گا۔ اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوں گے، جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسباب زینت میں ہے، جہاں جہاں یہ عرفاً رائج ہیں۔

ثیابا خضرا۔ یہ رنگ لباس کی بہتری یہاں صرف بطور مثال بیان فرمائی گئی ہے حصر مقصود نہیں چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورت میں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے پالیں گے۔

والظاهر ان لباسهم غير منحصر في ما ذكر اذ لهم فيها ما تشتهي الأنفس وتلذ الأعين۔ (روح)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کے لیے خیال کر رہا ہے کہ وہ جنبش نہ کریں گے ۹۷ درآں حالیکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے پھریں گے ۹۸

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

(یہ) کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔ ۹۹

۹۷ (اور بے شک ظاہری نظر میں وہ ہیں بھی ایسے ہی بھاری بھرکم) پہاڑوں کے جمود اور بھاری بھرکم پن کا تعلق دیکھنے والے کے خیال و پندار سے ہے نہ کہ نفس واقعہ سے۔

۹۸ یعنی نفخ صور جس طرح جانداروں پر اس قدر مؤثر ہوگا، بے جان چیزوں کو بھی متاثر اور درہم برہم کیے بغیر نہ رہے گا، ان کے اجزا تحلیل ہو جائیں گے، اور ان میں تخلخل واقع ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ اڑے اڑے پھرنے لگیں گے۔ یہ تفسیر قول جمہور کے مطابق تھی، لیکن اس زمانے کے بعض اہل علم نے آیت کے اندر مضارع کے صیغوں کے معنی مستقبل کے نہیں، بلکہ حال کے لیے ہیں، تو اس صورت میں آیت کا تعلق روز حشر سے نہ رہے گا، بلکہ زمانۂ حاضر سے ہو جائے گا، یعنی یہ بھاری بھرکم بوجھل پہاڑ، جو بظاہر ناقابل جنبش معلوم ہوتے ہیں، بادلوں کی سی تیزی کے ساتھ ہر وقت گشت کرتے رہتے ہیں، اور آیت سے استدلال اس پر کیا ہے کہ قرآن مسئلہ حرکت ارض کو تسلیم کر رہا ہے، یہ استدلال گو ضعیف ہے، تاہم یکسر ناقابل توجہ بھی نہیں۔

۹۹ ہر شے کی مضبوطی اس کے مناسب حال ہی ہونا چاہئے۔ جس وقت تک ان پہاڑوں کا قیام و بقا منظور ہے اپنی جگہ کیسے جمے ہوئے رہتے ہیں، اور جب حکمت کاملہ کو ان کا انہدام ہی منظور ہو جاتا ہے، تو اب کاریگری کا عین تقاضا یہی ہے کہ ان کے اجزا میں انتہائی نرمی اور ڈھیلا پن پیدا ہو جائے۔

أتقن أي أحكم خلقه وسواه على ماينبغي (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٢٢)

صنع اللّٰہ میں صنع مصدر موکدہ ہے، جیسے وعد اللّٰہ اور صبغۃ اللّٰہ میں۔ ان موکدہ محذوف ہے۔ (کشاف ۳/۳۷۴)

إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ج

بے شک اسے تمہارے افعال کی پوری طرح خبر ہے۔۱۰۰ جو کوئی نیکی (یعنی ایمان) لے کرآئے گا اس کو اس سے بھلائی (ہی) ملے گی۔۱۰۱

اگر تمر مر السحاب میں مفہوم بجائے مستقبل کے حال کا سمجھا جائے، تو یہاں مراد یہ ہوگی کہ پہاڑوں کی ساخت کی اس حکمت وصنعت کو دیکھو کہ انھیں باوجود اس قدر ثقیل ہونے کے کس تیزی سے چلایا جا تا رہتا ہے۔

۱۰۰ (اور مجازاۃ ومکافاۃ کی شرط اول یہی علم محیط وکامل ہے)
مشاہدات کائنات جو کچھ بھی ہوں، قرآن مجید ہر صورت میں نتیجہ وہی صفاتِ الٰہیہ کی کاملیت کا نکالتا ہے۔

۱۰۱ کلمۂ خیر یہاں تفضیل کے لیے نہیں، بلکہ مطلق بھلائی کے معنی میں ہے، اور منہا کی تفسیر جہتہا سے ہوگی۔

أی بسببها وليس للتفضيل (جلالین، ص:۵۰۵)

ليس خير للتفضيل (قرطبی، ج۱۳/ص:۲۴۴)

أی خير حاصل من جهتها (کبیر، ج۲۴/ص:۱۹۰)

الحسنة کی تفسیر اہل سنت کے ہاں، الحسنة الكاملة یعنی ایمان یا کلمۂ توحید ہے، اور اگلی آیت میں السيئة کی تفسیر شرک ہے۔ ابن مسعود صحابیؓ اور ابن عباس صحابیؓ اور بکثرت تابعین سے یہی منقول ہے۔

والمراد بالحسنة على ماروى عن ابن عباس وابن مسعود ومجاهد والحسن والنخعی وأبی صالح وسعيد بن جبير وعطاء وقتادة شهادة أن لا اله إلا الله (روح، ج۲۰/ص:۳۶)

بلکہ بعض صحابیوں سے تو اس معنی کی سند خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔

عن أبی هريرة...... وعن كعب بن عجرة أن النبی صلى الله عليه وسلم فسرها بذلك. (روح، ج۲۰/ص:۳۷)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

اور وہ لوگ اس روز کی (بڑی) گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔۱۰۲ اور جو شخص بدی (یعنی کفر) لے کر آئے گا

فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾

تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔ تم کو سزا اسی کرتوت کی مل رہی ہے جو (دنیا میں) تمہارے تھے۔۱۰۲ (الف)

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍؗ

(آپ کہہ دیجئے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اسے محترم بنایا ہے اور سب چیزیں

وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

اسی کی ملک ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرماں بردار رہوں ۱۰۳ اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔

اور اقرار توحید سے مراد اقرار مقبول ہے۔

والمراد بهذه الشهادة التوحيد المقبول (روح، ج ۲۰/ص: ۳۷)

اور فرقۂ مرجئہ نے اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ حسنۂ کاملہ یعنی ایمان کے بعد کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی، اور دوزخ کی طرف نہیں لے جاتی۔

۱۰۲ یہ فزع صور کے نفخۂ ثانی کے بعد ہوگا۔ فزع اول مراد نہیں، وہ فزع طبعی ہوگا، اور اس دوسرے فزع کا تعلق ایمان سے ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت لا یحزنھم الفزع الاکبر میں بھی ذکر اسی دوسرے فزع کا ہے —— اہل ایمان کو کتنی بڑی بشارت اس روز شدید میں امن و محفوظیت کی مل گئی۔ اللہ اکبر!

۱۰۲ (الف) یہ ان سے جہنم میں پڑتے وقت کہا جائے گا۔ صیغۂ التفات، یعنی غائب سے حاضر کی جانب انتقال، اظہار ناخوشی کے لیے ہے۔

ھل استفہامیہ نہیں، نافیہ ہے ما کے معنی میں۔

أي ما (جلالين، ص: ۵۰۵)

۱۰۳ (جیسا کہ اب تک بھی رہا ہوں عقائد و اعمال دونوں میں)

عبادت و تعمیل احکام سے جب سرور انبیاء مستثنیٰ نہیں تو ظاہر ہے کسی ولی، کسی بزرگ کا کیا ذکر ہے۔

يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ

باغ سے بہتر دے دے۔ ۶۰ھ اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتار دے۔

فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

جس سے صبح (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ ۶۱ھ

ھو اللہ ربی۔ ضمیر ھو سے اشارہ اللہ کی جانب ہے۔

بمعنی لکن الامر ھو اللہ ربی۔ (قرطبی من الکسائی) ھو ضمیر القصۃ والشان والامر۔ (قرطبی)

موحد کی تقریر کا پہلا حصہ نفس توحید پر تھا۔ اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے ــــ اسباب ظاہری و مادی میں بجائے خود ذرا بھی قوت نہیں۔ ان سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے محض فاعل حقیقی کی قوت و اثر ہے۔

ولو.... شاء اللہ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا۔ اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائے گا۔ اسباب طبعی سارے کے سارے اس کی مشیت کے ماتحت ہیں نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی۔

لا قوۃ الا باللہ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی بخشی ہوئی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کے زور و قوت سے۔

ای ھذا بقوۃ اللہ لا بقوتی۔ (ابن عباسؓ)

متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا۔

واحتج اصحابنا بھذا علی ان کل ما اراد اللہ وقع وکل ما لم یردہ لم یقع۔ (کبیر)

۶۰ھ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں)

خیرًا خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش و راحت آ گیا۔

ان.... ولدًا۔ یہ فقرہ ملحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی۔ انا اکثر منک مالا واعز نفرًا۔

۶۱ھ یعنی بالکل اجڑ جائے۔

علیھا۔ یعنی تیرے اسی باغ پر۔

ای علی جنتک۔ (قرطبی)

حسبانًا۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو، مصیبت تقدیری۔

بمعنی الحساب ای مقدرًا قدرہ اللہ (کشاف۔ کبیر)

ای عذابًا کما اخرجہ ابن جریر عن ابن عباس (روح)

فَتَعۡرِفُوۡنَهَاؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۳

سو تم انھیں پہچانو گے ۱۰۶ اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم (سب) کررہے ہو۔ ۱۰۷

۱۰۶ (اور اب انکار کررہے ہو؟)

آیتہ سے مراد واقعات واہوال قیامت ہیں، اور بعض نے مستقبل قریب کے واقعات مثلاً فتح بدر وغیرہ مراد لیے ہیں۔

آیة القاهرة فی الدنیا.......... أوفی الآخرة (بیضاوی، ج٤/ص:١٢٣)

قال الحسن وذلك فی الآخرة، وقال الکلبی فی الدنیا. (بحر، ج٧/ص:١٠٣)

مقصود بہرصورت یہ ہے کہ جب عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرلوگے، جب تو میری بات کا یقین کروگے اور جب میری نصیحتوں کی قدر ہوگی۔

سیریکم ربکم آیات عذابه وسخطه، فتعرفون بها حقیقة نصحی کان لکم، ویتبین صدق مادعوتکم إلیه من الرشاد. (ابن جریر، ج١٩/ص:٥١٢)

۱۰۷ (سو سب کو جزا و سزا بھی اسی کے مطابق ملے گی)

عاصیوں، نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن اربابِ باطن نے اس میں اہل ذوق کے لیے بھی بڑی بشارت سمجھی ہے کہ اہل سوز کی آہ وزاری محبوب حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں، بلکہ ان کی ساری بے قراری اس پر آئینہ ہے۔

(٢٨)

آیاتہا ٨٨
٨٨ آیتیں

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ قصص مکی

رکوعاتہا ٩
٩ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ⓵ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ⓶ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ

طا۔سین۔میم۔ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کو موسیٰ وفرعون کا کچھ قصہ

مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ⓷ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ

ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ ۱ بے شک فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا

۱ یعنی نفع اس سے وہی اٹھائیں گے، سبق اس سے وہی حاصل کریں گے جو صاحب ایمان ہیں خواہ حقیقۃً یا حکماً، یعنی ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں۔

من نبا۔ میں من تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔ جیسا کہ ظاہر ہے، قصہ پورا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ یہاں بیان ہو رہا ہے---اور نبا بھی محض خبر نہیں، بلکہ کوئی اہم وعظیم خبر ہے۔

المبین۔ الکتاب کی صفت ہے، قرآن مجید نے بار بار واضح ہے کہ اس مقدس کتاب کے اندر کسی قسم کی خفا نہیں، ہر بات کھلی ہوئی اور صاف صاف ہے۔ بعض نے ہیوں نے اپنی کتابوں کو ایک مجموعۂ اسرار وخفا بنایا ہے۔ قرآن مجید اپنے متعلق اس وصف سے بالکل تبری کرتا ہے۔

طسٓم۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ ط سے اشارہ ذی الطول کی جانب سمجھا گیا ہے اور س سے قدوس اور م سے رحمٰن کی جانب (روح، ج ١٩/ص:٥٨) واللہ اعلم

موسیٰ، فرعون۔ ان پر حاشیے بار بار گزر چکے ہیں۔

وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ

اور اس نے وہاں کے باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا، اُن میں سے ایک کا زور گھٹا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کراتا تھا

وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى

اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ (بڑے) مفسدوں میں سے تھا۔ ۲ اور ہم کو یہ منظور ہوا کہ جن لوگوں کا

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

زور ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انھیں پیشوا بنائیں، اور انھیں (زمین کا) مالک بنائیں ۳

بالحق۔ یعنی بالکل صحیح و معتبر۔ توریت وغیرہ کے ذریعے سے تو ناقص و محرف قصے پہلے سے موجود تھے۔

۲ (نظم عالم میں خلل ڈالنے والا)

فی الأرض۔ أرض کے معنی جس طرح کل روئے زمین کے ہیں، اسی طرح اس کے معنی ہر ملک کے بھی ہیں اور یہاں ملک سے مراد ملک مصر ہے۔ مصر پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

إنّ فرعون علا فی الأرض ...... إنّه کان من المفسدین۔ یہ فرعون کون سا تھا؟ کس زمانے میں تھا؟ اس کے ظلم، تشدد و تمرد کی کیا نوعیت تھی؟ اس قسم کے سارے سوالات کے جوابات اوپر تفسیری حاشیوں میں گزر چکے۔

طائفة منهم۔ یعنی قوم بنی اسرائیل۔ اسرائیلیوں کے قیام مصر اور ان پر شدت و ظلم کا بیان پچھلے تفسیری حاشیوں میں آچکا۔

۳ یعنی ہماری مشیت کو منظور یہ ہوا کہ ہم اس مظلوم گروہ کو دنیوی و دینی دونوں حیثیتوں سے اونچا کر کے رہیں۔

نجعلهم أئمة۔ چنانچہ اس ارادۂ الٰہی کا ظہور دینی پیشوائی کی حد تک تو یوں ہوا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نبوت ملی، موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی، اور مسلسل و متعدد انبیاء اس قوم میں پیدا ہوتے رہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ

اورہم انھیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اوران کے تابعین کوان میں سے وہ کچھ دکھلائیں

مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

جن سے وہ ڈر رہے تھے۔ ؎

ونجعلهم أئمة- امام کے معنی یہاں ''والی'' کے بھی لیے گئے ہیں۔

عن قتادة ولاة (روح،ج ۲۰/ص:۴۴)

عن قتادة ولاة وملوكاً(قرطبی،ج ۱۳/ص:۲۴۹)

اسی صورت میں ترجمہ ''خودمختار'' سے ہوگا۔

بہرصورت یہ مرادنہیں کہ یہ مرتبہ فرداًفرداًہرایک کوملے گا۔

ففيه نسبة ماللبعض إلى الكل (روح،ج ۲۰/ص:۴۴)

نجعلهم الوارثين ۔دنیوی اعتبار سے اس ارادۂ الٰہی کاظہوریوں ہواکہ اسرائیلیوں کوفرعون کے پنجۂ ستم سے آزادی نصیب ہوئی، اور آگے چل کرشام وفلسطین کی بادشاہت بھی مل گئی، بلکہ حضرت داؤدوحضرت سلیمان علیہما السلام کے عہد میں توان حدود سے بھی آگے بڑھ کر۔

ونريد...... الأرض ۔بعض عارفوں نے یہاں سے نکتہ یہ نکالا ہے کہ کمزوروم ظلوم ہوناخود موجب التفات ونصرتِ الٰہی ہے۔

ونريد أن نمن على الذين استضعفوا في الأرض ۔آیت سے استنباط ہوسکتاہے کہ عادتِ الٰہی یہ ہے کہ جوقومیں دنیامیں مظلوم ہوتی ہیں اورکوئی ظالم وحاکم گروہ انھیں اپنے ظلم وستم کاتختۂ مشق بنالیتاہے، اللہ خودان کی نصرت وتائید پرکھڑا ہوجاتاہے اوران نیچی اور پست قوموں کواونچا کردیتاہے--- ہاں یہ ضرور ہے کہ مظلوم قوم خوداپنامعاملہ اللہ سے سیدھارکھےاوریہ نہ ہونے پائے کہ مزیدبدپرہیزیوں سے اپنے مرض کواوربڑھالے۔

؎ (اوراپنی قضاوقدرکے سامنے ان کی ایک تدبیربھی نہ چلنے دیں)

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ‌ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا ۵ کہ تم انھیں دودھ پلاؤ، پھر جب تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو

ھامان ۔ ہامان کا نام یہاں پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ یہ کون شخص تھا؟ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ مصر میں اس نام کا کوئی شخص تھا ہی نہیں، البتہ ایران میں ایک شخص اس نام کا گزرا ہے، اور (نعوذ باللہ) قرآن نے دونوں میں خلط کر دیا۔ لیکن ہامان کو شخصی نام فرض ہی کیوں کیا جائے؟ جس طرح اس کا عطف ''فرعون'' کے ساتھ یہاں اور آگے چل کر بھی آیا ہے، اس سے تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ جس طرح فرعون شخصی نام نہیں، بلکہ شاہی لقب تھا، اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہر حال ثابت ہے کہ مصر کے ایک بہت بڑے دیوتا کا نام انگریزی تلفظ میں آمن (Amon) تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ عجب کیا کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب، عربی تلفظ میں آکر ہامان بن گیا ہو۔ ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

جنودھما ۔ فرعون کا لشکر کافی تھا، ہامان کے لشکر کی صراحت کی ضرورت غالباً اس لیے تھی کہ ہامان کوئی عہدہ تھا مذہبی اور سرکاری مرتبہ کا۔

ما کانوا یحذرون ۔ یعنی زوال سلطنت و ہلاکت۔ اسی کا انھیں اندیشہ تھا اور یہی واقع ہو کر رہا۔

فی الأرض ۔ یہ لازمی نہیں کہ اسرائیلیوں کو یہ تمکین و تمکن اسی ملک مصر ہی میں حاصل ہوا ہو۔ روئے زمین کے کسی حصے میں بھی ہو جانا، وعدۂ الٰہی کے تحقق کے لیے کافی تھا۔

۵ بنی اسرائیل کی اولاد ذکور تو چن چن کر قتل کی ہی جا رہی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو بھی قدرۃً یہ فکر پیدا ہوئی، کہ اب ان کی بھی تلاش ہوگی، اس وقت ان کے دل میں یہ بات غیب سے ڈال دی گئی۔

أوحینا ۔ وحی یہاں الہام یا القاء کے معنی میں ہے۔

أی ألقینا فی قلبها (ابن قتیبة، غریب القرآن، ص: ۲۸۰)

الوحی کل ما دللت علیه من کلام أو کتاب أو إشارة أو رسالة. (ابن قتیبة، غریب القرآن، ص: ۴۸۹)

فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ

تو تم انھیں دریا میں ڈال دو اور نہ اندیشہ کرو اور نہ غم کرو، ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے

وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ

اور انھیں پیمبر بنا دیں گے ۶ چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لیے

یہ "وحی" اُس اصطلاحی معنی میں نہیں، جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس وحی کا ذکر سورۂ طٰہٰ آیت: ۳۸ میں گزر چکا ہے اور نفس وحی پر حاشیہ سورۂ مائدہ آیت: ۱۱۱، و اذ أوحیت إلی الحواریین کے تحت میں گزر چکا۔

بہر حال نہ یہ وحی وحی رسالت تھی، اور نہ والدۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی یا رسول تھیں۔

ولیس ھذا وحی رسالة ولا تکون ھی رسولا. (مدارك، ص: ۸٦۱)

توریت میں ہے:

"وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی، اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کر تین مہینے تک چھپا رکھا، اور جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرہ بنایا، اور اس پر لاسا اور رال لگایا، اور لڑکے کو اس میں رکھا، اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا" (خروج-۲:۱-۳)

اُمّ موسیٰ. یہ والدۂ موسیٰ تھیں کون؟ توریت میں ان کا نام یوکبد آتا ہے۔

'عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا۔ اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے"۔ (خروج-٦:۲۰)

"عمرام کی بیوی کا نام یوکبد تھا، جو لاوی کی بیٹی تھی اور مصر میں پیدا ہوئی تھی"۔ (گنتی-۲٦:۵۹)

یہودی روایتوں میں آپ کا دوسرا نام بھی آیا ہے۔ اور یہ کہ آپ پیشہ قابلہ یا دائی جنائی کا کرتی تھیں۔ یہ بھی یہود ہی کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر ۷۰ سال کی تھی۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۷، ص ۲۰۳)

۶ یعنی سردست تو یہ کرو کہ ان کی رضاعت بدستور کرتی رہو۔ پھر جب دیکھو کہ راز

عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِـئِيۡنَ ۞ وَقَالَتِ

دشمن اور غم (کا باعث) بنیں ۷ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (بڑے) مجرم تھے۔ ۸ اور فرعون کی بیوی بولیں

افشا ہوا جاتا ہے، تو ایک صندوق میں انھیں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دو۔ نہ ان کے ڈوب جانے کا اندیشہ کرو، نہ ان کی مفارقت کا غم کرو۔ ہم ایسا انتظام کیے دیتے ہیں کہ عنقریب ہی یہ پھر تمہارے پاس پہنچ جائیں، اور پھر ایک خاص وقت پر انھیں پیمبری عنایت کر دیں گے۔

اُمّ موسیٰ۔ لفظ موسی کے لیے عام خیال یہ ہے کہ یہ اسرائیلی یا عبرانی زبان کا لفظ ہوگا، گو فرنگی فاضلوں کا خیال غالب یہ ہے کہ یہ کوئی لفظ مصری زبان کا تھا۔

لاتخافی ولاتحزنی ۔ جس خوف وحزن سے یہاں ممانعت ہے، وہ عقلی واختیاری تھا، اس خوف وحزن کے علاوہ جو طبعی اور غیر اختیاری ہوتا ہے۔

فی الیم ۔یم سے مراد مصر کا مشہور اور لمبا چوڑا دریائے نیل ہے، جو اسرائیلیوں کے محلے سے ہوتا ہوا عین شاہی محل کے دامن سے گزرتا تھا۔

۷ حضرت موصوفہ نے ان ہدایتوں پر عمل کیا۔ دریائے نیل فرعون کے شاہی محل کے نیچے ہو کر بہتا تھا۔ صندوق بہتے بہتے وہاں پہنچا، فرعونیوں کی نظر پڑی، جھپٹ کر نکالا، اس کے اندر سے ایک پیارا بچہ نکلا، رائے اس کی پرورش کی ہوئی، اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت اور مصیبت کا سبب بن گئے۔

آل فرعون ۔ یعنی فرعون کے لوگ۔

لیکون میں ل عاقبت کا ہے، یعنی ان کے اس بچہ کو اٹھا لینے کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔

تعلیل لالتقاطهم إياه بما هو عاقبته (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٢٤)

* وهذه اللام تسمى لام العاقبة ولام الصيرورة لأنهم لم يلتقطوه ليكون لهم عدواً وحزناً ولكن صار عاقبة أمرهم إلى ذلك (معالم، ج ٣/ص: ٥٢٤)

أي ليصير الأمر إلى ذلك لا أنهم أخذوه لهذا ...... كذا قاله الزجاج، وعن هذا قال المفسرون إن هذه لام العاقبة والصيرورة. (مدارك، ص: ٨٦١)

۸ (اور ایسے ظالموں فاجروں کو سزا ملنی بھی تھی)

امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ

کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اسے قتل مت کرنا۔ عجب کیا کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى

یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں اور انھیں کچھ خبر نہ تھی (انجام کی)۹ اور والدۂ موسیٰ کا دل بے قرار ہوا (ایسا کہ) قریب تھا

جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔

وأما جمهور المفسرين فقالوا معناه كانو خطئين فيما كانوا عليه من الكفر والظلم (كبير، ج ٢٤/ص:١٩٦)

أى عاصين مشركين آثمين (قرطبى، ج١٣/ص:٢٥٣)

جنودهما۔ حاشیہ نمبر۴ ملاحظہ ہو۔

کانوا خطئین۔ سے دوسری مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اپنے اس فعل میں بڑے خطا کار، بڑے لغزش کرنے والے، بڑے چوکنے والے ثابت ہوئے۔ حسن بصری سے یہی معنی مروی ہیں۔

قال الحسن معنى كانوا خطئين ليس من الخطيئة بل المعنى وهم لايشعرون أنه الذى يذهب بملكهم (كبير، ج ٢٤/ص:١٩٦)

یہ پہلو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے کہ خطا شعاری تو ان میں رچی ہوئی تھی ہی، سو اگر اس معاملے میں بھی غلطی کر بیٹھے، تو ان کے لیے کوئی انوکھی چیز نہ ہوئی۔

أى (كانوا خطئين) فى كل شيئ فليس خطؤهم فى تربية عدوهم ببدع منهم. (مدارك، ص:٨٦٢)

۹ (کہ اس بچہ کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی)

أى لايشعرون أن هلاكهم بسببه وعلى يده وهذا قول مجاهد وقتادة والضحاك ومقاتل (كبير، ج ٢٤/ص:١٩٦)

امرأة فرعون۔ سے مراد حضرت آسیہ ہیں۔ توریت موجودہ میں انھیں فرعون کی لڑکی بتایا گیا ہے، قرآن نے اس پرانی تاریخی غلطی کی اصلاح کر کے بتایا کہ وہ خاتون بیٹی نہیں بیوی تھیں۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا

اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی

عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ

ع ۷ ۱۹

راہ بچنے کی نہ پائیں گے ۸۱ھ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعَ

سے بیان کئے ہیں۔ اور انسان جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ ۸۲ھ اور لوگوں کو

النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں رہا

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵

تھا، بجز اس کے کہ (انکو اس کا انتظار ہو کہ) انھیں بھی اگلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب درعذاب ان پر نازل ہو ۸۳ھ

بینھم۔ یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود شیطانوں کے درمیان۔

۸۱ھ اور اس وقت کی شدت یاس! معاذ اللہ!

فظنوا۔ ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔

(ای ایقنوا (بیضاوی)

قال ابن عطیۃ اطلق الناس ان الظن ھنا بمعنی التیقن (بحر)

۸۲ھ یعنی ہر ایسی مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔

یعنی ان جدل الانسان اکثر من جدل کل شیٔ۔ (بحر)

وکان الانسان۔ کان یہاں ماضی کے لئے نہیں بلکہ مداومت کے معنی میں ہے یعنی انسان کی جبلت ہی ایسی رکھی گئی ہے۔

الانسان۔ یعنی سرکش و نافرمان انسان۔

محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔

وکثیرا ما یذکر الانسان فی معرض الذم۔ (بحر)

۸۳ھ مطلب یہ ہے کہ جب صاف صاف ہدایت آچکی اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے، تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے

فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ

کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم ان کے دل کو اسی لیے مضبوط نہ کیے رہتے کہ وہ یقین کیے

الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۰ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

رہیں۔ ۱۰ اورانھوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ موسیٰ کا سراغ تو لگانا، سوانھوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا

وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۱۱

اور وہ لوگ (یعنی فرعون والے) بے خبر تھے ۱۱

۱۰ یعنی اِدھر انھوں نے اپنے نورِ نظر کو سپرد دریا کیا، اور اُدھر ان کے قلب پر غم وصدمہ نے اتنا ہجوم کیا کہ قریب تھا کہ مضطر ہوکر وہ سب پر راز ظاہر کردیں، لیکن ہم نے ان کے دل کو مضبوط رکھا، تاکہ وہ ہمارے وعدے پر یقین کیے بیٹھی رہیں---- گویا طبعی تقاضا تو شدت غم وحزن میں اس راز کے افشاء ہی کا تھا، لیکن تائید ایزدی ان کے شامل حال رہی، اور انھوں نے طبیعت کے مقتضا پر عمل نہیں کیا۔

عارفین نے لکھا ہے کہ کاملین بھی امورِ طبعیہ کے اثرات سے بالکل محفوظ نہیں ہوجاتے، چنانچہ حضرت موصوفہ کو باوجود وعدۂ الٰہی کے تردد قلبی شدت کے ساتھ محسوس ہوا، لیکن آپ نے بفضلِ الٰہی اس کے مقتضا پر عمل نہ کیا، اور یہ شیوہ کاملین کا ہوتا ہے۔

لولا أن ربطنا سے مرشد تھانویؒ نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ تکمیلِ اخلاق میں قوتِ بشری تنہا کافی نہیں، تائید الٰہی کا شامل ہونا ضروری ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۱۱)

۱۱ (اس امر سے کہ وہ ان کی بہن ہیں اور اسی سراغ رسی میں آئی ہیں)

وقالت لأخته قصیه سے مرشد تھانویؒ نے یہ افادہ کیا ہے کہ درجۂ اعتدال میں تدبیر اختیار کرنا مرتبۂ توکل کے منافی نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۱۱)

توریت میں ان کا نام مریم آیا ہے، یہ بھی لکھا کہ وہ ''نبیہ'' تھیں (خروج-۱۵: ۲۰) اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی ہے۔ اسرائیلی اصطلاح دوسری تھی، وہاں ''نبیہ'' کے معنی صرف پیشین گوئی کرنے والی یا تقریباً کاہنہ کے ہیں۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ

اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی ۱۲ سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو ایسے

عَلٰٓى أَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنٰهُ إِلٰٓى

گھرانے کا پتا بتاؤں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور ساتھ ہی اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ ۱۳ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ

أُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

کے پاس پہنچا دیا، تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں ۱۴ کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے

توریت میں یہ بھی ہے:-

''اور اس کی بہن دور سے کھڑی دیکھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے'' (خروج-۲:۴)

۱۲ (چنانچہ آپ کسی کا دودھ نہ لیتے تھے)

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۳ شاہی محل والے پریشان تو ہو ہی رہے تھے کہ بچہ کسی دایہ کی رضاعت قبول ہی نہیں کر رہا ہے، خواہر موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی اور انجان بن کر ان سے کہا کہ میں ایسے گھرانے کا پتا بتا سکتی ہوں، جو بچہ کی پرورش کا کام کر ہی نہ دیں بلکہ پوری دل سوزی سے اسے انجام دیں۔ وہ لوگ تو دل سے یہی چاہتے تھے، فوراً راضی ہو گئے۔ والدۂ موسیٰ علیہ السلام ایک اجنبی دایہ کی حیثیت سے بلائی گئیں اور انھوں نے رضاعت شروع کی۔

روایات یہود کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

۱۴ (مشاہدہ و معائنہ کے مرتبہ میں)

رددنہ ۔ یعنی ماں کی گود میں واپس پہنچا دیا، اپنے وعدے کے مطابق۔

تقر عینھا۔ یعنی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اپنی اولاد کو دیکھ کر۔

اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ والدۂ موسیٰ علیہ السلام نے اس ارضاع کی اجرت بھی لی تھی، تو اپنے کو اجنبی اور انجان ظاہر کرنے کے بعد یہی بالکل قرین قیاس بھی ہے۔

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⓭ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ

البتہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے ۱۵ پھر جب وہ اپنی پختگی کو پہنچ گئے اور درست ہو گئے، ہم نے انھیں حکمت اور علم عطا کیا ۱۶

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ⓮ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ

اور ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ۱۷ اور وہ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے

۱۵ تعریض ہے کافروں پر کہ ان بدبختوں کو وعدۂ الٰہی پر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ ذرا سی دیر لگی، یا درمیان میں کوئی پیچ پڑا، اور یہ بدعقیدہ ہو گئے۔۔۔ روح المعانی میں اس موقع پر بجائے ہم کے الناس چھپ گیا ہے، متن قرآن میں بھی عبارت تفسیر میں بھی۔ (روح، ج ۲۰/ص:۵۱)

ضمیر ھم سے مراد الناس ہو سکتی ہے، اور الناس اس سیاق میں کافروں کے لیے ہے۔

۱۶ یعنی فہم سلیم و عقل مستقیم بطور مقدمۂ نبوت کے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی تک نبی نہ تھے، لیکن آثار نبوت سب پیدا ہو چکے تھے۔

أی آتیناہ الحکمة و العلم (کبیر، ج ۲٤/ص:۱۹۹)

دنیوی علوم و فنون بھی جو سرداری اور ملک رانی کے کام آتے ہیں، اس کے ماتحت آسکتے ہیں۔ چنانچہ انجیلی روایات میں آتا ہے:۔

"اور موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی، اور وہ کلام اور کام میں قوت والا تھا" (اعمال، ۷:۲۲)

اور یہ بات لگتی ہوئی بھی ہے، سب تعلیم و تربیت قصر شاہی میں ہوئی تھی، تو رائج الوقت سارے علوم و صنائع بھی سیکھ لیے ہوں گے۔

اسی "اعمال"، باب ۷ میں ہی ہے کہ موسیٰ نہایت خوبصورت تھا۔

استویٰ یعنی قوائے جسمانی و عقلی پورے بلوغ کو پہنچ گئے۔

أی استحکم و انتھی شبابه و استقر (ابن قتیبة، غریب القرآن، ص:۲۸)

الأشد عبارۃ عن کمال القوۃ الجسمانیة البدنیة، و الاستواء عبارۃ عن کمال القوۃ العقلیة (کبیر، ج ۲٤/ص:۱۹۹)

۱۷ یعنی اُن کے عمل صالح سے اُن کے فیضانِ علمی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔

غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ

بے خبر تھے، تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک تو ان کی برادری کا تھا

وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ

اور ایک ان کے مخالفین میں تھا ۱۸؎ سو وہ جوان کی برادری کا تھا اس نے ان سے دادخواہی کی اس کے مقابلے میں جوان کے

مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ

مخالفین میں تھا، سو موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا، پس اس کا کام تمام کر دیا۔ ۱۹؎ (موسیٰ) بولے یہ تو شیطانی حرکت

نحوی سے اس تفسیر کی مزید تائید ہوگئی کہ حکم سے مراد یہاں نبوت نہیں، کیوں کہ نبوت جزائے اعمال و احسان نہیں، محض خدائے رحمٰن کا فضل خاصہ ہے۔ (کبیر، ج ۲۴/ص: ۱۹۹)

۱۸؎ یعنی ایک اسرائیلی (سبطی) تھا، اور ایک مصری (قبطی)۔

المدینة۔ شہر سے مراد مصر کا قدیم شہر ممفس ہے، توریت میں یہ نام صوف کر کے آتا ہے، اور ہمارے یہاں کی قدیم روایات میں منف کر کے، موجودہ دارالسلطنت شہر قاہرہ سے ۱۲ میل جنوب میں دریائے نیل کے مغربی ساحل پر واقع تھا، اور پرانے زمانے کا بڑا آباد شہر تھا۔ صدیوں یہ دارالسلطنت رہا، اور بڑی بڑی شاہی عمارتیں اس کے اندر بنتی رہیں، بعض تاریخی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عرض ۳ میل اور طول ۷ امیل کا تھا، ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

دخل المدینة۔ یعنی قصر شاہی سے نکل کر عام شہری آبادی میں آئے۔

حین غفلة من أهلها۔ یعنی سناٹے کا وقت تھا، جب لوگوں کی آمد و رفت بند تھی، جیسے منھ اندھیرے کا وقت، یا گرمیوں میں دوپہر کا وقت۔

۱۹؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پایا کہ مصری ظالم تھا اور اسرائیلی مظلوم۔ آپ نے گھونسا رفع ظلم کے لیے تادیباً مارا، اور یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے وہ مصری مر گیا۔۔۔ فرعون کی قاہرانہ و جابرانہ حکومت تو اسرائیلیوں پر قائم ہی تھی۔ زور و قہر کے قصے اسرائیلیوں پر روز ہی پیش آتے رہتے ہوں گے۔

الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ

ہو گئی۔ بے شک شیطان کھلا ہوا دشمن، بہکا دینے والا ہے۲۰ عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا ۲۱

بعض اسرائیلی روایتوں میں یہ آتا ہے کہ آپ اس وقت ۱۸ سال کے نوجوان تھے اور بعض میں ہے کہ ۲۰ سال کے تھے۔ (مختلف روایتیں جیوش انسائیکلو پیڈیا میں نقل ہیں)

توریت میں یہ حکایت یوں درج ہے:۔

''جب موسیٰ بڑا ہوا تو اپنے بھائیوں کے پاس باہر گیا، اور ان کی مشقتوں کو دیکھا، اور دیکھا کہ ایک مصری ایک عبرانی کو جو اس کے بھائیوں میں سے ایک تھا، مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نظر کی، اور دیکھا کہ کوئی نہیں، تب اس مصری کو مار ڈالا، اور ریت میں چھپا دیا'' (خروج ۲: ۱۱، ۱۲)

قرآن اور توریت کے بیان میں جو فرق عظیم ہے، ہر اہلِ نظر پر ظاہر ہے۔ اور یہ خود اسرائیل ہی کے سب سے بڑے نبی کے تذکرے میں!

یہ قتل نہ عمداً تھا نہ ظلماً، محض خطأً تھا، اور قتل خطا تو معصیت یوں بھی نہیں ہوتا۔ چہ جائے کہ جب مقصود اس سے اصلاح وخیر اور ایک مظلوم کی نصرت و رہائی ہو۔ یہ قتل ایسا ہی ہے جیسا ہماری شریعت میں کسی مجرم پر حد یا تعزیر جاری ہو اور وہ اتفاقاً اس میں مر جائے، تو نہ قاضی پر گناہ ہو گا نہ جلاد پر۔

۲۰ یعنی شیطان کا کام ہی انسان کو بہکانا، غلطیوں میں مبتلا کرنا ہے۔

عمل الشیطٰن۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آخر ہونے والے پیمبر تھے، کمالِ خشیت اسی سے ظاہر ہے کہ محض ایک اتفاقی حادثہ کو بھی اپنا شدید گناہ قرار دے رہے ہیں---- ظاہر یہ کہ یہ قتل نہ تو ارادی تھا، اور نہ کسی مومن کا تھا۔ اس پر بھی آپؑ نے اسے عمل الشیطان ہی قرار دیا۔

ھذا۔ یعنی یہ قتل جو بالکل بے ارادہ عمل میں آ گیا۔

إشارة إلى القتل الحاصل بغير قصد (مدارك، ص: ۸٦٤)

۲۱ (اور جو نتیجہ میں نہیں چاہتا تھا وہ نکل آیا)

ظلمت نفسی ۔ حضرت کا اپنی زبان سے یہ ادا کرنا ہر گز اثبات جرم کے مرادف نہیں، یہ تو کاملین کی عام عادت ہی ہوتی ہے کہ اپنی خفیف سی بے احتیاطی کو بھی خطا و لغزش کا ایک پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ

سو تو مجھے بخش دے، پس (اللہ نے) انھیں بخش دیا، بے شک وہ تو ہی ہے بڑا بخشنے والا بڑا رحمت کرنے والا (موسیٰ نے) عرض کی

بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصۡبَحَ

اے میرے پروردگار! تو نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعامات کیے ہیں، سو میں کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا ۲۲ پھر (موسیٰ کو) شہر میں

وإنما عده من عمل الشيطان وسماه ظلماً واستغفرمنه على عادتهم في استعظام محقرات فرطت منهم (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٢٥)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو محض رفعِ ظلم چاہا تھا، قتل بلا قصد واقع ہوگیا۔ آپ کو بعد تامل معلوم ہوا کہ رفع ظلم دوسرے طریق سے بھی ممکن تھا، جو غصہ کے وقت سمجھ میں نہیں آیا، پس اس لیے آپ نے استغفار فرمایا۔ اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ کاملین سے بھی بعض طبعیات مثلاً غضب کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے حسنات الابرار سیئات المقربین اور یہاں وہ حسنہ رفع ظلم تھا۔ تیسرے یہ کہ کاملین کو خشیت دوسروں سے کہیں زائد ہوتی ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۱۳)

۲۲ یہاں مجرمین سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیوں کہ گناہ کسی سے کرانا یہ بھی جرم ہے۔ پس اس میں شیطان بھی داخل ہوگیا کہ وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنے والا اس کی مدد کرتا ہے خواہ عمداً یا خطاً۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مغفرت و مغفوریت کا حال بطریق الہام معلوم ہوگیا تھا، جیسا کہ ہر ولی اللہ کو مکشوف ہوسکتا ہے۔

والمراد به من أوقع غيره في الجرم أومن أدّت معاونته إلى جرم (روح، ج ٢٠/ص: ٥٥)

ابرار و صالحین کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ اگر صورۃً بھی کوئی معصیت ان سے سرزد ہوجاتی ہے، تو آیندہ وہ مزید احتیاط کا عہد کر لیتے ہیں۔

فِی الۡمَدِیۡنَۃِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَہٗ بِالۡاَمۡسِ

صبح ہوئی خوف واندیشہ کی حالت میں کہ اتنے میں وہی جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی ۲۳ (آج پھر) انھیں

یَسۡتَصۡرِخُہٗ ؕ قَالَ لَہٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ

پکار رہا ہے۔ (موسیٰ نے) اس سے کہا تو بھی ایک ہی بدراہ ہے ۲۴ پھر جب (موسیٰ نے) اس پر ہاتھ بڑھایا

اِنّہ ھو الغفور الرحیم۔ دوسری آیاتِ رحمت ومغفرت کی طرح یہاں بھی قرآن مجید نے یہ یاد دلا دیا کہ یہ مغفرت ورحمت کسی ایک جزئی واقعہ میں اور بہ طور استثناء کے نہ تھی، بلکہ مغفرت ورحمت تو اللہ کا عام قانون ہی ہے جو عام مجرموں اور عاصیوں کے حق میں بھی برتا جاتا ہے۔ چہ جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو حقیقۃً مجرم وعاصی تھے بھی نہیں، اگر کچھ قصور وار تھے تو محض صورۃً، اور پھر طالبِ عفو بھی ہو رہے تھے۔

بما انعمت علیّ۔ اللہ کے انعامات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بے شمار تھے۔ ایک تازہ انعام یہ تھا کہ آپؑ کا یہ راز اب تک راز ہی بنا رہا تھا۔

۲۳ (اور اس وقت کسی اور سے الجھ رہا تھا)

یترقب۔ یعنی آپؑ کو برابر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں مصری پولیس گرفتار کرنے نہ آ رہی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تک نبی نہیں ہوئے تھے، لیکن اگر ہوتے بھی تو طبعی خوف واندیشہ کسی بھی مرتبۂ کمال کے منافی نہیں۔

خائفاً یترقب۔ فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ مطلقاً غیر اللہ کے خوف کو ناجائز بتاتے ہیں یہ آیت ان کے خیال کی بالکل تردید کر رہی ہے۔

فیہ دلیل علی انّہ لابأس بالخوف من دون اللّٰہ بخلاف مایقولہ بعض الناس انہ لایسوغ الخوف من دون اللّٰہ (مدارک، ص:۸۶٤)

۲۴ (کہ روز ہی لوگوں سے الجھتا، لڑتا رہتا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کل کی بات یاد آ گئی، اسی پر آپؑ کو ناخوشی پیدا ہوئی۔

اَنۡ يَّبۡطِشَ بِالَّذِىۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوۡسٰٓى اَتُرِيۡدُ اَنۡ

جو اُن دونوں کا مخالف تھا ۲۵ تو وہ (اسرائیلی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ! کیا اب مجھے ختم

تَقۡتُلَنِىۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ۖ اِنۡ تُرِيۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ

کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو ختم کرچکے ہو، بس تو دنیا میں اپنا زور

جَبَّارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا تُرِيۡدُ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾

دکھانا چاہتا ہے اور تو بھلا آدمی بن کر نہیں رہنا چاہتا۔ ۲۶

''ایک ہی بدراہ'' اور محاورے میں شریر بدراہ، پرلے سرے کے بدراہ کے معنی میں آتا ہے۔

توریت میں ہے:-

''اور جب وہ دوسرے دن باہر گیا، تو کیا دیکھتا ہے کہ دو عبرانی آپس میں جھگڑ رہے ہیں، تب اس نے اس کو جو ناحق پر تھا کہا کہ تو اپنے یار کو کیوں مارتا ہے؟'' (خروج ۲-۱۳:)

۲۵ (کہ اس کو ظلم وزیادتی سے روک دیں)

مراد فرعونی ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس اسرائیلی فریادی دونوں کا مخالف تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کا... ن جس طرح دشمن پر سیاست کرتے ہیں دوست پر بھی کرتے ہیں، جیسا جس کے حال کا مقتضا ہو۔ چنانچہ یہاں آپ نے قول سے سیاست سبطی کی فرمائی، اور ارادۂ بطش سے قبطی کی۔ غرض ان میں عدل کامل ہوتا ہے، عصبیت قومی نہیں ہوتی۔ (تھانوی، ج ۲/ ص:۲۱۴)

۲۶ وہ اسرائیلی جس پر ابھی ڈانٹ پڑ چکی تھی، قدرۃً یہ سمجھا کہ اب کی وار مجھ پر ہوگا، یہ سمجھ کر چلا اٹھا، بس اس سے شہر میں خبر پھوٹ گئی۔

توریت میں ہے:-

''وہ بولا کہ کس نے تجھے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا ہے، آیا تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا، مجھے بھی مار ڈالے'' (خروج ۲-۱۴:)

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ز قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ

اور ایک شخص شہر کے کنارے سے ٢٧ دوڑا ہوا آیا کہنے لگا اے موسیٰ! اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کررہے ہیں

بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ

کہ آپ کو سزائے موت دے دیں ٢٨ سو آپ چلے جائیے میں آپ کا بڑا خیرخواہوں میں ہوں، سو موسیٰ

مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ز

وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف واندیشے کے ساتھ ٢٩

٢٧ یعنی بڑے فاصلے پر اس مقام سے جہاں شاہی کمیٹیاں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

المدينة سے مراد وہی شہر ممفس ہے جس پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔

رجل۔ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مومن مخلص تھا۔

٢٨ یعنی سرکاری کمیٹی میں گفتگو اس موضوع پر ہورہی ہے کہ آپ کو اس مصری کے قتل کے جرم میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے۔ ایک تو واقعہ یوں بھی قتل کا، اور پھر مقتول حاکم قوم کا، قاتل محکوم قوم کا۔ جرم کی اہمیت واشدیت جتنی بھی حاکموں کی نظر میں ہوتی کم تھی۔

الملأ سے مراد وہی کونسل کے ممبر ہیں، جن کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا ہوگا۔

يعني الوجوه من الناس و الأشراف (ابن قتيبة، غريب القرآن، ص:٢٨٢)

ليقتلوك۔ توریت میں ہے:۔

"جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے" (خروج-٢:١٥)

٢٩ توریت میں ہے:۔

"تب موسیٰ ڈرا، اور کہا کہ یقیناً یہ بھید فاش ہوا" (خروج-٢:١٤)

کاملین، یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی یہ ہرگز ضروری نہیں کہ امور طبعیہ میں وہ عام انسانوں سے الگ ہوں۔

اس وقت تک تو آپ پیمبر تھے بھی نہیں، لیکن اگر ہوتے، جب بھی اپنی جان کو عزیز رکھنا

البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ اصلاً بیٹی ہی ہو، جس کے ساتھ فرعون نے شادی کرلی ہو، اس رشتہ کو ناقابل یقین سمجھ کر اس سے انکار نہ کیا جائے۔ متعدد جاہلی شاہی خاندانوں میں عام رواج محرمات ہی سے شادی کرنے کا رہا ہے، اور مصر کے شاہی (فرعونی) خاندان میں بادشاہ کا اپنی بیٹیوں سے نکاح کرنے کا دستور تو عام تھا۔ اور اس دستور کی جو ہم لوگوں کو طبعاً اتنا مکروہ نظر آرہا ہے عقلی وجہ ان لوگوں کے عقیدے کے لحاظ سے یہ تھی کہ فرعون وقت چونکہ سب سے بڑے دیوتا کا اوتار ہوتا تھا۔ اس کا ہم نسب اور ہم کفو شرافت میں اس کا ہم مرتبہ عام شہری آبادی میں کوئی ممکن نہ تھا، اور شادی کے لیے ہم نسبی لازمی ہے۔ اس لیے فرعون کو ہم نسب بیوی اگر مل سکتی تھی، تو وہ اس کی بہن ہی ہوتی تھی یا اس کی بیٹی۔ اس لیے ملکۂ فرعون وہی ہوتی، جو پہلے اس کی بہن یا بیٹی ہی ہوتی تھی۔ تاریخ فراعنہ مصر پر جو کتابیں انگریزی میں موجود ہیں، ان میں یہ صراحت تکرار کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن کو ملکہ کے رشتہ سابق سے بحث نہیں، اس نے بحیثیت ملکہ اسے پیش کیا ہے ـــــ اور یہ تو بالکل ہی آسانی سے ممکن ہے کہ یہ بیٹی پچھلے فرعون کی ہو، اور بیوی موجودہ فرعون کی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

توریت میں ہے "جب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا میں اتری، اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے پر ٹہلنے لگیں، اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی کنیز کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے۔ جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا اور دیکھا کہ وہ رو رہا ہے، اسے اس پر رحم آیا اور بولی یہ کسی عبرانی کا بچہ ہے۔" (خروج ۲: ۵، ۶)

عارفین نے کہا ہے کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے ملاحظہ کرلیا کہ مشرف بہ ایمان ہی نہیں ہوگئیں، بلکہ افضل نساء عالمین قرار پا گئیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اس قول کا سبب محض حب طبعی تھا۔ لیکن اہل اللہ کے ساتھ حب طبعی بھی، بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، ایمان وہدایت میں نافع ہوجاتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲ ص ۲۴۳)

وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۚ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ

کنویں پر پہنچے، تو اس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا پانی پلاتے۔ اور ان لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں

امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ

دیکھیں کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی تھیں ۳۲ پوچھا تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں ہم پانی نہیں پلاتے

مجرم کی تلاش میں سڑکوں کی ناکہ بندی یقیناً ہو چکی ہوگی، اس لیے آپ نے قدرۃً راستہ جنگل بیہڑ کا اختیار کیا ہوگا۔

۳۲ (اور مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتیں)

ماء مدین سے مراد شہر مدین کا کنواں ہے۔ اور حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے۔

والمراد بماء مدين بئر كانوا يسقون منها فهو مجاز من إطلاق الحال وإرادة المحل. (روح، ج ۲۰/ص:۵۹)

وكان بئراً فيما روى (كشاف، ج۳/ص:۳۸۷)

وهو بئر كانوا يسقون منها (بيضاوى، ج۴/ص:۱۲۶)

قدیم تہذیب وتمدن میں کنوؤں کو بڑی اہمیت اور مرکزیت حاصل تھی، جس کا کچھ نمونہ آج بھی دیہات میں نظر آ جاتا ہے۔

مغائر شعیب (ساحل خلیج عقبہ) میں لوگ آج تک اس کنویں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

امرأتین۔ یہ دونوں جوان لڑکیاں غالباً شہر کے رئیس و چودھری اور اللہ کے پیمبر حضرت شعیب کی تھیں، جن کا نام توریت میں رعوایل آیا ہے۔ اور اس موقع پر توریت کا بیان حسب ذیل ہے:۔

''موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگا، اور مدیان کی زمین میں گیا، اور ایک کنویں کے نزدیک بیٹھا، اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں، وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں، اور کٹھروں کو بھرا تا کہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلاویں''۔ (خروج-۲:۱۶)

قدیم تمدن میں اونچی اونچی شریف زادیوں کا بھی کنویں پر جا کر پانی بھرنا، یا جانوروں کا

حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٭ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا

جب تک (یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ۳۳۔ پس (موسیٰ نے) ان کے لیے پانی پلادیا

ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿٢٤﴾

پھر ہٹ کر سایہ میں آگئے، اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار! تو جو نعمت بھی مجھے دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں۔ ۳۴

پانی پلانا، خلاف دستور نہ تھا۔ اور باہر نکلنا تو ہماری شریعت میں بھی بالکل جائز ہے بشرطیکہ حیا و پردہ داری کے ساتھ ہو۔

دونهم اور تذودان۔ ان دو لفظوں سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ دونوں صاحبزادیاں الگ حیا و تہذیب کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتی تھیں۔

قال ما خطبکما۔ یہ سوال آپ نے ازراہِ ہمدردی کیا، اور شاید اِس میں کچھ جز ہمدردی کا بھی شامل ہو۔

۳۳ (سو وہ خود تو آنے سے معذور ہیں، اور یہ کام ہمیں کو کرنا پڑتا ہے، لیکن ہم اپنی طرف سے اتنی احتیاط رکھتے ہیں کہ اپنے جانوروں کو مردوں کے مجمع سے الگ کیے کھڑے رہتے ہیں، جب مردوں کا مجمع رخصت ہولیتا ہے جب جا کر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں)

لا نسقی حتی یصدر الرعاء۔ جب تک مردوں کا مجمع چھٹ نہیں لیتا، ہم اندر نہیں گھستے اور بھیڑ بھڑکے سے بچے رہتے ہیں۔

شریف زادیوں کی یہ غیرت و حیا داری کتنی سبق آموز ہے!۔۔۔لڑکیوں نے گویا ضمناً یہ بھی بتادیا کہ یہ جانوروں کو پانی پلانے کا کام اصلاً تو مردوں کا ہے، ہم عورتوں کو بدرجۂ مجبوری کرنا پڑ رہا ہے۔

۳۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے مدین تک کے طویل سفر کے بعد بھوکا، پیاسا، تھکا ماندہ ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا، آپ سایہ میں آکر بیٹھ گئے، اور اللہ تعالیٰ سے رزق کے لیے دعا کی۔

انس بن مالکؓ کی حدیث مرفوع میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حاجت صرف بقدر ایک کف دست خرما کے تھی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ کاملین کی شان اپنی ہر حاجت قلیل وکثیر کا حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے، بخلاف مدعیان زہد کے جو حق تعالیٰ کی نعمتوں سے استغنا بلکہ نفرت ظاہر کیا کرتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۲۱۵)

فسقی لھما۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جو باوجودیکہ ابھی تک پیمبر نہ تھے، خدمت خلق، شفقت کے تقاضے سے ان عورتوں کے جانوروں کو خود پانی بھر کر پلادیا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ کاملین کو خدمت خلق سے عار نہیں ہوتی۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۲۱۵)

توریت میں ہے:-

''وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں، اور کٹھروں کو بھراتا کہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلادیں، تب گذریوں نے آکر انھیں ہانکا، لیکن موسیٰ نے کھڑے ہوکر ان لڑکیوں کی مدد کی، اور ان کے گلے کو پانی پلایا'' (خروج۔۲:۱۶،۱۷)

تولی الی الظل۔ یہاں یہ جتادیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دھوپ کے وقت سایہ کے بھی محتاج تھے---کمالِ روحانی اسلام میں یہ ہرگز نہیں کہ کوئی بشر لوازمِ بشریت بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ سے بالکل بے نیاز ہوجائے۔

رب انی .... فقیر۔ کامل سے کامل بندے، یہاں تک کہ انبیاء اللہ کے دیے ہوئے رزق سے مستغنی نہیں ہوتے، بھوک کے وقت للک کر اس کے لیے دعائیں، آرزوئیں کرتے ہیں اور طبعی حاجتوں میں اپنی بے نیازی کا اظہار نہیں کرتے۔

من خیر۔ خیر کے معنی مطلق شیٔ نافع کے ہیں، یعنی ایسی چیز جس کی طرف ہر ایک کو رغبت ہوتی ہے۔

مایرغب فیه الکل (راغب، ص:۱۸۱)

یہاں مراد رزق یا کھانے سے ہے۔

أن المفسرين حملوه على الطعام قال ابن عباس يريد طعاماً يأكله (كبير، ج ۲٤ ص:۲۰۵)

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ

پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرمائی ہوئی چلتی تھی۔ بولی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں

لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ

تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں، جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا ۳۵ پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے حالات بیان کیے

آیت نے صاف کردیا کہ دھوپ میں چلنے کے بعد سایہ کی احتیاج اور سفر کے بعد بھوک، لوازم طبعی میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ان بشری احتیاجوں سے بلند یا مستغنی نہ تھے، اور عوام نے بزرگی کا جو یہ معیار قرار دے لیا ہے کہ بزرگ وہ ہے جو کھانے پینے سے مستغنی ہو، یہ سرتاسر غلط ہے۔

۳۵ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانے پینے کے لیے خدا سے دعا کی، ادھر یہ ہوا کہ لڑکیاں جو آج خلافِ معمول سویرے واپس آگئیں، تو حضرت شعیبؑ نے سبب دریافت کیا۔ لڑکیوں نے اصل ماجرا سنا دیا۔ حضرت کی غیرت و شرافت کب اسے گوارا کرسکتی تھی کہ ایسے محسن کو یوں ہی بالا بالا چلا جانے دیتے۔ لڑکی کو بھیج اپنے گھر بلوایا کہ کچھ تو حقِ میزبانی کا ادا کریں۔۔۔۔ شکریہ ادا کرنا آج ہی کی مہذب و متمدن قوموں کا شیوہ نہیں، قدیم تہذیب بھی اسے اپنا ایک جز بنائے ہوئے تھی۔

توریت میں ہے:۔

''اور جب وہ اپنے باپ رعوایل کے پاس آئیں، اس نے پوچھا کہ تم کیوں کر سویرے پھریں؟ وہ بولیں ایک مصری نے ہمیں گڈریوں کے ہاتھ سے بچایا، اور ہمارے لیے جتنا کافی تھا، پانی بھرا۔ اور گلے کو پلایا، اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ مرد کہاں ہے؟ تم اسے کیوں چھوڑ آئیں؟ اسے بلاؤ کہ روٹی کھاوے'' (خروج۔۲: ۱۸، ۲۰)

تمشی علی استحیاء میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ شریف زادیوں کے لیے چنک منک، تیزی طراری نہیں، بلکہ غیرت و حیا، لجانا اور شرمانا امر طبعی ہے۔

تذودان۔ لا نسقی حتی یصدر الرعاء اور پھر اب تمشی علی استحیاء۔ عورت کے لیے اگر غیرت و حیاداری مطلوب و مقصود نہیں، تو آخر قرآن کو بار بار ان تصریحات کی ضرورت کیا تھی!

قَالَ لَا تَخَفْ ۔ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا

تو انھوں نے کہا خوف مت کرو (اب) تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ۳۶ؑ (پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی

يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ز اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

اے ابا! ان کو نوکر رکھ لیجئے کیوں کہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو، امانت دار ہو۔ ۳۷ؑ

احدٰھما ۔ان صاحبزادی کا نام بی بی صفورہ تھا۔ روایات اسلامی میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب روانہ ہوئے تو ان سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ، میں پسند نہیں کرتا کہ نامحرم پر بلاضرورت نظر بلاقصد بھی پڑے۔

۳۶ؑ (یہاں فرعون مصر کا حکم نہیں چلتا)

مدین حدود مملکتِ مصر سے باہر تھا۔ یہ علاقہ فلسطین کے مشرق وجنوب مشرق میں واقع تھا، دریائے اردن اور دریائے عربہ کے بھی مشرق میں۔اس حساب سے زمین کی یہ چٹ عرب کے شمال میں، خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر پڑتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان صاحبزادی کی زبان سے لیجزیك أجر ما سقیت لنا سن کر چلا آنا اس پر دال ہے کہ اگر عمل بقصد عوض نہ ہو، پھر بعد عمل کچھ عوض قبول کر لیا جائے، تو یہ منافی اخلاص نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۲۱۵)

۳۷ؑ یعنی جس کے قوائے جسمانی بھی اچھے ہوں، محنت سے اپنے کام انجام دے سکے، اور اخلاقی صفات سے بھی متصف ہو، خدمت کی بجا آوری میں خیانت وبددیانتی سے کام نہ لے۔ان بی بی صاحبہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق دونوں چیزوں کے تجربے اتنے عرصہ میں ہو چکے تھے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ یہ گفتگو صاحبزادی نے اپنے والد سے فی الفور کی ہو---قرآن مجید ایسے ہر موقع پر درمیانی وقفہ کو بالکل نظر انداز کر جاتا ہے۔

القوی الأمین۔ القوی سے اشارہ جسمانی مضبوطی کی طرف ہو گیا، اور الأمین سے اخلاقی اوصاف کی جانب۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ

وہ بولے میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال

ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ

میری نوکری کرو ۳۸ اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے

وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا، تم انشاء اللہ مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے۔ ۳۹

۳۸ (اور اس نوکری کا بدل وہی نکاح ہے)

یعنی آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر قرار پایا۔

کسی مدت معینہ تک مویشیوں کی چرائی کا مہر مقرر ہو جانا، فقہ اسلامی میں بھی جائز ہے۔

"یہ بکریاں اگر ان صاحبزادی کی تھیں، تب تو ان کا مہر ادا کیا جانا ظاہر ہے، اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ کی رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۱۷)

۳۹ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ تمہاری خوشی ہو تو تم دس برس رہ جانا، اس میں میری طرف سے کوئی جبر یا اصرار نہیں، میں تو کام کی مقدار، وقت کی پابندی وغیرہ ہر معاملے میں تمہاری سہولت کو مدنظر رکھوں گا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نوکری یا مزدوری یا دوسرے اسبابِ معاش منافی توکل نہیں (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۱۶) --- اور یہاں پر خدمت گاری کی ملازمت تو ایک ہونے والے پیمبر قبول کر رہے ہیں۔

ستجدنی إن شاء الله من الصّٰلحین۔ عبدیت کی انتہا ہے کہ پیغمبر شعیبؑ دھڑ سے یہ نہیں کہہ ڈالتے کہ میں تو خوش معاملہ ہوں، بلکہ اسے بھی ارادۂ الٰہی پر محول کر کے کہتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو تم مجھے خوش معاملہ ہی پاؤ گے۔

ایک پیغمبرِ وقت اپنے ہونے والے داماد سے اپنی لڑکی کی شادی کے باب میں جس آزادی

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ

(موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہوگئی، میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا

وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ

اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے ۴۰ پھر جب موسیٰ اس مدت کو پورا کرچکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے ۴۱

اور صفائی سے گفتگو کررہے ہیں ہندوستان کے رسم زدہ شریف مسلمان اس کا تصور بھی کرسکتے ہیں! ---ہندودیش کی بیجا شرم وحیا، غیر معقول حجاب وتکلف کا اسلام کے اندر شائبہ ہی نہیں۔

۴۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو اچھا، یہ معاملہ میرے آپ کے درمیان پختہ ہوگیا، خدائے حاضر وناظر اس معاہدے کا گواہ ہے---حضرت انبیاءؑ بھی عام مومنین کی طرح معاملت کرتے ہیں، کسب حلال کے لیے محنت ومشقت کرتے ہیں، ان میں سے کوئی شے ان کے مرتبہ نبوت کے منافی نہیں، اور اللہ کو چھوٹے بڑے ہر معاملے میں حاضر وناظر سمجھتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عقد، حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی حضرت صفورہ کے ساتھ ہوگیا، اور ان سے آپؑ کی اولاد بھی ہوئی۔

توریت میں ہے:-

"اور اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو دی، وہ بیٹا جنی، اس نے اس کا نام جیرسوم رکھا"۔ (خروج۔۲:۲۲)

۴۱ (مصر کی طرف)

اپنی مدتِ مقرر بسر کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اہل وعیال اب اپنے وطن مصر کو روانہ ہوئے ہیں----توریت میں ہے کہ فرعون سابق اُس وقت تک مرچکا تھا، آپؑ کی روانگیٔ مصر سے قبل کے ذکر میں ہے:۔

"اور ایک مدت کے بعد یوں ہوا کہ مصر کا بادشاہ مرگیا" (خروج-۲:۲۳)

باھلہ۔توریت میں تصریح ہے کہ ساتھ میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت صفورہ تھیں، اور ان کے دونوں بچے تھے۔ (خروج۔۴:۲۰)

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

تو انھوں نے طور کی طرف ایک آگ دیکھی ۴۲ اپنے گھر والوں سے بولے کہ تم (یہیں) ٹھہرو، میں نے تو آگ دیکھی ہے

لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

شاید میں وہاں سے تمہارے لیے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا (کوئی) انگارا ہی لیتا آؤں تاکہ تم سینک کر لو ۴۳

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو انھیں آواز آئی اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ

ایک درخت سے کہ اے موسیٰ! یہ تو میں ہوں اللہ پروردگار عالم۔ اور یہ بھی کہ تم اپنا عصا ڈال دو

۴۲ یعنی ایسی روشنی جسے وہ آگ سمجھے، اور آگ ہی وہ معلوم ہوتی بھی تھی ---- اُس دورِ تہذیب میں آگ کا جلنا بھی انسانی آبادی کا بڑا نشان تھا۔

الطور۔ جبل طور پر حاشیے گزر چکے۔ مدین سے مصر آتے ہوئے راستہ اس کے قریب سے گزرتا تھا۔

۴۳ رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم۔ راستہ بھی یہ چھوٹا سا قافلہ بھول گیا تھا۔ آگ کی روشنی آبادی کی علامت تھی۔

تصطلون۔ سینک لینے یا تاپ لینے سے یہی نکلتا ہے کہ وہ موسم خاص سردی کا تھا۔

اُھلہ۔ امکثوا۔ نارا پر مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ میں گزر چکے، ۹، ۱۰، نیز سورۃ النمل میں حاشیہ ۶۔

پیمبروں کی بشریت ان سارے قرآنی قصوں میں کتنی نمایاں رہتی ہے۔ راہ کا بھول جانا، اندھیرے اور سردی میں آگ کی ضرورت کا محسوس ہونا، دور سے روشنی دیکھ اُسے اٹکل سے آگ سمجھنا، یہ سب واقعات ایسی شخصیت کو پیش آرہے ہیں، جسے ابھی ابھی پیمبری ملنے والی ہے!

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ

پھر جب اُنھوں نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسے پتلا (تیز) سانپ تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا) اے موسیٰ! آگے آؤ

وَلَا تَخَفْ ۟ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

اور ڈرومت، تم (ہر طرح) امن میں ہو۔ ۴۴ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ روشن ہوکر نکلے گا،

۴۴ (اور یہ تو تمہارا معجزہ ہے)

میدان کی داہنی جانب، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی داہنی جانب تھی، نداوغیرہ سارے واقعے پر مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ میں گزر چکے، نیز سورۃ النمل، سورۃ الاعراف میں۔

نودی۔ یہ آواز غیب سے آئی، اور یہی وجہ صیغۂ مجہول کے استعمال کی ہے۔

إنی أنا اللّٰه کے ساتھ صفت رب العالمین کا اضافہ اس حقیقت کو اور مؤکد و مصرح کر رہا ہے کہ جو سارے عالم کا مالک وحاکم ہے، وہ کسی محدود جگہ کے اندر گھر کیوں کر سکتا ہے؟

جآن۔ سانپ کے لیے عربی میں متعدد الفاظ ہیں، اور خود قرآن ہی میں تین مختلف لفظ آئے ہیں۔ جان ایسے سانپ کو کہتے ہیں جو پتلا اور پھرتیلا ہو، اور بعض نے کہا کہ

الجنان هی الحيات التی تكون فی البيوت واحدها جان وهو الدقيق الخفيف (لسان، ج ۲/۳۸۹)

قال الليث: حية بيضاء (تاج، ج۱۸/ص:۱۱۶)

تهتز كانها جآن۔ تیز پھرتیلے سانپ سے تشبیہ صرف اس کی سرعتِ رفتار کے لحاظ سے ہے نہ کہ اس کے جسم اور جثہ کے اعتبار سے۔

وقوله كأنها جان صريح فی أنه تعالىٰ شبهها بالجان ولم يقل إنه فی نفسه جان، فلا يكون هذا مناقضاً لكونه ثعباناً بل شبهها بالجان من حيث الاهتزاز والحركة لا من حيث المقدار (كبير، ج ۲٤/ص: ۲۱۰)

والتشبيه بها باعتبار سرعة حركتها وخفتها لا فی هيئتها وجثتها (روح، ج ۲۰/ص: ۷٤)

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ

بغیر کسی مرض کے، اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا بازو پھر اپنے سے ملالینا، سو یہ دوسندیں ہیں

بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ

تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس (جانے) کے لیے ۴۵

نودی۔ اس غیبی آواز کو وحی الٰہی سمجھ لینا، یہ پیمبر ہی کا ظرف، پیمبر ہی کا ادراک لطیف ہوسکتا ہے۔ عام انسان اس کا کوئی تجربہ نہ رکھتا ہے نہ رکھ سکتا ہے۔

ولی مدبرا ولم یعقب۔ سانپ سے انسان کا ڈرنا، اور ڈر کر بھاگنا، بالکل ایک امر طبعی ہے، اور امور طبعیہ (بھوک، پیاس، نیند، تھکن، خوشی، رنج، خوف وغیرہ) میں انبیاء بھی بالکل عام انسانوں کے سے ہوتے ہیں۔ آخر کوئی تو وجہ ہے جو قرآن اس تصریح کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بیان کرتا ہے کہ آپ سانپ سے ڈر کر نہ صرف بھاگے، بلکہ اس طرح بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، جیسا کہ غایت دہشت میں ہوتا ہے۔

آیت اس باب میں نص واضح ہے کہ امور طبعیہ سے تاثر جب نبوت کے منافی نہیں، تو ولایت کے منافی کسی درجہ میں بھی کیسے ہوسکتا ہے!

۴۵ (جیسا کہ اس کے قبل بھی پیمبروں کو معجزات مل چکے ہیں)

وملائه۔ ملائه کا ترجمہ اس سیاق میں تو "درباریوں" زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

واضمم الیك.. الخ کی تعبیر و تقریر میں اکثر مفسرین کو اشکالات پیش آئے ہیں، یہاں ترجمہ و تقریر میں مفسر تھانویؒ کی پیروی کی گئی ہے، جو بالکل بے تکلف و بے غبار ہے ---- عصا کے بعد یہ دوسرا معجزہ ید بیضا کا موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا ہے۔

من غیر سوء۔ یہ تصریح توریت مروجہ کی تغلیط کے لیے ہے، جس کا بیان ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو برص کا مرض تھا۔

"پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھ۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھا۔ اور جب اس نے اسے نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا" (خروج۔ ۴:۶)

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فٰسِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

بے شک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں ۴۵(الف) (موسیٰ نے) عرض کیا اے میرے پروردگار! میں نے ان میں سے ایک شخص کا خون کر دیا تھا

فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿٣٣﴾ وَأَخِي هٰرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ

سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میرا خون کر ڈالیں گے۔ ۴۶ اور میرے بھائی ہارون کہ وہ مجھ سے زیادہ خوش بیان ہیں انھیں بھی میرے ساتھ رسالت دے دیجئے

رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿٣٤﴾

مددگار بنا کر کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب ہی کریں گے۔ ۴۷

برھانٰن ...... ملائہ۔ یعنی ایسی غیبی واعجازی شہادتیں جو مشرکوں کے بھی سمجھ میں آ جائیں۔

خوارق ومعجزات بجائے خود مثبت نبوت ہوں یا نہ ہوں، بہر حال حواس پرست منکرین مادئین کے مقابلے میں تو یقیناً حجت قوی کا کام دیتے ہیں، اور منکرین ہی پر اتمام حجت کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔

حاشیے سورۂ طٰہٰ وغیرہ کے ذیل میں بھی گزر چکے۔

۴۵ (الف) فاسقین۔ راہ حق سے ہٹے ہوئے، تلاشِ حق اور طلبِ حقیقت کے راستے اپنے اوپر بند کیے ہوئے، خدائی قانون اور حد بندی سے بے پرواو بے فکر، نسلاً بعد نسل فرعون ہی کو خدا کا مظہر یا اوتار سمجھے ہوئے۔

۴۶ (اسی خون کے عوض میں، اور آگے کچھ میری سنیں ہی نہیں)

فرعون کے سلسلے میں یہ خوب ذہن نشین رہے کہ وہ ایک خود مختار، مطلق العنان، جابر بادشاہ تھا، اس کے فیصلے کے خلاف اپیل کی کہیں گنجایش نہ تھی، وہ اپنے اختیارات سے سب کچھ کر سکتا تھا--- یہ مضمون بھی اوپر کئی بار آ چکا ہے، اور حواشی متعلقہ وہاں گزر چکے۔

۴۷ (اور گفتگو ومناظرہ کے لیے روانیٔ زبان وفصاحتِ بیان کی ضرورت بہت پڑا کرے گی)

ھرون اور ھو أفصح منی پر حاشیے سورۂ طٰہٰ (رکوع ۲) میں گزر چکے۔

ردأ۔ ردأ وہ چیز ہے جس کا سہارا لیا جائے۔ یہاں مراد مددگار سے ہے۔

معینا وھوفی الأصل اسم مایعان بہ (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٢٧)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ

(اللہ نے) فرمایا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک شوکت (خاص) عطا کرتے ہیں، سو انھیں تم دونوں

إِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسٰى

پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے نشان لے کر جاؤ۔ تم دونوں اور جو تمہارے پیرو ہوں گے غالب رہیں گے ۴۷ (الف) پھر جب موسیٰ ان کے پاس

بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوا مَا هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي اٰبَائِنَا

ہمارے کھلے ہوئے نشان لے کر آئے ۴۸ تو وہ بولے کہ یہ تو ایک بس گڑھا ہوا جادو ہے اور ہم نے ایسی بات اپنے اگلوں باپ داداؤں

الْأَوَّلِينَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ مُوسٰى رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ

کے وقت تو سنی نہیں۔ ۴۹ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو (دین) ہدایت لے کر اس کے پاس سے آیا ہے

الرِّدْءُ الذی یَتبَعُ غیرَہ معیناً لہ (راغب، ص: ۲۱۷)

أفصح منی۔ فصاحت اور خوش بیانی اگر اچھی شے نہیں کہ ہر حال میں اس کا مقاطعہ ہی کیا جائے، بلکہ اگر تبلیغ حق کے لیے ہو تو اس کی طلب و تمنا تو پیمبر تک نے کی ہے۔

۴۷ (الف) جب بھی مصلحت تکوینی ہوتی ہے، ایسا ہی غلبہ و دبدبہ منکروں کے مقابلے میں اہل حق کو دے دیا جاتا ہے۔

۴۸ (اور غلبہ معتبر وہی ہے جو آخر میں حاصل ہو)

نجعل لکما سلطنا۔ یہ یاد کر لیجیے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام، دونوں محکوم قوم اور رعایا کے فرد تھے، اور ان کا مقابلہ ایسے بادشاہ خود مختار سے ہو رہا تھا، جس کی زبان خود ہی قانون تھی۔ اس استحضار کے بعد اس رعب نبوت کی پوری قدر ہوگی۔

فلا یصلون إلیکما۔ اسی رعب خداداد کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے ہیکڑوں میں سے کوئی آپ دونوں (علیہما السلام) پر دسترس نہ پا سکا۔

بآیتنا۔ تقدیر کلام یوں ہے: اذھبا بآیتنا۔ اور آیات کے تحت میں معجزات و دلائل سب آ گئے۔

۴۹ مصری قوم شرک در شرک میں مبتلا، عقیدۂ توحید و نبوت سے سرے سے نا آشنا تھی، پیامِ موسوی سن کر اور دلائل سے واقف ہو کر اور معجزات کے مشاہدے کے بعد یہ لوگ بولے کہ یہ تو

وَمَنْ تَكُونُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اور جس کو آخرت کا گھر ملنے والا ہے۔ بے شک ظالم (کبھی) فلاح نہ پائیں گے۔ ۵۰ اور فرعون نے کہا

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ

اے سردارو! مجھ کو تو اپنے سوا کوئی تمہارا معبود معلوم نہیں ۵۱ تو اے ہامان! ۵۲ میرے لیے مٹی کو آگ میں پکاؤ

محض ایک ساحرانہ کارروائی ہے، اسے دل سے گڑھ کر خدا کی جانب منسوب کیا جارہا ہے۔

ہم۔ قالوا۔ سمعنا۔ آبائنا۔ ضمیر جمع سے مراد ہر جگہ ساری مصری قوم یا فرعون اور اس کے اہل دربار ہیں۔

ہر برگشتہ بخت قوم پر جمود اس طرح غالب ہوتا ہے کہ حقائق پر وہ غور کرنا جانتی ہی نہیں، سرتاپا رسم ورواج کی پرستاری ہی میں گرفتار رہتی ہے۔

۵۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منکروں کی ہٹ دھرمی دیکھ کر، آخر میں عاجز آکر کہا کہ خیر، آج میری نہیں سنتے ہو تو نہ سنو، اللہ کو تو خوب معلوم ہے کہ راہِ ہدایت پر کون ہے اور ظالم کون؟ عاقبت بخیر کس کی ہوتی ہے اور محروم الفلاح کون؟ اور اس کا یہ قانون اٹل ہے کہ آخری و مستقل فلاح سے ظالم محروم ہی رہتے ہیں۔

عاقبۃ الدار۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے:

العاقبة المحمودة فی الدار الآخرة (جلالین، ص: ۵۱۳)

۵۱ میں ہی تمہارا اصلی اور قدیم دیوتا ہوں۔ میری ہی پوجا تمہارے باپ دادا ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں، تو اب یہ نیا نام کس خدا کا سننے میں آرہا ہے! ---فرعون، ایک بار پھر یاد کرلیا جائے کہ کسی متعین فرد کا نام نہیں، شاہی یا شہنشاہی لقب تھا، تاریخ کے اُس دور میں مصر کا جو بھی تاجدار ہوتا، وہ مصری عقیدے میں سب سے بڑے دیوتا (سورج دیوتا) کا دنیا میں اوتار یا مظہر ہوتا تھا۔ یہی سرکاری مذہب بھی تھا اور یہی قومی مذہب بھی۔

ملاحظہ ہو سورۃ الشعراء میں آیت لئن اتخذت الٰھا غیری (۲۹) پر حاشیہ، نیز انگریزی تفسیر القرآن۔

۵۲ ہامان پر حاشیہ اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے۔ حاشیہ ۴۔

عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلٰهِ مُوسٰى ۙ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ

پھر میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ، تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو جھانک دیکھوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا

ہوں۔ ۵۳ اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق ملک میں اپنا سر اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا

یہاں بھی سیاقِ کلام سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ہامان کوئی شخصی نام نہیں، بلکہ کسی اعلیٰ عہدہ دار کا سرکاری لقب تھا۔

۵۳ حق تعالیٰ گویا یہاں اور کہیں نہ تھا، بلکہ کسی مجسم ہستی کی طرح آسمان کے اوپر بیٹھا ہوا تھا، اور اس تک رسائی کسی بڑی اونچی سیڑھی سے چڑھ کر، یا فضا میں اڑ کر ہی ممکن ہے۔ یہ عقیدہ آج بھی بہت سی قوموں کے عوام ہی میں نہیں، خواص میں بھی شائع ہے۔ چنانچہ ابھی چند ہی سال ہوئے سوویت روس سے اطلاع آئی تھی کہ دو ملحد خلا بازوں نے اپنا بیان شائع کیا ہے کہ ہم اتنا اونچا اڑ آئے، ہمیں تو کہیں خدا نظر نہیں آیا---- مصری خاص طور پر اس قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ فرعون نے انھی عقائد و خیالات کے ماتحت ایک ان دیکھے خدا کے وجود کو باطل ثابت کرنے بلکہ اس کا مضحکہ کرنے کو یہ اپج کی تھی۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

ھامان پر حاشیہ اسی سورت کی آیت نمبر ۶ میں گزر چکا۔

أوقد لی علی الطین۔ قرآن یہاں فرعون کی زبان سے یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ "ہامان میرے لیے پتھر کی عمارت تیار کر" یا اینٹ پتھر وغیرہ کسی چیز کی تصریح ہی نہ کرتا، لیکن نہیں، قرآن کو تو علم صحیح کی بے شمار مثالوں میں سے ایک اور مثال پیش کرنی اور اپنے دعوائے اعجاز پر ایک اور دلیل قائم کرنی تھی---- مصری قوم اینٹوں ہی کے کام کے لیے مشہور تھی، چنانچہ اس کی مشہور شاہی عمارتیں بھی پتھر کی نہیں اینٹ ہی کی تھیں۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

وإنّی لأظنه من الکذبین۔ فرعون گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو اپنی جگہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا جانتا ہی ہوں، لیکن اب یہ بلند منارہ اس کا ایک علمی و تجربی جواب ہو جائے گا۔

اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ⊙ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ ج

کہ انھیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے ۵۴؎ سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکریوں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ⊙ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ

سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ ۵۵؎ اور ہم نے انھیں (ایسا) پیشوا بنادیا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے

اِلَى النَّارِ ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ⊙ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ج

اور قیامت کے دن کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا ۵۶؎ اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی ۵۷؎

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ⊙ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ

اور قیامت کے دن بھی وہ برے حال والوں میں ہوں گے۔ اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اگلی امتوں کے

۵۴؎ یہ فرعون کے عام فسق اعمال وفساد عقائد کا بیان ہے---یوں بھی روزِ جزا کا اعتقاد اور پرسش اعمال کا یقین، ان کے مذہب میں داخل نہ تھا۔

۵۵؎ (اسی دنیا جہاں میں)

اس واقعہ غرقابی کی تفصیل سورۃ البقر، آیت ۵ کے علاوہ بھی کئی جگہ گزر چکی۔

۵۶؎ اس زندگی میں تو ضلالت کے لیڈر رہے، اور بے شمار مخلوق ان کے اشاروں پر حرکت کرتی رہی۔ قیامت کے روز ایسے بے کس رہ جائیں گے کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔

جعلنٰھم میں حق تعالیٰ کا انتساب فعل اپنی جانب کرنا تمام تر اپنی تکوینی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہے، نہ کہ اظہارِ رضا کے لیے۔

۵۷؎ چنانچہ آج انھیں اچھا کہنے والا کوئی بھی نہیں، سب کی زبان سے برائی ہی نکلتی ہے۔

لعنۃ کے معنی رحمتِ خداوندی سے مجبوری اور محرومی کے، بیشتر بیان ہو چکے ہیں----ان شامت زدوں کا دنیا ہی میں فضلِ خداوندی سے مجبور و محروم ہو جانا ایک مشاہد واقعہ ہے۔

بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَـكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى بَصَآٮِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً

ہلاک کیے پیچھے جو لوگوں کے لیے ذریعہ تھی دانشمندیوں اور ہدایت اور رحمت کی

لَّعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ۝ وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِىِّ اِذۡ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسَى الۡاَمۡرَ

تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ۵۸ اور آپ (پہاڑ کے) مغربی جانب موجود نہ تھے ۵۹ جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیے تھے

وَمَا كُنۡتَ مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝ وَلٰـكِنَّاۤ اَنۡشَاۡنَا قُرُوۡنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيۡهِمُ الۡعُمُرُ ۚ

اور نہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو (اس وقت) موجود تھے ۶۰ لیکن ہم نے (بہت سی) نسلیں پیدا کیں، پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا ۶۱

۵۸ دانشمندیوں اور ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہونا، یہ سب صفت بیان ہوئی کتاب موسیٰ علیہ السلام یعنی توریت کی۔

بصائر۔ هدی۔ رحمة ”طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے، یہ **بصیرت** ہے۔ پھر احکام قبول کرتا ہے، یہ **ہدایت** ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب وقبول عنایت ہوتا ہے، یہ **رحمت** ہے“۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۲۰)

القرون الأولیٰ ۔ اگلی امتوں سے مراد اگلے پیمبروں کی نافرمان امتیں ہیں، قوم نوحؑ، قوم لوطؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ وغیرہا۔

۵۹ جس چوٹی کا نام طور ہے، وہ کوہستانِ سینا کی جانب مغرب میں واقع ہے۔۔۔ مطلب یہ ہوا کہ موسیٰؑ پر نزول وحی وکتاب کے وقت اے رسولؐ آپ وہاں موجود نہ تھے۔

۶۰ یعنی یہ امور آپ صلی اللہ عیہ وسلم کو مشاہدے سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے، ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپ کو جسماً وہاں حضوری حاصل، نہ یہ چیزیں آپؐ کے مشاہدے میں آئیں، پھر آپؐ جو انھیں اتنا صاف وصحیح بتا رہے ہیں، تو بجز وحی کے اور کیا ذریعہ ہے؟

۶۱ (اور دنیا پھر نئے سرے سے ہدایت کی محتاج ہوگئی)

اور خاتم الکتب قرآن کے نزول سے قبل ہر دور میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد یہی ہوا بھی کرتا تھا۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِىٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور نہ آپ اہل مدین میں قیام پذیر تھے کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے۔ ۶۲

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

اور نہ آپ طور کے پہلو میں اس وقت موجود تھے، جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی لیکن آپ اپنے پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے)

مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں۔ ۶۳ اور (ہم رسول نہ بھی بھیجتے)

۶۲ (اس لیے آپ کو یہ سب صحیح صحیح خبریں وحی سے بتادیں)

مرسلین کی جمع تعظیمی ہے ---- یا تقدیر کلام یوں رکھی جائے: مرسلین فی کل زمان رسولاً (بحر وغیرہ)

مدین پر جغرافی حاشیے پہلے گزر چکے۔

۶۳ (اور آپ کے اس دعوائے نبوت پر دلیل قائم کرنے کو آپ کو یہ تمام علوم صحیح عطا کردیے گئے)

قوما .... قبلك ۔ مراد مشرکینِ عرب ہیں، جن کے پاس پشتہا پشت سے کوئی نبی نہیں آیا تھا، گو توحید کی تعلیم ان کو بھی بالواسطہ پہنچ چکی تھی۔

"ان آیات میں اولاً نفی کی گئی حضور عند عطاء التوراۃ کی، جس کا وقوع سب کے بعد ہوا۔ پھر نفی کی گئی حضور وقت قیامِ مدین کی، جو سب سے پہلے واقع ہوا۔ پھر نفی کی گئی حضور وقت النداء کی، جو درمیان میں واقع ہوئی۔ اس ترتیب بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع میں آپ کا تشریف نہ رکھنا مستقل دلیل ہو صاحب وحی ہونے کی، ورنہ اگر وقوع کے موافق ذکر میں ترتیب ہوتی تو مجموعہ دلیل واحد سمجھا جاتا، اور گو منفی ثانی وثالث میں ترتیب وقوعی کے موافق ترتیب ذکری ہے، مگر منفی اول وثانی میں ترتیب بدلنے سے اشارہ ہوگیا تعدد دلائل کے قصد کی طرف" (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۲۲)

ملاحظہ ہو سورۂ الم سجدہ رکوع اول کی آیت نمبر ۳، لتنذر قوما ما اٰتٰھم الخ کا حاشیہ۔

تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا

تو یہ بات نہ ہوتی کہ ان (بدبختوں) پر ان کے کرتوتوں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہو جاتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس

رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

کوئی رسول کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں ہوتے ۶۴ سو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے امر حق

عِندِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۚ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا

پہنچا تو یہ کہنے لگے اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا۔ کیا جو موسیٰ کو ملا تھا اس کے قبل یہ لوگ

بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۖ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا

اس کے منکر نہ ہوئے؟ ۶۵ یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار، اور کہتے ہیں کہ ہم تو ہر ایک کے

۶۴ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ان کے حق میں رحمت مزید و عنایت خاص ہوئی کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک رسول بھی آ گیا، ورنہ گرفت کے وقت (اور گرفت تو اس لیے ہوتی کہ ان کے کرتوت عقلاً بھی قبیح ہیں) انھیں یہ حسرت ہی رہ جاتی کہ کوئی پیغمبر ہمارے پاس کیوں نہ آ گئے، آ جاتے، تو ہم ضرور ان کے متبع ہو جاتے۔

لو لا کا جواب محذوف ہے، جو قوسین میں بڑھا دیا گیا ہے۔

والمعنى لولا قولهم .... ما أرسلناك (بيضاوى) أى إنما أرسلناك قطعاً لعذرهم والزاما للحجة عليهم (بيضاوى، ج ٤ /ص: ١٢٩)

عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر حذف و تقدیرِ کلام عیب نہیں، عین بہتر اور داخلِ فصاحت ہے۔

۶۵ (ضرور ہوئے)

ما أوتى موسىٰ کے تحت میں کتاب توریت اور معجزات سب آ گئے، معجزات مادی و حسی آپ کو بہت بیّن ملے تھے، اور کتاب آپ کو یکجائی مل گئی تھی۔

من الكتب جملة واليد والعصا وغيرها (بيضاوى، ج ٤ /ص: ١٢٩)

بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

منکر ہیں۔ آپ کہیے کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ، جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ

میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، اگر تم سچے ہو۔ ۶۶ پھر اگر یہ لوگ آپ کا یہ کہنا نہ کرسکیں تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ لوگ محض اپنی

من الكتاب المنزل جملة واحدة ومن سائر المعجزات (كبير، ج ۲۴/ص: ۲۲۲)

یہ موجودہ منکرین کہتے ہیں کہ یہ جو ہمارے زمانے میں رسول بن کر آئے ہیں، ان کے پاس نہ تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح عصا اور ید بیضا کی طرح کھلے ہوئے مادی معجزے ہیں اور نہ اکبارگی لکھی لکھائی ہوئی تیار کتاب۔

قالوا۔ یہ کہنے والے، رسولؐ کے معاصر مشرکینِ مکہ تھے۔

أى أولئك القوم والمراد بهم هنا أهل مكة الموجودون عند البعثة.

(روح، ج ۲۰/ص: ۹۱)

أولم .... قبل۔ جواب یہ ملتا ہے کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام کو یہ کچھ ملا، تو نتیجہ کیا ہوا؟ آخر ان کی قوم نے بھی تو ان چیزوں کے باوجود انکار و نافرمانی کی، وہ چیزیں کہیں نافرمانی سے روک تھوڑے ہی بن گئیں!

۶۶ گویا کتابِ الٰہی کا اہم ترین جوہر، اس کا ہادی ہونا، اس کے مضامین کا پُر ہدایت ہونا، اور اس کے قانون کا دنیا کے حق میں بہترین ہونا ہے۔

قالوا سحران ...... کفرون۔ یہ مقولہ مشرکینِ مکہ کا تھا، جو قرآن و توریت بلکہ سارے سلسلۂ وحی کے یکساں منکر تھے۔ کہتے تھے کہ محمد ہوں یا موسیٰ، دونوں یکساں ہی قسم کا سحر لے کر آئے۔

سحرٰن کی ایک قرأت ساحران بھی آئی ہے، اور مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

اتبعه۔ یہ بات بطور فرضِ محال کے کہی گئی ہے، یعنی مشرکین نہ کوئی کتاب، کتاب الٰہی سے بہتر و برتر پیش کر سکیں گے اور نہ اس کے اتباع کا سوال پیدا ہوگا۔

اَهۡوَآءَهُمۡ ؕ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ

نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ ٦٧ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو شخص اپنی نفسانی خواہش پر چلے، بغیر اللہ کی طرف سے کسی

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝٥٠ وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ

ہدایت کے، بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ٦٨ اور ہم نے (اس) کلام کو ان لوگوں کے لیے یکے بعد دیگرے بھیجا

ع ٥

٦٧ یعنی اگر آپ کا یہ چیلنج یہ لوگ نہ قبول کر سکیں، اور یقیناً نہ کر سکیں گے تو آپ یقین کر لیجئے کہ ان کے انکار کا منشا کوئی اشتباہِ عقلی، کوئی نادانستہ غلط فہمی نہیں، بلکہ محض ان کی خواہش نفس ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے بس انکار ہی کیے جانا چاہئے۔ ضد، نفسانیت، استکبار، یہ صرف ہوائے نفس میں شامل ہیں۔

قاله بلفظ الجمع تنبيهاً على أن لكل واحد هوىً غير هوى الآخر، ثم هوى كل واحد لا يتناهى، فإذاً اتباع أهوائهم نهاية الضلال والحيرة. (راغب، ص: ٥٨٠)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ آیت تقلیدِ جامد وترکِ استدلال کے فساد کے باب میں ایک نص واضح ہے۔

وهذا من أعظم الدلائل على فساد التقليد وأنه لا بد من الحجة والاستدلال. (كبير، ج ٢٤/ص: ٢٢٣)

٦٨ یعنی ایسے لوگوں کو جو اپنی ضلالت اور نافرمانی پر مُصر ہیں، اور قصد ہی ہدایت پانے کا نہیں کرتے۔ یہ کھلی ہوئی مراد کافروں سے ہے۔

وهو عام يتناول الكافر (كبير، ج ٢٤/ص: ٢٢٣)

أي الذين ظلموا أنفسهم فانهمكوا في اتباع الهوى والاعراض عن الآيات الهادية إلى الحق المبين (روح، ج ٢٠/ص: ٩٣، ٩٤)

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

تا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں ۶۹۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب اس (قرآن) کے قبل دے رکھی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ۷۰

۶۹ یعنی بار بار تازہ بہ تازہ سننے سے امید اُن کے قبولیت ایمان کی زیادہ ہوتی ہے اور اسی لیے یہ کلام تھوڑا تھوڑا کر کے وقتاً فوقتاً نازل کیا گیا، لیکن یہ بد بخت خود اپنی مصلحت کی بھی قدر نہیں کرتے، اور الٹا اس کو بنائے اعتراض قرار دے رہے ہیں۔

• وصّلنا القول۔ توصیل قول کے معنی ہیں، بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔

أی أتبعنا بعضه بعضا فی الانزال لیتصل التذکیر أو فی النظم لتقرر الدعوة بالحجة والمواعظ بالمواعید والنصائح بالعبر (بیضاوی، ج٤/ ص:١٢٩-١٣٠)

وتوصیل القول هو إتیان بیان بعد بیان (کبیر، ج٢٤/ص:٢٢٤)

وصّلنا لهم القول أی أکثرنا لهم القول موصولاً بعضه ببعض (راغب، ص:٥٩٧)

یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے، اور اس کے نظم کو نہایت مرتب رکھا۔

المراد منه إنا أنزلنا القرآن منجماً مفرقاً یتصل بعضه ببعض لیکون ذلك أقرب إلی التذکیر والتنبیه (کبیر، ج٢٤/ص:٢٢٤)

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہمارا سلسلۂ وحی برابر شروع سے چلا آ رہا ہے، ایک کے بعد دوسرا پیمبر آتا رہا۔

۷۰ یعنی وہ جو اُن میں منصف مزاج اور اپنے دین صحیح پر قائم ہیں۔

نزلت فی أناس من أهل الکتب کانوا علی شریعة حقة یتمسکون بها. (کبیر، ج٢٤/ص:٢٢٤)

مفسرین نے عہد نبوی کے مختلف طبقات وافراد کے نام گنائے ہیں کہ آیت فلاں اور فلاں کے حق میں نازل ہوئی تھی، لیکن بقول صاحب بحر کے یہ سب نمونے اور مثالیں ہیں اُن کُل اہل کتاب کی، جو بالآخر قرآن پر ایمان لے آئے۔

وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ

اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے، اور ہم تو اس سے پہلے

مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ

بھی (دین کے) ماننے والے تھے ا ے ان لوگوں کو ان کا اجر دوہرا ملے گا، اس لیے کہ یہ پختہ رہے اور یہ لوگ بدی کا دفعیہ نیکی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ

اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں

وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمہارے عمل تمہارے لیے، تم پر سلام ہو، ہم نافہموں سے (تعلقات) نہیں چاہتے۔ ٢ے

والظاهر أنها أمثلة لمن آمن منهم (بحر، ج٧/ص:١٢٥)

والضمير في به عائد على القول وهو القرآن (بحر، ج٧/ص:١٢٥)

اور امام رازیؒ نے فرمایا کہ کسی خصوصی سبب نزول سے کیا ہوتا ہے، اعتبار تو عموم عبارت کا کیا جائے گا، بس جس کسی میں بھی یہ صفات پائے جائیں گے، وہ آیت کے حکم میں داخل ہوگا۔

وقد عرفت أن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، فكل من حصل في حقه تلك الصفة كان داخلاً في الآية (كبير، ج٢٤/ص:٢٢٤)

من قبله هم به يؤمنون۔ دونوں جگہ ضمیریں قرآن کی جانب راجع ہیں۔

ا ے (اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بنا پر۔ اور اب بعد نزول اپنے اس ایمان کی تجدید کرتے ہیں)

به ۔ إنه ۔ قبله ۔ سب میں ضمیریں قرآن ہی کی طرف راجع ہیں۔

مسلمين یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں، لفظی معنی میں ہے، اور اصطلاحاً بھی ہر وہ شخص جو توحید وسلسلۂ وحی کا قائل ہو، مسلم ہی کہا جا سکتا ہے۔

الإسلام صفة كل موحد مصدق بالوحي (بحر، ج٧/ص:١٢٥)

٢ے (ہمیں ایسی صحبتوں سے تو معارف رکھو)

أی لا نطلب مخالطتهم (بحر، ج ۷/ص: ۱۲۶)

لنا .... الجٰهلین۔ پورے فقرے سے مقصود محض ان کی سلامت روی کا اظہار ہے۔ مؤمنین صادقین اپنے معاندین سے کہتے ہیں کہ تمہیں تمہارا طریقہ مبارک ہو، ہم تو بدستور اپنے شرافت وصلاح کے راستے پر چلتے رہیں گے، ہم سے یہ نہ ہوگا کہ ہم تمہاری غیر شریفانہ، جاہلانہ روش کی پیروی کرنے لگیں۔

سلٰم علیکم۔ سلام متارکت وعلیٰحدگی مقصود ہے سلام متعارف مراد نہیں، یہ مطلب نہیں کہ مومنین اپنے مخالفین کو سلام کرتے رہتے ہیں۔ عربی میں ایسے موقع کے لیے "تحیت" آتا ہے، سلام نہیں۔

أی متارکة..... ولیس من التحیة فی شیئ، قال الزجاج. (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۲۹۹)

قال أبوبکر هذا سلام متارکة ولیس بتحیة. (جصاص، ج ۳/ص: ۳۴۹)

ومن الناس من یظن أن هذا یجوز علی جواز ابتداء الکافر بالسلام ولیس کذلك لما وصفنا من أن السلام یتصرف علی معنیین: أحدهما المسالمة التی هی المتارکة، والثانی التحیة التی هی دعاء بالسلامة والأمن. (جصاص، ج ۳/ص: ۳۴۹)

الجاهلین۔ یعنی جہالت برتنے والے، جاہل یہاں ناواقف کے معنی میں اور بطور بیان واقعہ نہیں، بلکہ دین سے ارادۃً کنارہ کش رہنے والوں کے حق میں بطور ذم وتشنیع آیا ہے۔

والجاهل تارةً یُذکر علی سبیل الذم وهو الأکثر. (راغب، ص: ۱۱۵)

یدرء ون بالحسنة السیئة۔ یعنی مومنین کی یہ شان نہیں کہ جھوٹ کا مقابلہ جھوٹ سے کرنے لگیں، ظلم کے جواب میں ظلم پر اتر آئیں، اور خیانت کے بدلے میں خیانت کرنے لگیں۔ اہل صلاح بغیر دائیں بائیں دیکھے اپنی صراط مستقیم ہی پر چلتے رہتے ہیں۔

اللغو سے مراد ہے ایسا قول جس کے سننے سے انھیں تکلیف ہوتی ہو۔

قال مجاهد: الأذی والسب (بحر، ج ۷/ص: ۱۲۵)

یدرء ون .... ینفقون۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یدرء ون میں حب جاہ سے اور مما رزقنٰهم میں حب مال سے ان کے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہے (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۴۳) ----- قرآن مجید نے بخل وامساک کو ایک بدترین ذمیمۂ انسانی قرار دیا ہے، اور فیاضی اور انفاق کی حوصلہ افزائی ہر موقع پر کی ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ

جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے، البتہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لیے اس کی مشیت ہوتی ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّن

ہے ۳ے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنی سرزمین سے مار کر نکال دیے جائیں۔ ۴ے کیا ہم نے ان کو

پچھلے دنوں ہندوستان میں ''عدم تشدد'' یا ''اہنسا'' کے فلسفے کا چرچا بڑے زور و شور سے رہا۔ قرآن مجید کا مطالعہ اگر ذرا بھی غور کر کے کیا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ پوری تعلیم یہاں بھی موجود ہے، البتہ مطلق صورت میں نہیں، بلکہ ایک بڑے نظام کے اندر اپنے متناسب مقام پر۔

۳ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عزیزوں قریبوں کے ایمان نہ لانے پر رنج قدرۃً اور زیادہ تھا، اور شوق و اہتمام بھی انھی کے ایمان لانے کا طبعاً زیادہ تھا، یہ حسرت و تمنا آپ کے لیے بالکل طبعی تھی کہ دور دور کے لوگ آ کر اس نعمت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں، اور اپنے خاص الخاص عزیز، یہاں تک کہ ابو طالب جیسے شفیق چچا اور بزرگ خاندان محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ آیت آپ کی تسلی کے لیے ہے کہ ہدایت کا تعلق تو مشیتِ تکوینی سے ہے، اس میں آپ کی مرضی اور پسند کو دخل نہیں۔

لا تهدی۔ ہدایت کے ایک معنی تو راہ دکھانے، اراءۃ الطریق کے ہوتے ہیں، یہاں اس کی نفی پیمبر کی ذات سے نہیں ہو رہی ہے، وہ تو پیمبر کے عین فرائض میں داخل ہے۔ دوسرے معنی ہدایت کے منزلِ مقصود تک پہنچا دینا اور ایصال الی المقصود ہے، یہاں نفی اسی کی کی جا رہی ہے کہ یہ رسول کے بس کی چیز نہیں، تمام تر مشیتِ تکوینی کے تابع ہے --- اور مشیتِ الٰہی بھی اسی شخص کے لیے ہوتی ہے جو خود اپنی ہدایت چاہتا ہے، اپنی قوتِ ارادی و انتخاب سے صحیح کام لے کر خواہ مخواہ معاند نہیں بن بیٹھتا ہے۔ طلب اگر موجود ہے، تو راہِ حق خود اس طالب پر واضح ہو کر رہے گی۔

۴ے (جیسے اور بہت سے مسلمان مارے نکالے جا چکے ہیں)

أرضنا سے کھلی ہوئی مراد ارض مکہ ہے، اور اس لیے کہ یہ کہنے والے اہل مکہ ہی تھے --- قریش کا ایک گروہ اپنے ایمان نہ لانے کا عذر یہی پیش کرتا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کنبہ حرث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف کا تھا۔

لَهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ

امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی، جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے، لیکن ان میں سے

اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ج

اکثر لوگ (اتنی بات بھی) نہیں جانتے۔ ۵۷ے اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر ناز تھا

اکابرِ قریش یوں بھی دینِ آبائی کو چھوڑ کر نیا دین وآئین اختیار کرنے میں تامل کر رہے تھے کہ پڑوس کے بت پرست ملکوں اور قبیلوں سے جو تجارتی تعلقات پشتوں سے چلے آ رہے ہیں، اور جو معاشی فوائد کعبہ کی تولیت سے قریش کو حاصل ہو رہے ہیں، کہیں وہ سب اس دینی انقلاب سے نہ فوت ہو جائیں، اور ملتِ شرک چھوڑنے سے ان سب سے دست برداری نہ کرنا پڑے۔

۵۷ے یعنی اس پر غور نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ ہماری قدرت اور رزاقی پر غور نہیں کرتے کہ کہاں تو انھیں ایسی ویران اور بیہڑ سرزمین میں پیدا کیا، اور پھر ایک دن کے لیے بھوکا نہ رکھا، رزق کی ہر قسم کی افراط بھی رکھی، اور ان کے وطن کو حرم قرار دے کر کشت وخون تک سے اسے محفوظ کر دیا۔ ایسے قادر ورزاق مطلق کے لیے مشکل کیا ہے، جو اپنے ایمان والے بندوں، اپنے اطاعت شعار غلاموں کو اپنے افضالِ خاص سے مستفید اور تنگی وفلاکت سے برابر محفوظ رکھے؟

حرماً آمناً ۔ سرزمینِ حجاز کی یہ محفوظیت کیا کچھ معجزانہ تھی کہ بڑی بڑی جنگجو، پرقوت سلطنتیں پڑوس میں تھیں، اور کوئی حجاز پر حملہ نہیں کر رہی تھیں۔

یجبیٰ إلیہ ثمرات کل شیئ ۔ اشارہ ہے کہ مکہ کی بہت بڑی منڈی اور تجارت گاہ ہونے کی طرف ---- حرم مکہ کی یہ خصوصیت اس وقت بیان ہوئی تھی، اور اب تو اس سے کئی گنی بڑھ گئی ہے۔ سرزمین مکہ اب تو خیر خود قابلِ کاشت ہوگئی ہے، لیکن جب ناقابلِ کاشت تھی، اور یہ حالت صدیوں تک رہی، جب بھی یہاں کس کثرت سے پھل پھلاری اور تازہ میوے ہر طرف سے کھنچے چلے آتے تھے۔

فَتِلۡكَ مَسٰكِنُهُمۡ لَمۡ تُسۡكَنۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ؕ وَكُنَّا نَحۡنُ الۡوٰرِثِيۡنَ ۞

یہ ان کے گھر (اجڑے ہوئے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لیے، اور ہم ہی مالک رہے۔ ۷۶

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى حَتّٰى يَبۡعَثَ فِىۡۤ اُمِّهَا رَسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ

آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیمبر کو نہ بھیج لے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنادے

اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهۡلِكِى الۡقُرٰٓى اِلَّا وَاَهۡلُهَا ظٰلِمُوۡنَ ۞ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ

اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حال کے کہ وہاں کے باشندے سخت شرارت کرنے لگیں ۷۷ اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے

رزقا من لدنا۔ بغیر زراعت، آبپاشی وغیرہ کے، بغیر کسی ظاہری قدرتی انتظام کے۔

۷۶ (اور کوئی ان کا ظاہری وارث بھی نہیں رہا، اس لیے مادی خوش حالی پر گھمنڈ اور اعتماد کرنا کس درجہ حماقت و نادانی ہے!)

اس میں ڈرایا ہے مکہ والوں کو کہ اپنی خوش عیشی و خوش حالی پر نازاں نہ ہوں، مکہ والوں کی خوش حالی آج بہت سے لوگوں کو ایک عجیب سی بات معلوم ہوگی، دماغ انھیں غربت زدہ، مفلوک الحال و نیم فاقہ کش سمجھتے رہنے کے عادی ہوگئے ہیں، حالانکہ ان کی یہ تصویر واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ مکہ کی منڈی اپنے زمانے کی یوں بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، اس پر اضافہ تاجرانِ مکہ کے شمالی اور جنوبی تجارتِ سفر، ایک موسم میں شام اور دوسرے میں یمن کی جانب۔ اس صورتِ حال نے مل ملا کر اس جاہلیت کے تاجروں کو امیر کبیر بلکہ کہنا چاہیے کہ لکھ پتی بنا دیا تھا۔ اور چونکہ تجارت میں شرکت اور حصہ داری کا طریقہ بھی جاری تھا، اس لیے دولت کی تقسیم بھی عام تھی، شاید ہی کوئی گھرانہ اس تجارتی منافع سے محروم رہتا ہو، اور نفع کا اوسط اصل رقم پر ۴ یا ۵ فیصدی نہیں، اکثر ۵۰، ۵۰ فیصدی ہوتا رہتا ---- ایسی خوش حال آبادی کے سامنے عبرت و تخویف کے لیے مثال بھی قدرۃً کسی متمول و خوش حال ہی قوم کی پیش کرنی مناسب تھی۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۷۷ یہ قہرِ الٰہی کا ایک عام قانون بیان ہو رہا ہے، یعنی کسی آبادی پر عذاب آتا ہی

مِنۡ شَىۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتُهَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ؕ

وہ محض دنیوی زندگی کو برتنے کے لیے ہے اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار تر بھی

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۞ اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ

سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے؟ ۸ بے بھلا وہ شخص جس سے ہم نے پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پالینے والا ہے اس جیسا

مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ثُمَّ هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ۞

ہوسکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کرلیے جائیں گے۔ ۹ بے

نہیں، جب تک پہلے اس کے صدر مقام میں خوب تبلیغ نہ ہولے، اور پھر وہاں کے باشندے ایک مدت مدید تک مسلسل نافرمانیاں نہ کرلیں۔

ظٰلمون۔ ظالم کیا اپنے حق میں اور کیا دوسروں کے حق میں---- عقیدے اور اعمال دونوں میں راہِ حق سے منحرف۔ شرک اور ہر قسم کی باطل پرستیوں میں گرفتار۔

۸ بے یعنی اس دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں کا مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی و چندروزہ بخلاف عیش آخرت کے، کہ وہ بلحاظ نوعیت و کیفیت بھی کہیں اعلیٰ اور بلحاظ بقا تو دائم قائم ہے---- اتنی موٹی سی بات نہ جاہلیین قدیم کی سمجھ میں آئی، نہ جاہلیین جدید کی سمجھ میں آرہی ہے۔ اور قدیم آخرت فراموش قوموں کی طرح آج بھی یورپ اور امریکا، اور ان کی تقلید میں ایشیا اور افریقہ پوری طرح دنیا پرستی میں مبتلا نظر آرہا ہے۔

خوب خیال کرکے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید تعلیم، مطلق ترک دنیا کی کسی موقع پر بھی نہیں دیتا، بلکہ صرف یہ کہتا ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دو، دونوں کی اصل قدر و قیمت سمجھے رہو، اور جب مقابلہ آکر باقی وفانی میں پڑجائے، تو اختیار ہمیشہ باقی ہی کو کرو۔

۹ بے یعنی وہ متاع دنیوی میں بھولا رہنے والا کافر جو مجرم کی طرح قیامت میں پکڑ کر لایا جائے گا، اور وہ مومن جس سے جنت کا وعدہ اور قطعی ایفا ہوکر رہنے والا وعدہ ہے، یہ دونوں کہیں برابر ہوسکتے ہیں؟---- حیاتِ دنیوی کے ساتھ قرآن مجید جس طرح لفظ متاع اس کے عارضی، فانی اور چندروزہ ہونے کو بار بار لایا ہے، بہت قابل غور ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

اور وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سے پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے باب میں تمہارا زعم (یہی) تھا۔

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ج

(اس پر) وہ لوگ بول اٹھیں گے جن پر (اللہ کا) فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا ٨٠ کہ اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا تھا

أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ج تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ز مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا

ہم نے انھیں (بے شک) بہکایا تھا جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ٨١ ہم تیری پیشی میں دست بردار ہوتے ہیں ٨٢ (اور) یہ لوگ کچھ ہم ہی کو تو پوجتے نہ تھے ٨٣ اور کہا جائے گا

٨٠ (بوجہ ان کے پیشوائے ضلالت ہونے کے)

القول۔ یعنی عذابِ موعود۔

أی حق علیه مقتضاه (کبیر، ج ٢٥/ص:٧)

وهو قوله تعالیٰ لأملئن جهنم من الجنة والناس أجمعين وغيره من آيات الوعيد (بيضاوی، ج ٤/ص:١٣١)

شرکاء .... تزعمون۔ مراد ان شرکاء مستحق عذاب سے وہ ساری ہستیاں ہیں، جن کی پیروی انھیں مطاع مطلق سمجھ کر کی جائے۔

٨١ یعنی جس طرح ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا، ہم اپنے ہی ارادے سے بہکے، ہم نے بھی ان لوگوں پر جبر نہیں کیا، یہ لوگ بھی اپنے ہی ارادے سے بہکے ہیں۔

٨٢ (اپنے ان کے تعلقات سے)

مقصود یہ ہے کہ آج جن کی شفاعت پر مشرکوں کو بھروسہ ہے، کل وہ خود ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان سے علیحدہ ہو جائیں گے۔

٨٣ (بلکہ اپنے نفس و خواہش کے اشاروں پر چل رہے تھے)

اور یہی ایک بڑی حد تک نفس واقعہ بھی ہے۔

شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ

کہ اپنے (ان) شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے سو وہ انہیں جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے ۸۴ کاش یہ لوگ

كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۶۵﴾

(دنیا میں) راہ راست پر رہے ہوتے ۸۴ (الف) اور جس دن (اللہ) اُن سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے کیا جواب پیمبروں کو دیا تھا؟ ۸۵

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ

سو اس روز ان (کے دل) سے (سارے) مضامین گم ہو جائیں گے، اور آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کر سکیں گے ۸۶ البتہ جو کوئی توبہ کرے

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ

اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو عجب نہیں کہ (ایسے لوگ) فلاح پانے والوں میں ہوں ۸۶ (الف) اور آپ کا پروردگار

۸۴ (اس وقت اپنی آنکھ سے)

منکرین کے سامنے ان کے حشر کی یہ تفصیلات لے آنے سے مقصود ان کے دلوں میں ان کے انجام کی ہیبت اور ہول کا اتارنا ہے۔

۸۴ (الف) (اور آج اپنا بد انجام دیکھنے سے محفوظ رہتے!)

۸۵ سوال کے اندر خود متعدد علامتیں پوشیدہ ہیں، کہ تبلیغ تو تم پر ہو چکی، رسول تو تمہارے پاس آ چکے، اپنی بے خبری کا عذر تو پیش کر سکتے ہی نہیں ہو، اب یہ بتاؤ کہ تم نے تبلیغ سے اثر کیا قبول کیا؟

۸۶ اپنے انجام کو سامنے دیکھ کر مارے ہول کے ان کی عقلیں معطل ہو جائیں گی، دماغ جواب دے دیں گے، اور کچھ بنائے نہ بن پڑے گی، نہ خود ہی جواب سوجھے گا، نہ دوسروں سے صلاح و مشورہ کر سکیں گے۔

۸۶ (الف) آیات تہویل و تخویف لاتے لاتے قرآن نے حسب معمول اہل ایمان کی کیسی دل دہی و دل داری کر دی ہے کہ ان شدید وعیدوں کا ان سے کیا تعلق۔ وہ تو ان شاء اللہ ہر طرح فلاح یاب ہوں گے ---- اور منکروں کو بھی اس میں بڑی ترغیب و تحریص ہے کہ وقت ہاتھ سے اب بھی نہیں گیا ہے، اور ابھی دنیا میں موقع باقی ہے کہ راہ ہدایت اختیار کر لیں۔

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا

پیدا کرتا ہے، جس چیز کو بھی اس کی مشیت ہوتی ہے اور جو (حکم بھی) وہ پسند کرے ان لوگوں کو تجویز کا کوئی حق نہیں ۸۷؎ اللہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

شرک سے ۸۸؎ اور آپ کا پروردگار سب کی خبر رکھتا ہے، جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں ۸۹؎ اور اللہ وہی ہے کہ اس کے

عسیٰ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے، کہ ایسے موقع پر اظہار شک کے لیے نہیں، یقین دلانے کے لیے ہوتا ہے۔

۸۷؎ سارے تکوینی، تشریعی اختیارات اس کو اور صرف اسی کو حاصل ہیں--- مشرکوں نے اپنے دیوتاؤں کی پوری کونسل بھی فرض کر رکھی ہے، قرآن مجید اس عقیدے پر بھی پوری ضرب لگاتا گیا، اور بار بار بتاتا گیا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی معزز مخلوق کو بھی اس کے دربار میں صلاح ومشورہ پیش کرنے کی مجال نہیں----- بزرگانِ دین، صالحین، اولیاء بلکہ انبیاء کی عقیدت میں غلو رکھنے والے اہل بدعت، اور انھیں مشیتِ الٰہی میں کسی درجہ میں دخیل سمجھنے والے، کاش اِن آیات قرآنی پر کبھی کبھی غور کر لیا کریں!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اپنے ارادے واختیار کے غیر مستقل ہونے کا علماً وعملاً استحضار رکھنا جبریت محمودہ ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۲۷)

۸۸؎ (بلحاظِ ذات بھی اور بلحاظِ صفات بھی)

یونان کے ''حکماء'' بھی اکثر مشرک ہوئے ہیں، خدا کا وجود تسلیم کرنے کے بعد بھی عجب عجب قیود سے اسے مقید مانا ہے۔ آیت، توحیدِ کامل کی شارح، ان سب مشرکوں کی جڑ کاٹ رہی ہے۔

۸۹؎ کھلا ہوا کفر اور چھپا ہوا نفاق سب اس پر روشن وآشکارا ہے--- جس طرح اس کی قدرت نامحدود ہے، اس کا علم بھی کامل اور ہر جز وکل کو محیط ہے۔

اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

سوا کوئی معبود نہیں، (سب) تعریف اسی کی ہے دنیا (میں بھی) اور آخرت میں (بھی)، حکومت بھی اسی کی ہے اور اسی کے پاس تم (سب) لوٹ کر جاؤ گے ۹۰

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رات ہی رہنے دے

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لیے روشنی کر دے؟ تو کیا تم سنتے نہیں؟ آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ

جس میں تم آرام پاؤ؟ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے تمہارے لیے

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

رات اور دن بنا دیے کہ تم اس میں آرام (بھی) کرو اور تاکہ اس کی روزی (بھی) تلاش کرتے رہو، اور تاکہ تم شکر کرتے رہو۔ ۹۱

۹۰ تاکید ہے اس کے اکیلے ہونے کی، اور دوسرے خداؤں کی نفی قطعی کی، یہ نہیں کہ منجملہ اور معبودوں کے ایک وہ بھی ہو۔ اتنا تو مشرکین بھی مانتے تھے۔

حکومت آج بھی حقیقۃً اسی کی ہے، آخرت میں چونکہ بالکل بلا وسائط ہوگی، عیاں وظاہر اور ہر ایک پر منکشف ہو کر رہے گی۔

محققین نے لہ الحمد .. الخ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل بالآخر خیر محض ہی ہے، ورنہ ہر حال میں حمد اس کے لیے ثابت نہ ہوتی۔

والیہ ترجعون ۔ آخرت میں سابقہ صرف اسی سے پڑے گا نہ کہ کسی ''ابن اللہ'' وغیرہ سے کثرت گمرہی کے باعث یہ بات بھی بار بار دہرانے والی تھی۔

۹۱ (اس کی دونوں نعمتوں کا)

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا

اور جس روز اللہ انھیں پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں (اب) وہ جنھیں تم میرا شریک قرار دیتے تھے؟ ۹۱ (الف) اور ہم ہر ہر امت سے

مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوٓا

ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے۔ ۹۲ پھر ہم کہیں گے کہ کوئی دلیل اپنی پیش کرو، سو (اس وقت) وہ (بالیقین) جان لیں گے

''رات ہمیشہ ہونا اس طور پر کہ شمس کو افق سے طلوع نہ ہونے دے یا اس کا نور سلب کر لے، اور دن کا ہمیشہ ہونا کہ شمس کو غروب نہ ہونے دے یا بلا شمس ایسا نور پیدا کر دے''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۲۹)

دن و رات کا چکر، آفتاب کی حرکت وغیرہ نظام فلکیاتی کے چھوٹے بڑے سارے انتظامات بس اسی کے ہاتھ میں ہیں، بغیر کسی کی شرکت کے۔

ولتبتغوا من فضلہ۔ روزی کمانے کے دھندے کو من رحمتہ رحمتِ الٰہی کے تحت میں لانا صاف اس امر پر دلیل ہے کہ معاشی مشغلے اسلام میں کتنی فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں، حقیر و ذلیل نہیں، معزز و مکرم ہیں۔

وفيها إشارة إلى مدح السعي في طلب الرزق وقد ورد "الكاسب حبيب الله" وهو لا ينافي التوكل (روح، ج ۲۰/ص: ۱۰۹)

من رحمتہ میں من سببیہ قرار دیا گیا ہے۔

من هنا للسبب أى وبسبب رحمته إياكم. (بحر، ج ۷/ص: ۱۳۰)

أى بسبب رحمته (روح، ج ۲۰/ص: ۱۰۹)

آیت نے اس حقیقت کو بھی صاف کر دیا کہ یہ سارے انتظامات بندوں ہی کی مصلحت و فلاح کے لیے ہیں۔

۹۱ (الف) (اور ان کی حمایت، نصرت و شفاعت پر بھروسہ رکھے ہوئے تھے)

۹۲ مراد انبیاء علیہم السلام ہیں، جو اپنی اپنی امت کے کفر پر گواہی دیں گے۔

حجت تو کافروں پر خود انھیں کے قول سے پوری ہو جائے گی۔ اہتمام مزید کے طور پر بیرونی شہادتیں بھی مہیا کر دی جائیں گی۔

أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن

کہ سچی بات اللہ کی تھی ۹۳ اور جو کچھ گڑھا کرتے تھے وہ سب ان سے کنارہ کر جائے گا۔ ۹۴ قارون موسیٰ کی قوم

قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ

میں سے تھا ۹۵ سو اس نے ان کے مقابلے میں زیادتی اختیار کی ۹۶ اور ہم نے اسے کتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اس کی کنجیاں

۹۳ (جو انبیاء کے ذریعے سے ان تک پہنچ چکی تھی، مگر پھر بھی اپنی شامت سے اسے جھٹلاتے رہے)

کافروں سے کہا جائے گا کہ کوئی عذر، کوئی جواب رکھتے ہو تو اب پیش کرو نا، انکشاف کامل ہو چکے گا، سب خاموش ولاجواب رہ جائیں گے۔

فعلموا۔ یہ علم، مشاہدہ وعین الیقین کے معنی میں ہے۔

۹۴ جتنے سہارے انھوں نے گڑھ رکھے تھے، کوئی ان میں سے ذرا بھی کام نہ آئے گا، اور وہ شامت زدہ منھ دیکھتے رہ جائیں گے۔

۹۵ یعنی اسرائیلی تھا، قبطی نہ تھا، اور صرف اسرائیلی ہی نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم جد اور عزیز وقریب بھی تھا۔

عربی واردو توریت میں نام قرح کر کے آیا ہے، اور نسب نامہ یوں درج ہے:۔ قرح بن اظہار بن قہات بن لاوی بن اسرائیل، ہمارے ہاں کے نسب ناموں میں املاء یوں آیا ہے:۔ قارون بن یصہر بن تاہث بن لاوی بن یعقوبؑ، تاہث پر جا کر موسیٰ بن عمران کا بھی نسب نامہ مل جاتا ہے۔ اور تاہث بن لاوی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جد امجد تھے، اسی طرح قارون کے بھی تھے۔ اس رشتہ سے قارون آپ کے سگے چچا کا لڑکا ٹھہرتا ہے۔

۹۶ (اپنی دولت وتمول کی بنا پر)

بکثرۃ مالہ (ابن جریر عن قتادۃ، ج ۱۹/ص: ۶۱۶)

یعنی اس نے جماعت اسرائیل کے مقابلے میں شیوۂ تمرد وطغیان اختیار کیا، اپنی دولت پر نازاں ہو کر۔

لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۚ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ

زور آوروں کی ایک جماعت کو گرانبار کردیتی تھیں۔ ۹۷ جب کہ اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت، بے شک اللہ

قارون کی شخصیت تاریخ میں بحثییت ایک بخیل سرمایہ دار بلکہ سرمایہ پرست کے چلی آرہی ہے، اور قرآن اس کے قصے کے ذیل میں معاشیاتِ اسلامی کے گہر پیش کرتا جاتا ہے۔

بغی علیہ کے ایک معنی بڑائی اختیار کرنے کے ہیں، چنانچہ یہاں یہی معنی لیے گئے ہیں۔

أی تکبر و ذلك لتجاوزه منزلته إلیٰ ما لیس له.'' (راغب، ص:٦٦)

اس کے بعد قدرۃً وہ شریعت اسرائیلی سے باہر نکل گیا۔

توریت سے پتا چلتا ہے کہ قارون اپنی قوم اسرائیل سے کٹ کر فرعونیوں سے جاملا تھا، اور یہ کہ اس کو اصلی حسد وعناد حضرت ہارون وحضرت موسیٰ علیہما السلام سے تھا، اور اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی کوئی ۲۵۰ افراد کی اس کے ساتھ ہولی تھی۔

''اور وہ اور بنی اسرائیل میں سے بعض لوگ یعنی اڑھائی سو شخص جو سرگروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے، موسیٰ کے مقابلے میں اٹھے، اور وہ موسیٰ اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوگئے''۔ (گنتی۔۱۶: ۲و۳)

گویا اب اس کی حیثیت دینی اعتبار سے ایک مُرتد کی، اور سیاسی وملی اعتبار سے ایک باغی کی تھی۔

۹۷ یعنی وہ اتنا بڑا سرمایہ دار اور مہاجن تھا کہ ایک مستقل عملہ اس کے ہاں کنجی برداروں ہی کا تھا۔

مختلف تہ خانوں، چوردروازوں، کمروں، الماریوں، ان کے مختلف خانوں، تجوریوں، صندوقچیوں کی کنجیوں کی تعداد اگر پچاسوں بلکہ سیکڑوں کی ہو تو اس میں استبعاد ذرا سا بھی نہیں۔ آج بھی ہر کروڑ پتی سیٹھ ساہوکار کے ہاں منیموں، خزانچیوں، سیاہہ نویسوں، محاسبوں اور ان کے نائبوں، مددگاروں، چپراسیوں، پہرہ داروں کا ایک بڑا سا عملہ کام کرتا رہتا ہے، کنجیاں ظاہر ہے کہ یہ مختلف اہل کار، مزدوروں کی طرح سر پر رکھ کر تو چلتے نہ ہوں گے، جیبوں ہی میں رکھتے یا کمر میں باندھتے ہوں گے، پھر اگر سو سو کنجیاں، دس بیس آدمیوں کے عملہ پر تقسیم ہوں، تو اس میں مبالغہ کا شائبہ ہی کیا ہے؟

روایات یہود میں آتا ہے کہ یہ کنجیاں تین سو خچروں پر لد کر چلتی تھیں، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔
مفاتح کے اصلی معنی تو کنجی کے ہیں۔
جمع مفتح بالكسر وهو مايفتح به (بيضاوی، ج ٤/ص: ١٣٢)
وهو الذي يفتح به الأبواب (ابن جرير، ج ١٩/ص: ٦١٧)
لیکن بعض نے اس سے مراد خزانہ ہی لی ہے۔
وقال بعضهم عنى بالمفاتح في هذا الموضع: الخزائن لِتَنْقِل العصبة. (ابن جرير، ج ١٩/ص: ٦١٧)
قيل بل عنى بالمفاتح الخزائن أنفسها. (راغب، ص: ٤١٥)
مفاتح کے یہ اگر مجازی معنی لیے جائیں تو مراد یہ ہوگی کہ اس کے خزانے کے حسابات، حفاظت، انتظام کے لیے ماہرین (اولو القوة) کا ایک بڑا عملہ موجود تھا۔
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کنجی یا مفتاح سے مراد وہ چھوٹا سا نازک آلہ انچ ڈیڑھ انچ ہی کا کیوں سمجھئے۔ آج کے قفل اور کنجی آج کی ایجاد ہیں، ہزاروں سال کے ارتقاء کے بعد ان کی یہ ہیئت ہوئی ہے۔ دوسرے آلات کی طرح شروع میں یہ بھی بڑے بھدے اور بد قطع تھے، اور اہل فن نے انگریزی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ شروع میں قفل لوہے کے نہیں، بلکہ لکڑی کے ہوتے تھے، اور کنجیاں بہت بڑی ہوتی تھیں (چیمبرس انسائیکلو پیڈیا جلد ۸، ص ۶۳۸، ک ۱) اور ایک کنجی جس کی تصویر اسی انسائیکلو پیڈیا میں دی ہے، اور وہ بھی بہت قدیم زمانے کی نہیں، صرف چند سو سال قبل یعنی قرون وسطیٰ کی ہے، وہ پونے آٹھ انچ لمبی ہے۔ انہی ماہرینِ فن کا بیان ہے کہ مصری کنجیاں ۴ ہزار سال قبل کی بنی ہوئی عجائب خانوں میں محفوظ ہیں --- نومبر ۱۹۷۲ء میں دہلی میں ایک عظیم الشان نمائش سرکاری سرپرستی میں اس وقت "ایشیا ۷۲" کے نام سے قائم ہوئی۔ اس میں یوپی کے حلقہ (پویلین) میں ایک عظیم الشان قفل مع اپنی کنجی کے علی گڑھ کی ساخت کا رکھا اور دیکھا گیا، لمبان میں ڈیڑھ فٹ کا اور چوڑان میں ۴۔ اور کنجی کو گھمانے کے لیے دو دو چار چار آدمی زور آزمائی کرتے رہے۔ ضخامت وجسامت جب عین اس نزاکت ونفاست کے زمانے میں ۱۹۷۲ء میں دیکھی گئی تو ظاہر ہے کہ آج سے سوا تین ہزار برس پیشتر قارون کے زمانے میں وزن اور بھدے پن کے کس مرتبہ پر ہوگی!

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ

اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۹۸ اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ فراموش مت کر ۹۹

عہد عتیق کی کتاب یسعیاہ میں ہے کہ ''اور میں داؤد کے گھر کی کنجی اس کے کاندھے پر دھروں گا'' (۲۲:۲۲) گویا کنجی کوئی ایسی وزنی چیز ہوتی تھی، جو لاٹھی کی طرح کندھے پر رکھی جاتی تھی!---اور اِن یسعیاہ نبی کا زمانہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے زمانے سے قبل نہیں، وہ تو قبل مسیح کا ہے۔ قارون کے زمانے کی کنجی تو اس سے بھی کہیں بڑی اور کہیں وزنی رہی ہوگی---قرآن مجید کے جو بیانات بظاہر غیر اہم اور سرسری معلوم ہوتے ہیں، ان تک کی بھی جتنی زیادہ تحقیق اور چھان بین کیجئے، لفظ بہ لفظ صحیح ہی نکلیں گے۔

۹۸ اتراہٹ یہی ہے کہ گھمنڈ کے نشے میں انسان، خدا اور بندوں کے حقوق واجب کی ادائی میں غافل ہو جائے۔ اور یہاں تو اس کی کم ظرفی اسے پیمبر حق سے سرکشی پر ابھار لائی تھی۔ مومن اسرائیلیوں نے اسے سمجھایا کہ تکبر وخود بینی، آخرت فراموشی اللہ کے ہاں مبغوض ہے۔ بندے کو چاہئے کہ ہر حال میں حدود بندگی کے اندر رہے---شریعتِ الٰہی کسی کے جائز عیش وراحت کو نہیں روکتی، ہر مال دار کو اس نے حدود کے اندر مال سے پورا حظ اٹھانے کا موقع دیا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ سرمایہ کو بتائے اللہ کی مِلک، اور اپنے کو صرف متولی اور امین سمجھے۔ سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو الگ، مختارِ کل نہ سمجھ بیٹھے، اور اپنے کنبے والوں کو، محلے اور بستی والوں کو، عزیزوں قریبوں کو، یتیموں کو، بیواؤں کو، عام اہل حاجت کو، غرض جن کے بھی حق اللہ نے قائم کر دیے ہیں، ان کو نہ بھول جائے، معاشیات اسلامی کا یہ ایک بنیادی اور کلیدی نقطہ ہے۔

فرح۔ افراح ایک تو جائز اور طبعی خوشی کے موقع پر آتا ہے، وہ یہاں مراد نہیں ہے، یہاں مراد وہی اتراہٹ ہے جو نفس کی کجی اور خدا فراموشی سے پیدا ہو جاتی ہے۔

۹۹ یعنی یہ شریعتِ الٰہی کی تعلیم ہرگز نہیں کہ تو ساری کی ساری دولت دوسروں کو دے ڈال، اور خود خالی ہاتھ رہ جا۔ فراغت سے کھا، پی، عیش کر۔ لیکن اپنے حدود کے اندر رہ، حقوق واجب کی ادائی پر توجہ کر کے اس سرمایہ کو توشۂ آخرت بھی بنا لے۔

مِنَ الدُّنۡيَا وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ

اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) حسن سلوک سے پیش آ، اور روئے زمین پر فساد مت پھیلا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝۷۷

بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۱۰۰

ولاتنس نصيبك من الدنيا وهو أن تحصل بها آخرتك وتأخذ منها مايكفيك. (بيضاوى، ج٤/ص:١٣٢)

أى لا بأس بالتمتع بالوجوه المباحة (كبير، ج٢٥/ص:١٤)

أى ماأحل الله لك منها. (ابن جرير. عن الحسن، ج١٩/ص:٦٢٥)

معنى ذلك: لا تترك أن تطلب منها حظك من الرزق (ابن جرير، ج١٩/ص:٦٢٥)

عن قتادة هو أن تاخذ من الدنيا ما أحل الله تعالىٰ لك. (روح، ج٢٠/ص:١١٢)

کتنی حکیمانہ تعلیم اسلام میں صرف مال کی ہے۔ خوش حالوں کو پوری اجازت دی گئی ہے کہ خود بھی فراغت کے ساتھ کھاتے پیتے، اور خوش عیشی کی زندگی بسر کرتے رہیں، البتہ یہ نہ ہونے پائے کہ اس میں پڑ کر دوسروں کے حقوق تلف کرنے لگ جائیں ---- سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کی طرح اسلام ذاتی سرمایہ داری کا مخالف نہیں، صرف اس نے اس کے حدود قائم کر دیے ہیں، اور دوسروں کی طرف سے بے پروا اور سنگ دل ہو جانے کی اجازت نہیں دی ہے۔

سارے بخل وحرص کی جڑ میں یہی آخرت فراموشی کام کرتی رہتی ہے۔ یاد آخرت اگر تازہ رہے تو یہ امراضِ قلب اصلاح پا کر خود اعتدال پر آ جائیں۔

۱۰۰ راہِ کفر ومعصیت کے ساتھ ساتھ بار بار فساد فی الارض کو لا کر قرآن نے بتا اور جتلا دیا ہے کہ غیر اسلامی طریقے اس دنیا کے بھی امن ونظام کے برہم وغارت گر ہیں۔

ولاتبغ الفساد فى الأرض ۔ معاشیات کا ہر طالب علم آج یہ جانتا ہے کہ ہر سرمایہ پرست معاشی توازن کو بگاڑ کر دنیا میں کتنی تباہی اور بربادی کا باعث ہو سکتا ہے ---- اور معاشیات کا رخ تمام تر غیر اسلامی بنا دینے سے زرداروں اور ناداروں، سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان کتنی

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

اس نے کہا مجھ کو تو یہ سب میری ہنر مندی سے ملا ہے۔ ۱۰۱ کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ اس کے قبل کی امتوں میں ایسوں کو

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

ہلاک کر چکا ہے، جو قوت میں بھی اس سے بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی (ان کا) زیادہ تھا ۱۰۲ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت

دوری ہو جاتی ہے، جس نے آج کھلی آنکھوں اس دنیا کو نمونۂ جہنم بنا رکھا ہے۔

أحسن .... إليك ۔ موعظت و ترغیب کی کیسی حکیمانہ اور نفسیاتی مثال ہے، یہی اگر دل میں اتر جائے تو ہر زکات، ہر صدقہ، غریبوں کی ہر امداد کتنی خوشگوار عادت بن جائے!

۱۰۱ (یہ حسن سلوک کی کیا بات، اور اپنے پیسے میں کسی کا استحقاق کیسا؟)

''روشن خیال'' قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسیوں کی سی باتیں ہیں، میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں، مجھے جو کچھ بھی ملا ہے، یہ میں نے اپنی قوتِ بازو سے، اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے، نہ میرے اوپر کوئی احسانِ غیبی، نہ میری کمائی میں دوسروں کا حق۔

علیٰ علم۔ کھلا ہوا اشارہ علم تجارت اور اصول مالیات و معاشیات کی جانب ہے۔

قیل: علم التجارة و الدهقنة و سائر المكاسب (كشاف، ج ٣/ص: ٤١٧ ۔ بيضاوى، ج ٤/ص: ١٣٢)

أراد به علمه بوجوه المكاسب و التجارات. (كبير، ج ٢٥/ص: ١٥)

عارفین نے کہا ہے کہ علم و فضل، فن و ہنر کو اپنی جانب منسوب کرنا، اپنا ذاتی کمال سمجھنا، اور اسے اللہ کا عطیہ نہ جاننا، یہی اصل جڑ ہے مغضوبیت اور مخذولیت کی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح طریقت میں بھی ثمرات کو بجائے فضل و انعامِ خداوندی کے اپنی سعی و مجاہدے کی جانب منسوب کرنا مذموم ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۲۹)

۱۰۲ قارون کی کج فہمی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس کے اتنی عقل نہ آئی کہ اگر دولت مندی، ہنر مندی اور فن دانی ہی کا نتیجہ ہوتی، تو بڑے بڑے سرمایہ دار اور ساہوکار اپنے کو تباہ ہی کیوں ہونے دیتے، اپنے کو ہمیشہ بربادی سے بچائے ہی کیوں نہ رکھتے؟ آیت میں تعلیم اس حقیقت کی ہے کہ قوت

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ

سوال نہیں کرنا پڑتا۔ ۱۰۳ پھر وہ اپنے قوم والوں کے سامنے اپنے (تجمل و) آرایش کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیوی زندگی کے طالب تھے ۱۰۴

الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

بولے کاش ہم کو بھی ایسا ہی (ساز وسامان) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے، بے شک وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ ۱۰۵ اور جن لوگوں کو (دین)

وجمعیت، یعنی مادی ساز وسامان کے بڑے سے بڑے پہاڑ بھی عذاب الٰہی کی گرفت کے مقابلے میں بچاؤ کا کام نہیں دے سکتے۔

۱۰۳ یعنی ان جرائم کی تحقیقات سے متعلق کہ وہ تو خدا کو معلوم ہی رہتے ہیں، کسی پوچھ پاچھ کی ضرورت ہی نہیں، ہاں اس کی رسوائی و تفضیح کے لیے، اور اس پر مزید حجت قائم کرنے کی غرض سے سوالات کیے جائیں تو اور بات ہے---- اس حقیقت کا تعلق تو آخرت کے سوال وجواب سے ہوا، باقی اس دنیا میں یہ قانونِ الٰہی جاری ہے کہ مجرموں، نافرمانوں کو عذاب کی گرفت میں لیتے وقت ان سے کسی صلاح مشورے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

۱۰۴ یعنی ان کے اوپر محبت اسی دنیا، اور اِس کی مادی زیب وزینت کی غالب تھی۔

یریدون الحیوۃ الدنیا۔ یعنی اسی زندگی کے زیب وزینت کو اپنا مقصدِ وجود بنائے ہوئے اور اپنا اصلی مطمح نظر قرار دیے ہوئے تھے---- مادی ماحول میں پرورش پائے ہوئے اور مالی فوز وفلاح ہی کو مآلِ زندگی سمجھنے والے، اسی طرح رشک ہر دولت مند قوم وشخص پر کیا کرتے ہیں۔

فخرج...... زینتہ۔ حریصانِ جاہ جب تک دوسروں پر اپنے تجمل وشان کا اظہار کر کے ان کے دلوں پر اپنی بڑائی کا سکہ نہ بٹھالیں، ان کے جذبات کو تسکین نہیں ہوتی ---- قارون ایک دن جب اپنی قوم والوں کے سامنے برآمد ہوا، تو اس زمانے وماحول کے سارے بہترین سامانِ زینت وتجمل کو لیے ہوئے، پوری شان وشوکت، ٹھاٹھ اور ٹھسے کے ساتھ۔

۱۰۵ دوسروں کے ظاہری ساز وسامان، ٹیپ ٹاپ پر پھسل پڑنا فطرتِ بشری کی کمزوریوں میں ہمیشہ سے داخل رہا ہے۔ یہاں اہل ایمان بنی اسرائیل کی زبان پر اس کلمۂ رشک کا

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا

فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے اوپر نیکی پڑے، اللہ (کے ہاں) کا ثواب کہیں بہتر ہے (جو ایسے شخص کو ملتا ہے) جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے

يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ

اور وہ تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔ ۱۰۶ پھر ہم نے اس (قارون) کو مع اس کے مکان کے زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی

آنا، اسی فطرتِ بشری کا ظہور تھا --- آیت میں بڑا درس عبرت ہے اُن مسلمانوں کے لیے جو آج امریکا یا روس یا دوسری فرنگی قوموں کے ٹھاٹھ باٹھ پر ریجھے ہوئے ہیں۔

تلبیت ....قارون۔ "یہ تمنا حرص کی بنا پر تھی، اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا اب بھی بعضے آدمی باوجود مسلمان ہونے کے شب و روز دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں، اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں" (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۱)

توریت میں آتا ہے کہ اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت قارون کے ساتھ ہوگئی تھی، اور روایاتِ یہود میں مؤیدین کی ایک بڑی جماعت کا ذکر ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ وقال الذین أوتوا العلم کے مقابلے میں یہ وقال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا اس پر دلیل ہے کہ علم معتبر وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۰)

۱۰۶ اسرائیلیوں میں جو صاحبِ فہم و تقویٰ تھے، انھوں نے اپنی قوم والوں کو سمجھایا کہ اس دنیوی ٹیپ ٹاپ میں کیا رکھا ہے؟ اصل شے تو خدا کے ہاں کا اجر ہے، اور وہ مشروط ہے ایمان وطاعت کے ساتھ۔ اور اجر میں بھی درجۂ کامل کا مستحق وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو دنیوی حرص و طمع سے روکے رہے۔

ویلکم۔ اصلاً تو بددعا کا کلمہ ہے، لیکن محاورے میں تنبیہ کے موقع پر بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مراد ہے۔

أصله الدعاء بالهلاك ثم استعمل في الزجر والردع والبعث على ترك ما لا يرتضى. (کشاف، ج ۳/ص: ۴۱۸)

لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

جماعت اس کے لیے ایسی نہ ہوئی جو اسے اللہ کے مقابلے میں بچالیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا ۱۰۷؎

شاع استعماله فی الزجر عما لا یرتضی، والمراد به هنا الزجر عن التمنی.

(روح ج۲۰/ص:۱۲۲)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا و لایلقّٰھا إلا الصابرون دال ہے مطلوبیتِ مجاہدہ پر۔ (تھانوی، ج۲/ص:۲۳۰)

۱۰۷؎ یعنی نہ اس کی اپنی ہی ہنرمندی اور کاردانی کام آئی، جس پر اسے ناز رہتا تھا اور نہ ہمدردوں کا وہ جتھا ہی کام آسکا، جو اس نے پیدا کرلیا تھا، اور جس پر اسے بڑا گھمنڈ تھا۔

زمین میں دھنسنے کا ماجرا، توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔

''تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا، اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کرکے فرمایا: تم آپ کو اس گروہ میں سے جدا کرو، تاکہ میں انھیں ایک پل میں ہلاک کروں......... تب خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تو جماعت کو کہہ کہ تم قرح اور داثن اور ابیرام کے خیمے کے گرداگرد سے دور رہو......... تب موسیٰ نے کہا تم اس سے جانیو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے کہ یہ سب کام کروں، اور کہ میں نے کچھ اپنی خواہش سے نہیں کیا۔ اگر یہ آدمی اسی موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں، یا ان پر کوئی حادثہ ایسا نہ ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں۔ پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منھ پھیلائے اور ان کو اس سب سمیت جو اُن کا ہے، نگل جائے اور وہ جیتے جی گور میں جائیں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خدا کی اہانت کی ہے۔ اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا، تو زمین جو ان کے نیچے تھی پھٹی۔ اور زمین نے اپنا منھ کھولا، اور انھیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قرح کے تھے، اور ان سب کے مال کو نگل گئی، سو وہ اور سب جو اُن کے تھے جیتے جی گور میں گئے اور زمین نے انھیں چھپالیا، اور جماعت کے درمیان سے فنا ہوگئے'' (گنتی۔۱۶: ۲۰-۳۳)

وَاَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ

اور کل جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (اب) کہنے لگے بس تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں

یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ مَّنَّ

میں سے جس کو اس کی مشیت ہوتی ہے خوب روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) تنگی سے دیتا ہے، اگر ہم پر اللہ

اللّٰہُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ تِلۡکَ

(اپنا) کرم نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا، بس تو معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔ ۱۰۸ یہ عالم آخرت تو

مکانوں اور عمارتوں بلکہ پوری پوری آبادیوں کا زلزلے وغیرہ کے اثر سے زمین میں دھنس جانا دنیا کی تاریخ میں نامعلوم نہیں، اور پھر خدا اور بندوں کے ایسے مجرم کے لیے اس سزا سے دوچار ہونا تو کچھ ایسا غیر قدرتی بھی نہیں --- اس تفسیر کی عین نظرِ ثانی کے وقت مارچ ۱۹۷۱ء کے تیسرے ہفتے میں روزناموں میں خبر شائع ہوئی ہے کہ لیما دارالحکومت پیرو (جنوبی امریکا) سے کچھ فاصلے پر کان کنی کے ایک علاقے میں ایک جھیل اُبل پڑی، ایک بڑا وسیع تختۂ زمین دھنس گیا اور پندرہ سو افراد فی الفور ہلاک ہوگئے۔

۱۰۸ اب سب کے سب گھبرائے، اور جو بھی کل تک رشک کر رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر بولے کہ بے شک یہ ہماری حماقت تھی، جو ہم دولت کی کمی بیشی کو بدنصیبی و خوش نصیبی سے تعبیر کر رہے تھے، یہ تقسیم تو سرتاسر حکمتِ تکوینی کے ماتحت ہے۔ حرصِ دنیا تو ہم پر بھی مسلط ہو چکی تھی، یہ کہو اللہ نے ہمیں بچا دیا، ورنہ آج یہی حشر ہمارا بھی ہونا تھا --- لخسف بنا سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب اپنا سببِ موت، زمین کی دھنسائی ہی کو سمجھتے، مطلق اپنا انجام بد، اور اپنا نیست و نابود ہو جانا البتہ سب ہی کو یاد پڑے گا، خواہ وہ کسی بھی ذریعے سے ہو۔

توریت میں ہے:-

''اور سارے بنی اسرائیل جو اُن کے آس پاس تھے، ان کا چلّانا سن کے بھاگے کہ انھوں نے کہا، نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جائے۔ پھر خداوند کے حضور سے ایک آگ نکلی اور ان اڑھائی سو کو جنھوں نے بخور گزرانا تھا، کھا گئی۔'' (گنتی۔ ۱۶: ۳۴ و ۳۵)

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا

ہم انھی لوگوں کے لیے خاص کردیتے ہیں جو زمین پر نہ بڑا بننا چاہتے ہیں نہ فساد کرنا اور انجام

فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ

(نیک) تو متقیوں ہی کا (حصہ) ہے ۱۰۹ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا

یشاء .... ویقدر ۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ خوش حالی اور تنگ دستی کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت اور مردودیت سے ہرگز نہیں۔ معاشیاتی تقسیم کی بنیادیں کچھ اور ہی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ہر حال میں اخلاقی قدروں کے ساتھ متحد اور اُن کے مترادف ہوں۔

ویکانه لایفلح الکفرون ۔ آخری اور اختتامی فلاح بے شک کافروں کے نصیب میں نہیں۔

۱۰۹ (تو کیسا خوش نصیب ہے وہ جس کے نصیب میں تقوے کی دولت آگئی!)

علواً ۔ علو سے مراد معصیت نفسانی لی گئی ہے، اور فساد سے گناہ متعدی۔ دوسرے معانی بھی منقول ہیں۔

(علواً) أی بغیاً ابن جبیر، وظلماً الضحاک أو کبراً. (مدارک، ص:۸۸۲)

(فساداً) أی عملاً بالمعاصی (مدارک، ص:۸۸۲)

"یہ علو اور فساد اگر حد کفر تک ہے تب تو مطلقاً مانع حصولِ ثوابِ آخرت ہے، اور اگر حد کفر تک نہیں، تو مانع حصولِ کمالِ ثوابِ آخرت ہے۔ اور یریدون کے لانے میں اشارہ ہے کہ عزم معصیت بھی معصیت ہے گو معصیت پر دسترس نہ ہو" (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۲)

علو اور فساد فی الأرض بہر حال دونوں اس درجہ اللہ کے ہاں مبغوض ہیں کہ ان کے پیچھے پڑا رہنے والا آخرت کی نعمتوں سے محروم ہی رہ جاتا ہے --- ترقی کی حریص اور اسی میں پڑی رہنے والی قومیں اور ان کے پرستار کاش قرآن سے ہدایت حاصل کرتے!

آیت، قرآن کی ان آیتوں میں سے ہے، جن میں چند مختصر الفاظ کے اندر گہرے اصول اور پورے پورے قانون بیان کردیے گئے ہیں، اور اس قابل ہے کہ پڑھا لکھا شخص اپنے اپنے کمرے میں اس کا کتبہ لگا کر ٹانگ دے کہ ہر وقت پیش نظر رہے۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز اموی، جنھیں پانچواں

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا

اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا، سو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں بدلہ بس اتنا ہی ملے گا جتنا وہ

يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ

کرتے تھے۔ ۱۱۰ جس (اللہ) نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو اصل ٹھکانے پر پہنچا کر رہے گا۔ ۱۱۱

خلیفہ راشد سمجھا گیا ہے، ان کی بابت تاریخوں میں درج ہے کہ نزع کے وقت یہی آیت زبان پر تھی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آخرت سے جس طرح عمل بالمعاصی مانع ہے اور فساد سے یہی مراد ہے، اسی طرح کبر بھی اس سے مانع ہے اور علو سے یہی مراد ہے۔ اسی لیے اہل طریق ترکِ معاصی ہی کا سا اہتمام ازالہ تکبر کا بھی کرتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۲)

العاقبة للمتقين۔ جس طرح کافر کی قسمت میں فلاحِ حقیقی سے محرومی ہے اسی طرح حسنِ عاقبت متقین کے نصیب کے ساتھ مخصوص ہے۔

۱۱۰ یعنی عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عمل بد کا مقتضا ہے، اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملا کرے گا، جس کا اقل درجہ حدیث نبوی کے مطابق، دس گنا ہے ---- قرآن کا خدا بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، کریم ورحیم، توّاب وغفار خدا ہے، مشین کی طرح بے جان وبے ارادہ خدا نہیں۔

نیکی اور بدی دونوں کی خدائی جزا میں جو عظیم الشان فرق ہے، اس کا قانون بھی یہاں کھول کر بیان کر دیا ہے۔

۱۱۱ (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحب حکومت ہوں گے)

یہ آپؐ کی تسلی میں اس وقت ارشاد ہوا جب عین آغازِ ہجرت میں مفارقتِ وطن سے آپؐ کو طبعی صدمہ ہو رہا تھا، اور زخم بالکل تازہ تھا، اس لیے کہ ابھی آپؐ مدینہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے، بلکہ راہ ہی کی ایک منزل جحفہ میں تھے۔

عن مقاتل قال إنه عليه الصلاة والسلام خرج من الغار وسار في غير الطريق مخافة الطلب، فلما أمن رجع إلى الطريق ونزل بالجحفة بين مكة والمدينة.........فنزل

جبریل علیه السلام..........فقال جبریل علیه السلام: فإن الله تعالیٰ یقول: إن الذی فرض علیك القرآن لرادك إلی معاد یعنی إلی مکة ظاهراً علیهم. (کبیر، ج۲۵/ص:۱۹)

وروی عن غیر واحد أن الآیة نزلت بالجحفة بعد أن خرج صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من مکة مهاجراً واشتاق إلیها. (روح، ج۲۰/ص:۱۲۸)

اس قطعیت وتحدی کے ساتھ پیش خبری کردینا، جب کہ سارے آثارِ ظاہر اس کے مخالف تھے، بجز کلام الٰہی کے اور کس کا کام ہوسکتا ہے!

معاد۔ لفظی معنی واپسی کی جگہ کے ہیں۔

وقد یکون للمکان الذی یعود إلیه (راغب، ص:۳۹٤)

مراد شہر مکہ سے لی گئی ہے۔

عن ابن عباس لرادك إلی معاد قال: إلی مکة (بخاری۔ کتاب التفسیر، رقم:٤۷۷۳)

روی ذلك أیضاً عن مجاهد والضحاك (روح، ج۲۰/ص:۱۲۸)

وفی الموضع الذی خرجت منه وهو مکة. (ابن جریر، ج۱۹/ص:٦٤۱)

وهو قول جابر بن عبدالله وابن عباس ومجاهد وغیرهم. (قرطبی، ج۱۳/ص:۳۲۱)

ایک تفسیر معادِ حقیقی یعنی جنت سے بھی آئی ہے۔

عن ابن عباس قال: إلی الجنة (ابن جریر، ج۱۹/ص:٦۳۹)

عن جابر عن عکرمة قال: إلی الجنة (ابن جریر، ج۱۹/ص:٦۳۹)

عن علی کرم الله تعالیٰ وجهه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه فسر المعاد بالجنة. (روح، ج۲۰/ص:۱۲۸)

راغب نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے۔

والصحیح ما أشار إلیه أمیر المؤمنین رضی الله عنه وذکره ابن عباس إن ذلك إشارة إلی الجنة التی خلقه فیها بالقوة فی ظهر آدم وأظهر منه. (راغب، ص:۳۹٤)

فرض علیك القرآن۔ یعنی قرآن کو بطور حکم کے آپ پر اتارا ہے، اس پر عمل آپ پر واجب کیا ہے۔

قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا

آپ کہہ دیجئے، میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے ۱۱۲ اور آپ

كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

کچھ (اس کا) آسرا لگائے ہوئے نہ تھے کہ آپ پر (یہ) کتاب نازل کی جائے گی، مگر آپ کے پروردگار کی رحمت سے (نازل ہوئی) سو آپ (ان) کافروں

ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ

کی ذرا بھی تائید نہ کیجئے گا۔ ۱۱۳ اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہوں تو ایسا نہ ہونے چاہئے کہ یہ ان سے آپ کو روک دیں

اِلَیْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ

اور آپ اپنے پروردگار کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہئے اور (ان) مشرکوں میں شامل نہ ہوجایئے۔ ۱۱۴ اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود

أى أوجب عليك العمل به (راغب، ص: ٤٢١)

أى أوجب عليك العمل به كما روى عن عطاء وعن مجاهد. (روح، ج ٢٠/ص: ١٢٨)

۱۱۲ مطلب یہ ہے کہ میرے حق ہونے اور تمہارے باطل ہونے پر تو دلائلِ قطعی موجود ہیں، ادنیٰ غور سے سمجھ میں آسکتے ہیں، جب ان سے کام ہی نہیں لیتے ہو تو خیر۔ اخیر جواب یہ ہے کہ اللہ ہی بتلا دے گا۔

۱۱۳ (جیسا کہ اب تک بھی ان سے الگ تھلگ ہی رہے ہیں)

آیت نے اس حقیقت کو بالکل صاف کردیا کہ منصبِ نبوت سے سرفراز ہونے میں نبی کی سعی و کاوش کو کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ ایک مرتبۂ موہوب ہے۔

إلا رحمة من ربك۔ منصبِ نبوت پر سرفرازی تمام تر ایک عطیۂ الٰہی ہے، جس کا منشا و مبنیٰ رحمتِ الٰہی ہی ہے۔

۱۱۴ (بلکہ جیسا اب تک شرک سے معصوم رہے ہیں، آیندہ بھی رہئے)

"ان آیتوں میں کفار و مشرکین کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے، اور روئے سخن انھی کی طرف ہے کہ تم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو، اس

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط

کو نہ پکاریئے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا، ہر شے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے۔ ۱۱۵

میں کامیابی کا کبھی احتمال نہیں، مگر عادت یہ ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے اس سے بات نہیں کیا کرتے۔ اپنے محبوب سے باتیں کر کے اس شخص کو سنایا کرتے ہیں۔'' (تھانوی، ج۲/ص:۲۳۴)

مفسرین نے کہا ہے کہ لفظاً یہاں خطاب آپ سے ہے، لیکن مراد آپ کی امت والے ہیں، اور ایسے خطابات کے موقع پر یہی تفسیر معتبر سمجھی گئی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: الخطاب فی الظاهر للنبی ﷺ والمراد به أهل دينه. (معالم، ج۳/ص:۵۴۸)

لعل الخطاب معه ولكن المراد غيره (کبیر، ج۲۵/ص:۲۰)

وهذه المناهى كلها ظاهرها انها للرسول وهى فى الحقيقة لاتباعه. (بحر، ج۷/ص:۱۳۷)

تفسیر ابن جریر کے شروع ہی میں اسے مفصل بیان کر دیا گیا ہے کہ قرآن کا ایک خاص اسلوبِ بیان یہ بھی ہے کہ صیغۂ مخاطب واحد لا کر حقیقۃً خطاب ساری امت سے کیا جاتا ہے۔

وادع إلى ربك۔ یعنی اپنے پروردگار کی توحید و معرفت کی طرف دعوت دیتے رہیے۔

أى إلى معرفته و توحيده (معالم، ج۳/ص:۵۴۸)

۱۱۵ جس کثرت و شدت سے توحید باری قرآن میں دہرائی گئی ہے، وہی اس کی اہمیت و عظمت کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ مقصود تکرار سے یہی ہے کہ بندوں کو ہر وقت اس کا استحضار رہے۔

كل شيء .... وجهه ۔ اس میں رد آ گیا، ان ساری مشرک قوموں کا جنھوں نے

صانع مطلق کے ساتھ ساتھ روح یا مادہ یا کسی اور چیز کو بھی ازلی وابدی تسلیم کیا ہے۔

وحدت الوجود کے ماننے والوں نے اس آیت سے اپنے عقیدے پر بھی استدلال کیا ہے۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ آیت میں ھالك بصیغۂ اسم فاعل ہے، نہ کہ یھلك بصیغۂ مضارع و بمعنی مستقبل۔ گویا مراد یہ نہیں کہ عملِ فنا آیندہ کسی زمانے میں طاری ہوگا، بلکہ مراد یہ ہے کہ عملِ فنا ہر موجود پر مستقلاً طاری ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور اس کا تحقق اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ھالك کو کالھالك اور معدوم کو کالمعدوم کے معنی میں لیا جائے، اور مراد یہ سمجھی جائے کہ موجودات کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب سے ہر وقت قابل عدم ہے، اور وجود مثل لا وجود کے ہے۔

وجھه سے مراد ذات باری ہے کہ وہی ایک قائم ودائم ہے۔

أی إلا ذاته (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٣٤)

الوجه هو الوجود والحقیقة (کبیر) والمراد کل شیئ هالك إلا هو. (کبیر، ج ٢٥/ص: ٢٢)

إخبار بأنه الدائم الباقی الحی القیوم الذی تموت الخلائق ولا یموت، فعبّر بالوجه عن الذات (ابن کثیر، ج ٣/ص: ٣٧٧)

إلا إیاه قاله الزجاج (بحر، ج ٧/ص: ١٣٧)

فالوجه یعبّر به عن الذات (مدارك، ص: ٨٨٣)

وجـــہ کے معنی جس طرح ذات کے ہیں، اسی طرح رضا و رضوان کے بھی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید کی ہی متعدد آیتوں سے ظاہر ہو رہا ہے، یریدون وجه الله۔ إنّما نطعمکم لوجه الله۔ إلا ابتغاء وجه ربه الأعلیٰ۔ إلا ابتغاء وجه الله۔ وغیرہا۔

یہ پہلو اختیار کر کے اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر شے فانی ہے، بجز اس عمل کے جو رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے۔ اور بہت سے اکابر اسی طرف گئے ہیں۔

إنما عنی الوجه الذی یؤتی منه، ومعناه کل شیئ من أعمال العباد هالك وباطل إلّا ما أرید به الله (راغب۔ عن أبی عبدالله بن الرضا، ص: ٥٨٥)

يعني ما كان لرضاه وإرادته (حصاص ج ۱ /ص:۶۳)

قال أبو العالية: إلا ما أريد به وجهه. (معالم، ج۳ /ص:٥٤٨)

وقال مجاهد والثوري أي إلا ما أريد به وجهه. (ابن كثير، ج۳ /ص:۳۷۷)

هذا إخبار عن كل الأعمال بأنها باطلة إلا ما أريد به وجه الله تعالىٰ من الأعمال الصالحة المطابقة للشريعة. (ابن كثير، ج۳ /ص:۳۷۷)

وقال مجاهد والسدى هالك بالموت إلا العلماء فإن علمهم باق ويريدون إلا ماقصد به وجهه من العلم فإنه باق. (بحر، ج۷ /ص:۱۳۷)

امام رازیؒ نے وجہ کی تفسیر میں مجسمہ کی طرف سے اعتراض نقل کیا ہے کہ وجہ (چہرہ) تو ایک عضو جسمانی ہے، اور اس کے اثبات سے اللہ کا مجسم ہونا لازم آتا ہے، پھر اس کا بڑا دلچسپ جواب دیا ہے کہ اگر اس سے حق تعالیٰ کے چہرے کا اثبات ہوتا ہے تو پھر اس کا بھی اثبات ہو جاتا ہے (نعوذ باللہ) کہ اس کا باقی جسم سب فانی ہے! (کبیر، ج۱۲ /ص:۳۶)

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور میرے اوپر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا۔ ۵۲

ذٰلِكَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡهِ یَمۡتَرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم۔ (یہ ہے وہ) سچی بات جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ ۵۳

اس حسنِ سلوک کے موقع پر بجائے والدین کے صرف والدہ کا نام لانا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ آپ کی پیدائش، والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔

۵۱ (کہ میں خلق یا خالق کسی کے بھی ادائے حقوق میں کمی کروں۔ یا اعمال کے ترک سے بدبختی خریدوں) انجیل میں آپ کی زبان سے ہے:۔ "میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن" (متی ۱۱-۲۹) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنی زبان سے اپنے اوصاف کمال کا ظاہر کرنا بالکل جائز ہے بشرطیکہ مقصود تعارف ہو، ناز و افتخار نہ ہو۔

یدل انہ یجوز للانسان ان یصف نفسہ بصفات الحمد والخیر اذا اراد تعریفھا الی غیرہ لاعلی جھۃ الافتخار (جصاص)

۵۲ سلام یہاں وسیع معنی میں ہے، یعنی اللہ کے حفظ و امن کے مرادف ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۰

یَوۡمَ وُلِدۡتُّ ۔ یعنی زندگی بھر اور اس دنیا میں۔

یعنی فی الدنیا۔ (قرطبی)

یَوۡمَ اَمُوۡتُ ۔ یعنی عالم برزخ و قبر میں۔

یعنی فی القبر (قرطبی)

یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ۔ یعنی حشر میں۔

یعنی فی الأخرۃ (قرطبی)

ضمناً مسیح پرستی کا بھی رد نکل آیا۔ آیت نے کھل کر کہہ دیا کہ عیسیٰ ابن مریم پر ہر انسان کی طرح یہ تین دور طاری ہوں گے۔ وہ زندہ رہیں گے، پھر وفات پا جائیں گے اور پھر قیامت میں محشور ہوں گے۔ ہر حال اور ہر عالم میں اللہ کے لطف و کرم سے سرفراز۔ ان میں وصف معبودیت کا کوئی شائبہ ہی موجود نہیں۔

۵۳ یہ ہے ان کی صحیح کیفیت۔ یہ ہے ان کے نبی اور بندۂ مقبول و مقرب ہونے کا صحیح اور سچا بیان۔ نہ وہ خدا، نہ فرزندِ خدا، نہ مظہرِ خدا، جیسا کہ عیسائیوں نے گڑھ رکھا ہے، اور نہ وہ بندۂ نامقبول اور مردود و مخذول جیسا کہ یہود نے طرح طرح انھیں متہم کر رکھا ہے۔

الَّذِیۡ فِیۡهِ یَمۡتَرُوۡنَ ۔ ان کے باب میں جھگڑا کرنے والی یہی افراط و تفریط میں مبتلا اور غلو کرنے والی قومیں ہیں۔

(۲۹)

سورۃ عنکبوت مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞

الف ۔ لام ۔ میم ۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے؟ ۱

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

اور ہم تو انھیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے قبل گزرے ہیں، سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے

۱ (طرح طرح کے مصائب سے)

یعنی اسے امتحانات ضرور پیش آئیں گے۔

اشارہ ہے ان مومنین کی طرف جو مشرکین کی مسلسل وشدید ایذاء سے گھبرا گئے تھے۔

أظن الذين خرجوا يا محمد من أصحابك من أذى المشركين إياهم أن نتركهم بغير اختبار و لا ابتلاء امتحان. (ابن جریر، ج ۱۹/ص: ۷)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس پر دال ہے کہ مجاہدہ وصول الی المقصود کے شرائط عادیہ میں سے ہے اگرچہ اضطراری ہی ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۵)

الٓمّٓ ۔ حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ مراد فقرہ أنا اللہ أعلم لی گئی ہے۔

قال ابن عباس: المعنی أنا اللہ أعلم. (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۲۳)

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ

اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ٢ ہاں تو کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم سے نکل بھاگیں گے

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٤﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ

کیسی بیہودہ ان کی (یہ) تجویز ہے! جو کوئی اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو، سو اللہ کا وہ معین وقت تو ضرور ہی آنے والا ہے ٣

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٥﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ

اور وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ ٤ اور جو کوئی محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے محنت کرتا ہے ٥

٢ یعنی جس طرح سابق امتوں کے مومنوں کی آزمائشیں ہو چکی ہیں، ان لوگوں کے ساتھ بھی یہ معاملات پیش آ کر رہیں گے۔ جو اپنے دعوے میں سچے ہوتے ہیں، وہ امتحان سے اور پختہ ہو جاتے ہیں، اور جن کے دعوے محض زبانی ہوتے ہیں وہ نکل بھاگتے ہیں۔

لیعلمن اللہ۔ اللہ جان کر رہے گا، یعنی علم ظاہری سے، خلقت کی نظر میں۔ ورنہ حقیقۃً تو اللہ کو علم شروع ہی سے ہے اور آزمائش ہر فرد اور ہر گروہ کی اس کی صلاحیت و استعداد و ظرف کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

٣ (سوا یسوں کو تو ان واقعات سے پریشانی کی مطلق کوئی وجہ نہیں، وقت موعود پر ان کے سارے غم غلط ہو کر رہیں گے)

ام .... یحکمون۔ مشرک جاہلی قوموں کا اپنے دیوی دیوتاؤں پر قیاس کر کے خود حق تعالیٰ کے متعلق بھی یہ سمجھے رہنا کہ اس کی گرفت سے نکل جانا بالکل ممکن ہوگا، ذرا بھی تعجب انگیز نہ تھا۔

٤ وہ سمیع ہر طاعت قولی سے واقف۔ وہ علیم ہر طاقت فعلی پر مطلع۔ اس کی راہ میں آج جتنی بھی کلفتیں اٹھانا پڑ رہی ہیں سب کی جزائے خیر ایک ایک کر کے انھیں مل کر رہے گی۔

خدائے اسلام جاہلی قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں کہ اس کا علم ناقص ہو، اس کے حواس محدود ہوں وغیرہا --- صفات باری، سمع و علم کا یہ پُرزور اثبات انھی مشرک قوموں کے باطل عقیدوں کے رد میں ہے۔

٥ (نہ یہ کہ اس سے اس کے معبود کو کوئی نفع پہنچے)

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ۞ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے ۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا

ہم ان کے گناہ ان سے ضرور دور کر کے رہیں گے ۷ اور ہم ان کو ان کے اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ

لنفسہ۔ یعنی اپنے ہی نفع و راحت کے لیے---اور اپنے نفع کا علم ہو جانے کے بعد قدرۃً ہر مشقت آسان ہو جاتی ہے۔

مشرک جاہلی قوموں کا فلسفہ یہ تھا کہ بندے جس طرح خدا کے محتاج ہیں، خدا بھی اسی طرح ان کا محتاج ہے، اور جس طرح وہ ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے، یہ بھی تو برابر اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں!

۶ (اور وہ کسی سے بھی حصول نفع کا متوقع نہیں)

غنی۔ ''بے نیاز'' یہاں اردو کے ''بے پروا'' کے معنی میں نہیں، غیر محتاج کے معنی میں ہے، یعنی تم جو خدا کو بھی کسی معنی میں اپنا محتاج و دست نگر سمجھ رہے ہو، یہ تمام تر جہل ہے، وہ تو مخلوق میں سے کسی کا کسی معنی میں بھی دست نگر نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں مجاہدے کے بعد عُجب اور دعوائے استحقاق پیدا ہونے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۵)

۷ چنانچہ مومنین صالحین کے بعض گناہ محض توبہ سے کہ وہ بھی ایک فرد ہے عمل صالح کی، معاف ہو جائیں گے اور بعض دوسرے حسنات سے اور بعض محض فضل خداوندی سے۔

لنکفرنّ کی تاکید، اور دوہری تاکید پیش نظر رہے، یعنی ایسوں کے گناہوں کا کفارہ ضرور ہی ہو کر رہے گا، یہ ایک مؤکد وعدہ ہے۔

عصمت یا معصومیت، کسی بندۂ مومن کا حصہ نہیں، بس فضل خداوندی اس کا البتہ ضامن ہے کہ وہ ان کے سیئات کا کفارہ کر دے گا----بعض ہلکے ظرف والے جو تھوڑے سے مجاہدے کر کے ان پر مغرور ہو جاتے ہیں، اور اپنے کو معصوم سمجھنے لگتے ہیں، یا ان کے مریدین و معتقدین غلو

يَعْمَلُوْنَ ۞ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ

دے کر رہیں گے۔ ۸ اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ سلوک نیک کا، لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے، میں تمہیں جتلا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہتے تھے ۹

کر کے ان کے لیے مرتبۂ عصمت ثابت کرنے لگتے ہیں، ان سب کی آنکھیں کھلنے کے لیے ایسی آیتیں کافی ہیں۔ پختہ ایمان و پیہم عمل صالح کے بعد بھی یہ نہیں ہوتا کہ صدور سیئات کا راستہ ہی سرے سے بند ہو جائے، ہاں یہ ہے کہ نیکیوں کا غلبہ فضل خداوندی سے بدیوں کا کفارہ کرتا جاتا ہے۔

۸ یعنی ان کے اعمال حسنہ کی جزا ان کے اصل استحقاق سے کہیں بڑھ کر--- آیت کے دونوں اجزا کو ملانے کے بعد کتنی ڈھارس ہر بندۂ مومن کو بندھ جاتی ہے، اور کتنی پُر امید زندگی ہر مومن عاصی کی ہو جاتی ہے!

۹ والدین کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں عام ہے، بار بار آیا ہے۔ اس خاص آیت سے متعلق واقعۂ نزول صحیح مسلم و جامع ترمذی دونوں میں یہ منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب ایمان لے آئے، تو ان کی مشرک والدہ بہت ہی ناخوش ہوئیں، اور قسم کھا کر کہا کہ میں کھانا پانی چھوڑتی ہوں اور چھوڑے رہوں گی جب تک کہ تو اسلام ترک نہ کرے گا--- یہ گویا تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال (بلکہ بھوک پیاس ہڑتال) کی تھی--- اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور ارشاد ہوا کہ ایسی باتوں میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔ (مسلم، رقم: ۱۷۴۸، ترمذی، رقم: ۳۱۸۹)

لیس لك به علم۔ علم یہاں دلیل یا تحقیق یا ثبوت کے مفہوم میں ہے، قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کا اثبات کیا ہے کہ شرک کے حق میں نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی کسی قسم کی قائم ہے۔

کتنی صحیح، متوازن، حکیمانہ تعلیم بندوں کو مل رہی ہے کہ دنیوی امور میں تو حسن سلوک والدین کے ساتھ جاری رکھو، لیکن (دینی معاملات (اطاعت خالق) میں ان کی بات نہ مانی جائے گی)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ وَمِنَ النَّاسِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے انھیں ہم نیک بندوں میں داخل کر کے رہیں گے ۹ (الف) اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو (زبان سے)

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ

کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب اللہ (کی راہ) میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی اذیت رسانی کو

كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ

مثل عذاب الٰہی کے سمجھنے لگتے ہیں ۱۰ اور اگر کوئی مدد آپ کے پروردگار کی طرف سے آپہنچتی ہے ۱۱ تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے ہی ۱۲

۹ (الف) کتنی بڑی ضمانت مغفوریت کی، اس زبردست بشارت کے بعد ہر بندۂ مومن کو مل جاتی ہے!

۱۰ (اور اس بشری گزندرسانی کے خوف سے نہ صرف زبان سے باطل کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں، بلکہ دل تک کو انھیں عقائد باطلہ کے موافق بنا لیتے ہیں)

فی اللہ۔ فی سببیہ ہے، یعنی اللہ کی خاطر۔ اللہ کے سبب سے، یا اللہ کی راہ میں۔

اى لأجله عزوجل على أن فى للسببية، أو المراد فى سبيل الله. (روح، ج۲۰/ص:۱۳۹)

امام رازیؒ نے فی اللہ اور فی سبیلی کے درمیان جو لطیف نکتے پیدا کیے ہیں، اور ایک ترکیب کو مومنین کے ساتھ اور دوسری کو منافقین کے ساتھ مخصوص کیا ہے، وہ اہل علم کے لیے تفسیر کبیر میں پڑھنے کے لائق ہیں۔ (کبیر، ج۲۵/ص:۳۴)

۱۱ مثلاً جہاد ہوا، مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ لگ گئے۔۔۔ نصرت رب تو جب بھی ہوگی، اہل ایمان ہی کی ہوگی۔

۱۲ (دین وعقیدے میں، دل سے)

یعنی جب مسلمانوں کے بس میں آجاتے ہیں، تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ ہم تو مسلمان شروع ہی سے تھے، کافروں کے ساتھ تو محض مجبوریوں اور مصلحتوں سے ہو گئے تھے۔

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِىْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا اللہ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کی باتیں خوب معلوم نہیں؟ ۱۳ اور اللہ ایمان والوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا

اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝١١ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔ اور کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں

اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ، حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَىْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٢ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ

نہیں لے سکتے، یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے

وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝١٣

اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی ۱۴ اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی جیسی جیسی باتیں یہ گڑھتے رہتے تھے۔

۱۳ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو رد کر کے فرماتا ہے کہ عالم الغیوب والسرائر سے بھی یہ چالاکی! اتم مسلمان تھے ہی کب؟

"ہر چند کہ اکراہ میں تلفظ بکلمۂ کفر کی اجازت ہے مگر ملامت اس پر ہے کہ دل سے کیوں کفر کیا تھا جیسا صدور کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۷)

۱۴ یہ دوسرے گناہ وہ ہوں گے جن کے یہ لوگ سبب و باعث بنے تھے، گو اس سے سبکدوشی ان اصلی گنہگاروں کو بھی نہ ہو جائے گی۔

وقال الذین کفروا ۔ اہل کفر کی بہت سی قسمیں اور بہت سے گروہ، آج کی طرح پہلے بھی رہے ہیں، انھی میں سے ایک گروہ اس خیال و عقیدے کا بھی تھا --- آج بھی بہت سے "روشن خیال" اور تجدد نواز اسی قسم کی ہانک لگا دیتے ہیں، کہ مثلاً فلاں کا فرکا بت ہم فلاں مسلم ادارے میں نصب کیے دیتے ہیں، اور اس کے ذمہ دار ہم ہیں!......

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا

اور بالیقین ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف (پیمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار

خَمۡسِیۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوۡفَانُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنۡجَیۡنٰهُ

برس رہے، پھر ان کو طوفان نے آلیا اور وہ (بڑے ہی) پاپی تھے ۱۵ پھر ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو

من خطیٰھم میں من بیانیہ ہے۔

من شیء میں من زائدہ تاکید استغراقی یا تاکید نفی کے لیے ہے۔ یعنی ''کچھ بھی'' یا ''ذرا بھی''۔

من مزیدة لتاکید الاستغراق (روح، ج ۲۰/ص: ۱۴۱)

۱۵ (اپنے حق میں)

حضرت نوحؑ اور طوفان نوح وغیرہ پر حواشی سورۂ اعراف (آیت ۵۹) اور سورۂ ہود (آیت ۲۵) میں گزر چکے۔

لبث .... عاماً۔ حضرت نوحؑ کی عمر سے متعلق توریت میں ہے:-

''اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا، اور نوح کی ساری عمر ساڑھے نو سو برس کی تھی، تب وہ مر گیا'' (پیدائش۔ ۹:۲۹)

حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت تک حسب تصریح توریت کل دس پشتیں گزری تھیں، اور اوسط عمر بھی اس وقت کا آج کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا، اس لیے آپ کی اتنی عمر چنداں مستبعد بھی نہیں، خود آپؑ کے والد کی عمر ۷۷۳ سال کی ہوئی تھی، اور آپؑ کے دادا کی عمر تو آپؑ سے بھی کچھ زائد یعنی ۹۶۹ سال کی ہوئی تھی، نو سو سال سے ادھر عمروں کا ہونا تو اس وقت سے ذرا پہلے معمول عام میں تھا، اس لیے آپ کی اس قدر عمر خیر محال بلکہ مستبعد تو کیا ہوتی، اس وقت کے معیار کے لحاظ سے کچھ بہت زیادہ طویل بھی نہیں کہی جاسکتی۔

ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

وھم ظلمون۔ ظالم سے مراد یہاں بھی ''اپنے حق میں ظالم'' ہے، یعنی مشرک۔

وَاَصۡحٰبَ السَّفِیۡنَۃِ وَجَعَلۡنٰهَاۤ اٰیَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبۡرٰهِیۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ

بچالیا، اور ہم نے اس (واقعہ) کو دنیا جہاں والوں کے لیے ایک نشان بنادیا۔ ۱۵(الف) اور ابراہیم کو (بھی ہم نے پیمبر بنا کر بھیجا) جب کہ انھوں نے

اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

اپنی قوم سے کہا اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈرو، یہ بہتر ہوگا تمہارے حق میں اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو

اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ

تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹ تراشتے ہو، جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو

تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا یَمۡلِكُوۡنَ لَكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ

وہ تمھیں رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے ۱۶ سو تم لوگ رزق اللہ کے ہاں سے تلاش کرو

۱۵ (الف) (کہ آیندہ نسلیں ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں)
کشتی نوح ونجات کشتی نوح پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

۱۶ نہ وہ ہوائیں چلانے پر قادر، نہ وہ برساتی بخارات اٹھانے پر قادر، نہ وہ فضا میں بادل کے پھیلانے پر قادر، نہ وہ پانی کو بوندوں کی شکل میں اتارنے پر قادر، نہ وہ زمین کے آفتاب سے تپانے پر قادر، نہ وہ زمین میں قوتِ نمو پیدا کرنے پر قادر۔ زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت وحرفت، غرض معاش کی کسی ایک صنف کے بھی اسباب مؤثر، ان کے بس میں ذرا سے بھی نہیں۔

رزقـــاً کی تنوین وتنکیر رزق کی تقلیل وتحقیر کے لیے ہے، یعنی کوئی ادنیٰ سا بھی رزق ان معبودانِ باطل کے بس میں نہیں۔

ونـكـر كما قال بعض الأجلة للتحقير والتقليل مبالغة فى النفى. (روح، ج ۲۰/ ص: ۱٤٥)

ابراہیم اور قوم ابراہیم پر حاشیے بار بار گزر چکے۔

أوثانا۔ وثن کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحج آیت واجتنبوا الرجس من الأوثان پر حاشیہ نمبر ۷۴۔

الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا

اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو ١٧۔ اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ١٨ اور اگر تم لوگ (مجھے) جھٹلا رہے ہو

فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾

تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، اور پیمبر کے ذمہ تو صرف صاف صاف تبلیغ ہے۔ ١٩

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک

يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ

بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ کہیے تم لوگ زمین میں چلو پھرو، پھر اس پر نظر کرو اللہ نے کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کیا، پھر اللہ

١٧ (کہ وہی ہر قسم کے نفع کا مالک ہے، تمہارے ہر نفع کا منبع بھی وہی ہے)

فابتغوا عند اللّٰہ الرزق۔ اللہ سے تمہارا تعلق بحیثیت الٰہ المعاد کے نہیں، الٰہ معاش بھی وہی تو تمہارا ہے۔ سارے معاشی واسطے اور وسیلے اسی سے نکلتے ہیں، اسی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

الرزق۔ رزق کا صیغۂ معرفہ میں آنا اس کی کلیت و استغراق کے لیے ہے، یعنی سارے کا سارا رزق۔

أى كله على أن تعريف الرزق للاستغراق. (روح، ج ٢٠/ص: ١٤٥)

واعبدوہ واشکروا لہ۔ ہر قسم کے حقوق اسی کے مقرر کیے ہوئے ادا کرتے رہو۔

١٨ جس طرح ہر نفع کا مالک وہی ہے، ہر ضرر کا بھی مالک وہی ہے۔ حساب کتاب سب اسی کو دینا ہوگا، آخری واسطہ اور سابقہ صرف اسی سے پڑے گا۔

١٩ (جس کے بعد اس کے اوپر امت کے کسی قول و فعل کی ذمہ داری نہیں)

وان .... قبلکم۔ پیمبر علیہ السلام کی تسکین مقصود ہے کہ یہ تکذیب تو ہوتی چلی آئی ہے، آپ اس سے اتنا محزون و ملول نہ ہوں۔

وما .... المبین۔ پیمبر کے منصب کی وضاحت قرآن مجید نے بار بار کی ہے۔

يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝٢٠ يُعَذِّبُ

پچھلی بار بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ۲۰ عذاب دے گا اسے، جس کی

مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ۝٢١ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ

بابت اس کی مشیت ہوگی اور رحم کرے گا اس پر جسے وہ چاہے گا اور اسی کے یہاں تم سب لوٹ کر جاؤ گے۔ ۲۱ اور تم نہ زمین میں ہرا سکتے ہو

۲۰ (خلق اول پر بھی اور اعادۂ خلق پر بھی)

کیف بدأ الخلق۔ اس میں اثبات ہے اسی عقیدے کا کہ یہ عالم اپنی ایک ابتدا بھی رکھتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہ عالم ایسا ہی بنا بنایا اسی طرح ازل سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ بعض گمراہ قوموں کا خیال ہے۔۔۔۔ یہی مضمون ایک آیت قبل أولم یروا۔۔ الخ کا بھی ہے۔

أولم یروا۔ دعوت استدلال غور و فکر سے ہے۔ انسان اگر صرف اپنی ذات ہی میں اپنے نیست سے ہست ہو جانے ہی پر غور کرے تو یہ حق تعالیٰ کی قوت ایجاد و ابداع پر اعتقاد پیدا کر دینے کے لیے کافی ہے۔

سیروا فی الأرض۔ دعوت استدلال مشاہدات مادی سے ہے۔ انسان اگر دوسری مخلوقات کے عجائب پر نظر کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی ہر قدرت کا کلمہ پڑھ اٹھے۔ سورہ النمل رکوع ۶ میں ایسی ہی آیت گزر چکی ہے وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سیروا فی الأرض ان اہلِ طریق کا مستدل ہے، جنہوں نے راہ سیاحی اختیار کی ہے۔ یہ گھوم پھر کر احوالِ خلق سے عبرت حاصل کرتے ہیں، اور اس میں ان کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مخلوق سے تعلقات میں کمی ہو، اور زندگی گم نامی، کس مپرسی، بے نشانی میں بسر ہو، اور معصیتوں کے اسباب ہی پر دسترس کم سے کم ہو جائے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۳۹)

۲۱ اس ذرا سے فقرے میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آ گیا:۔ ایک یہ کہ سب کا حشر ضروری ہے کوئی فرد ایسا نہیں جو بلا حساب کے بچ جائے۔۔۔ منکرین بعثت کی تردید۔ دوسرے یہ کہ سب کا حشر حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگا نہ کسی اور کے۔۔۔ مسیحیوں اور دوسرے اہلِ باطل کی تردید۔

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾

اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا نہ کارساز ہے نہ مددگار ۲۲

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي

اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں اور اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں، وہی تو ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہوں گے۔ ۲۳

یعذب من یشاء ویرحم من یشاء ۔ یہ مشیت عذاب ہمیشہ اس کے متعلق ہوگی جو مستحق عذاب ہوگا، اور مشیت رحم اس کے متعلق ہوگی جو رحمت کا اہل ہوگا۔ اللہ کی مشیت ہی سب سے آخری فیصلہ کن شے ہے، کوئی شے اس کے اوپر حاکم یا بالادست نہیں۔

۲۲ یعنی اس کی تعذیب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ اپنی کسی تدبیر سے بچ سکتے ہو، نہ کسی دوسرے کی حمایت ونصرت سے۔

فی الأرض ۔ یعنی تکوینی قوتیں تو ساری کی ساری اسی کی محکوم، تابع ہیں۔

ولا فی السماء۔ نہ آسمان پر کوئی دیوی دیوتا تمہاری مدد کو موجود ہے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک مضمون عہد عتیق میں ہے:۔

"تیری روح سے میں کدھر جاؤں اور تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں؟ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے، اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ، تو وہاں بھی ہے، اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا۔ (زبور۔۱۳۹: ۷۔۹)

وما ....فی السماء ۔ قانونِ الٰہی کی گرفت سے کوئی انسان کسی عالم میں باہر اور مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔

۲۳ (قیامت کے دن)

یعنی جب انکشافِ حقائق کا وقت ہوگا تو انھیں خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ ہم تو محل رحمت ہیں ہی نہیں!

یئسوا ۔ صیغہ ماضی ہے، لیکن یہاں مضارع کے معنی کھلے ہوئے ہیں، اور جس مستقبل کا تحقق یقینی ہے اس کے لیے ماضی کا صیغہ لے آنے کا دستور عربی فن بلاغت میں عام ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا

اور وہی تو ہیں جنہیں عذاب دردناک ہوگا، سو اُن (ابراہیم) کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ کہنے لگے

اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

انھیں قتل کر ڈالو یا انھیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ان کو (اس) آگ سے بچا لیا۔ ۲۴ بے شک اس (واقعہ) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ

جو ایمان رکھتے ہیں۔ ۲۵ اور (ابراہیم نے یہ بھی) کہا کہ تم نے تو بس اپنے باہمی تعلقات دنیا کی بنا پر اللہ کو چھوڑ کر بت

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ

تجویز کر رکھے ہیں، پھر قیامت میں تم میں سے ایک دوسرے کا منکر ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت

بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ

کرے گا، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ ۲۶ پھر لوط نے ان کی

رحمتی۔ عذاب الیم۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ عذاب کو یوں ہی مطلق چھوڑ دینا اور رحمت کا انتساب اپنی جانب صیغۂ واحد متکلم کے ساتھ کرنا یہ خود غلبۂ رحمتِ الٰہی کے آثار میں سے ہے۔ (کبیر، ج ۲۵/ص: ۴۵)

۲۴ (بلا کسی سبب ظاہری کے، بلکہ ہر سبب ظاہری کے خلاف)

ذکر وہی حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کا چل رہا ہے۔

ان واقعات پر حاشیے سورۃ الانبیاء (رکوع ۵) میں گزر چکے۔

۲۵ نشانیاں اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کی، پیمبرانِ برحق کے منصور ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی —— نشانیاں ہیں سب کے لیے، مگر ان سے نفع صرف ایمان والے اٹھائیں گے۔

۲۶ مشرک جاہلی قوموں میں عموماً ہر ہر قبیلہ کے بت جداگانہ رہتے تھے، اور قوم وار یا قبیلہ وار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قوم یا قبیلہ میں نظم یا جتھا قائم رہے گا۔ قیامت کے دن جب منکشف ہو جائے گا کہ سیاسی یا معاشرتی مصلحتیں کس درجہ بے حقیقت تھیں تو

لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا

تصدیق کی ۲۷ اور (ابراہیمؑ) بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترکِ وطن کر کے چلا جاؤں گا بے شک وہی بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے۔ ۲۸ اور ہم نے

لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ

انھیں اسحٰق اور یعقوب کو عطا کیا ۲۹ اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا ۳۰ اور ہم نے اُن کو

شامت زدہ پجاری ایک دوسرے کے خلاف خوب دل کھول کر بخار نکالیں گے۔

اوثانا۔ وثن کے لیے ملاحظہ ہو، سورۃ الحج آیت واجتنبوا الرجس من الأوثان پر حاشیہ ۴۷۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو اتحاد و اتفاق سبب بن جائے فسادِ دین کا، اس کا ترک واجب ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۴۰)

۲۷ یہ لوط بن حاران بن آزر، عراقی ثم شامی حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے، اور آگے چل کر خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ مفصل حاشیے پچھلی سورتوں میں گذر چکے۔

۲۸ وہ عزیز میری حفاظت پر بھی ہر طرح قادر ہے اور وہ حکیم میری رہنمائی پر بھی۔

إلیٰ ربی یعنی اس مقام کی طرف جو میرے پروردگار کا بتایا ہوا ہے۔

أی الیٰ حیث أمرنی بالتوجه إلیه. (کبیر، ج ۲۵/ص: ۴۹)

امام رازیؒ نے خوب لکھا ہے کہ قرآنی فقرہ إلی ربی تفسیری فقرہ إلی حیث أمرنی ربی سے کہیں زیادہ بلند و بلیغ ہے، کہ اس میں توجہ تمام تر پروردگار ہی کی طرف ظاہر ہو رہی ہے، نہ کہ کسی جہت و مقام کی طرف۔

إلیٰ ربی بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس طرح طریقت میں اپنے رب کی طرف فنا و محو ہونا ہے اپنی خواہش و اختیار و ہستی کو ترک کر کے۔

۲۹ (بطور بیٹے اور پوتے کے)

اسحٰق و یعقوب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ لہ میں ضمیر ابراہیمؑ کی جانب ہے، لوطؑ کی طرف نہیں۔

۳۰ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ آپؑ کے بعد بھی مسلکِ توحید و رسالت کی دعوت آپؑ ہی کی اولاد در اولاد کے ذریعہ سے ہوتی رہی۔

أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ وَلُوطًا إِذْ

اُن کا صلہ دنیا میں (بھی) دیا اور آخرت میں یقیناً وہ (بڑے) نیک کاروں میں ہوں گے۔ ۳۱ اور لوط کو (بھی ہم نے پیمبر

قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ

بنا کر بھیجا) جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم تو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہاں والوں

مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ

میں کسی نے نہیں کیا ۳۲ ارے! تم تو مردوں سے فعل کرتے ہو! اور تم رہزنی کرتے ہو

قرآن مجید میں یہ کہیں بصیغۂ حصر تو وارد نہیں ہوا ہے لیکن جا بجا جہاں بھی اس نعمت کا ذکر آیا ہے، سب کے سیاق پر غور کرنے سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ منصبِ نبوت اور عقیدۂ توحید دنیا میں نسل ابراہیمی ہی کے ساتھ مخصوص رہا ہے، جس کی دو بڑی شاخیں اسرائیلی اور اسمٰعیلی ہیں--- خوب سمجھ لیا جائے، مطلق ہدایت کا یہاں ذکر نہیں، وہ تو دنیا کی ہر قوم کو اپنی اپنی جگہ پہنچتی رہی ہے کہ بغیر اس کے حجتِ الٰہی قائم نہیں ہوتی---- ذکر ایک مخصوص منصب یعنی نبوت اور صاحب کتاب ہونے کا ہے۔

الکتٰب۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔

قصد به جنس الكتاب (کشاف، ج۳/ص: ۴۳۷)

۳۱ دنیا میں مال وجاہ، عزت، خوش اقبالی نے آپ کا ساتھ دیا، اور آخرت میں آپ انتہائی مراتب قبول وقرب سے نوازے گئے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی جیسا کہ بعض اہل اللہ کو ہوتی رہتی ہے، آخرت میں ان کے مرتبہ کو گھٹا نہیں دیتی۔ (تھانوی، ج۲/ص: ۲۴۰)

۳۲ حضرت لوطؑ اور ان کی قوم سے متعلق حواشی سورۃ الاعراف (رکوع ۱۰) میں گزر چکے۔

ماسبقکم بھا سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ دنیا پر ایسا بھی گزرا ہے جب انسان بدکاری کی اس خاص صورت سے واقف ہی نہ تھا۔ اور یہیں سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے اس حرکت کے خلاف وضع فطرت ہونے پر۔ وہ کہتے ہیں کہ امر خلقی وطبعی محتاج کسب و تعلیم نہیں ہوتا۔ اور جب انسان اس فعل سے ہزار ہا سال تک واقف نہ ہوا، تو یہ خواہش اس کی فطرت وطبیعت میں داخل نہیں ہو سکتی۔

وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ ؕ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا

اور تم بھری مجلس میں ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو ۳۳؎ سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ

ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ

کہ ہم پر عذاب الٰہی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (لوط نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے

عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰھِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ

(ان) بدکارلوگوں پر غالب کردے۔ ۳۴؎ اور جب ہمارے قاصد ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے ۳۵؎

اس گندی حرکت کے تاریخی پہلو پر بھی حاشیہ سورۃ الاعراف کے ذیل میں آچکا ہے۔

ماسبقکم۔ مخاطب قوم سے بحیثیت قوم ہے۔ افراد الگ الگ مراد نہیں، حضرت لوطؑ کی قوم کی قوم اس عادت بد میں مبتلا ہوگئی تھی، وہ اس لحاظ سے غیر مسبوق تھی۔

۳۳؎ قوم لوط علاوہ اس مخصوص گندگی کے اور بھی طرح طرح کے جرائم میں مبتلا تھی۔ اور انھی میں یہ حرکت بھی تھی کہ راستے ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہے تھے، اور رہزنی میں انھیں کوئی باک نہیں رہا تھا۔

وتاتون .... المنکر۔ فقہاء نے کہا ہے ناچ رنگ اور عام منکرات کی محفلیں اس حکم کے تحت میں آجاتی ہیں --- اور جب یہ حال ان مجلسوں کا تھا تو آج تھیٹر اور سینما اور نائٹ کلب اور ورائٹی شو اور پکچر گیلری وغیرہ کے جو احکام ہوں گے، بالکل ظاہر ہیں۔

۳۴؎ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اعدائے دین پر بددعا کرنے کا جواز ثابت ہے، نیز یہ کہ ایسی بددعا، حلم وکرم وغیرہ کمالاتِ اخلاقی کے منافی نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۴۱)

بائبل کا تذکرۂ لوطؑ ان سبق آموز تفصیلات سے خالی ہے۔

قوم المفسدین۔ جن عادتوں میں امتِ لوط مبتلا تھی، اس کا لازمی نتیجہ فساد فی الارض یا روئے زمین پر ہر طرح کی بدنظمی اور فساد ہی کی صورت میں نکلتا ہے۔

۳۵؎ یہ قاصد انسانی شکل میں اللہ کے فرشتے تھے، جو حضرت ابراہیمؑ کے پاس ان کے صاحبزادے اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے، ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود کے حاشیے۔

قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۚ۝۳۱

تو کہنے لگے ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے باشندے بڑے پاپی ہیں۔ ۳۶

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا

(ابراہیم نے) کہا (مگر) وہاں تو لوط (بھی) ہیں (فرشتے) بولے ہم کو خوب معلوم ہے وہاں کون کون رہتا ہے

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲ وَلَمَّآ

ہم لوط اور ان کے گھر والوں کو بچادیں گے، بجز ان کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہوگی ۳۷ اور پھر جب

اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا

ہمارے (وہ) فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان (کے آنے) سے مغموم ہوگئے اور ان کے سبب سے بہت کڑھے ۳۸ (اس پر ان فرستادوں نے)

رسلنا۔ رسول یہاں ''پیمبر'' کے اصطلاحی معنی میں نہیں، قاصد کے عام لغوی معنی میں۔

البشریٰ ۔ بشارت سے حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت مراد ہے۔

۳۶ مراد وہ بستیاں ہیں جن میں قوم لوطؑ آباد تھی، یعنی شہر سدوم اور اس کے مضافات۔

ظالمین ظلم یہاں اپنے وسیع وعام معنی میں ہے، یعنی بڑے بدعمل، فسق پیشہ۔

۳۷ حضرات انبیاء شفقت مجسم ہوتے ہیں، اور حضرت ابراہیمؑ تو شاید شفقت میں اور زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے تھے، فرشتوں سے سفارش ایک لطیف انداز میں کی۔

حضرت لوطؑ کی بیوی اور ان کے انجام کا ذکر پہلے آچکا ہے، سورۃ الاعراف ۸۱، سورۂ ہود ۸۳۔

و أهله۔ یعنی حضرت لوطؑ کے گھر والے۔

لننجینہ ۔ مرشد تھانویؒ نے آیت سے مستفاد فرمایا کہ کسی مجمع میں اہل اللہ کا ہونا اس پر نزول عقوبیت سے مانع ہو جاتا ہے، اور اس سے اہل اللہ کا جدا ہو جانا اس مانع کا ارتفاع ہے۔

إلا امرتہ ۔ یہ بھی فرمایا کہ مقربین کے ساتھ محض قرابت کا تعلق بدون ایمان کے نافع نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۴۱، ۲۴۲)

۳۸ (اپنی نالائق قوم کی حرکتوں کا خیال کرکے، کہ وہ ضرور انھیں چھیڑیں گے)

لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ

کہا آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں، ہم بچالیں گے آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو، بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں)

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا

رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک عذاب آسمانی ان کی بدکاریوں کی پاداش میں

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ

عقل رکھتے ہیں۔ ۳۹ اور مدین (والوں) کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (پیمبر بنا کر بھیجا) انھوں نے کہا کہ اے میری قوم والو!

یہ فرشتے حسین نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے، اور سدوم والے یوں بھی پردیسیوں کے دشمن تھے، انھیں طرح طرح ستایا کرتے تھے۔

ضاق بھم ذرعاً۔ عربی محاورے میں یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں، جب شدت ناگواری برداشت سے باہر ہوئی جارہی ہو، اور انسان عاجز آیا جارہا ہو۔

وقد جعلت العرب ضيق الزراع والذرع عبارة عن فقد الطاقة (کشاف، ج۳/۴۳۸)

أى عجزعنهم (راغب، ص:۳۳۶)

ذرعهٗ أى طاقته (روح، ج۲۰/ص:۱۵۵)

سیئ .... ذرعاً۔ مرشد تھانویؒ نے یہاں سے مستنبط فرمایا کہ طبعی غم اور حزن، کمال کے منافی نہیں، جب کہ ان کے مقتضا سے غیر مشروع پر عمل نہ کیا جائے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۲۴۱)

۳۹ سدوم والوں کی تہ وبالا شدہ آبادیوں کے کھنڈر اب تک نگاہِ عبرت کے لیے شرقِ اردن میں (Dead Sea) بحرِ مردہ کے مشرق میں موجود ہیں، اور بحر مردہ خود ایک عبرت گاہ ہے--- ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

آیۃ......... یؤمنون۔ عبرت وخشیت کے سبق ان سے صرف اہل فہم لیتے ہیں، نہ کہ جو محض تاریخ واثری تحقیق کر کے گذر جاتے ہیں۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾

اللہ کی عبادت کرو اورروز قیامت سے ڈرو، اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

سوان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا پس انھیں زلزلے نے آ پکڑا، سووہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔ ۴۰

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اور عاد وثمود کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور یہ تم پر ان کے مسکنوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ۴۱ اور شیطان نے ان کے اعمال (بد)

اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ

کو ان کی نظر میں خوشنما کر دکھایا تھا اور ان کو راہ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے۔ ۴۲ اور قارون

یفسقون ۔ فسق کو بدکاری، بدعملی، بدکرداری کے معنی میں صرف قرآن نے چلایا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو اس میں کوئی دینی واخلاقی مفہوم شامل نہ تھا۔

۴۰ والی مدین ۔ تقدیر کلام یوں ہے: وارسلنا إلیٰ مدین۔

شعیبؑ، مدین وغیرہ سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔

ولا .... مفسدین ۔ شرک، آخرت فراموشی وبدکرداری کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں نکل کر رہنا یقینی ہے۔

وارجو الیوم الآخر ۔ یعنی اس روز آخرت سے ڈرو، جس میں جزائے اعمال ہونا ہے۔

قال یونس النحوی: أی اخشوا الآخرۃ التی فیها الجزاء علی الأعمال. (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۴۳)

۴۱ یعنی ان کی آبادی کے نشان ان کے موجودہ کھنڈروں اور آثار قدیمہ سے ظاہر ہیں، عاد ثمود، دونوں پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف (آیت ۶۵-۷۳) میں گذر چکے۔

عرب کے تجارتی قافلے اپنے شام اور یمن کے سفروں میں اکثر ان مقامات سے گذرتے بھی رہتے تھے۔

۴۲ ان شامت زدہ قوموں میں لوگ ایسے نہ تھے، جو عام طور سے احمق، بیوقوف، وحشی، لایعقل سمجھے جاتے، اچھے خاصے مہذب وشایستہ، متمدن لوگ تھے، دنیا کے اور سارے

وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا

اور فرعون اور ہامان کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور موسیٰ یقیناً ان لوگوں کے پاس کھلے نشان لے کر آچکے تھے لیکن انھوں نے زمین پر

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

سرکشی کی اور نہ ہو سکے وہ آگے نکل جانے والے ۴۳ سو ہم نے (ان میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا، سو ان میں سے

مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ

کسی پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی، اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آدبایا، اور ان میں سے کسی کو

معاملات میں بڑے سوجھ بوجھ والے بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے صناع، بڑے بڑے جہازراں---بس ایک دین ہی کے معاملے میں غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے---گویا ہو بہو نقشہ آج کی ''مہذب ومتمدن'' قوموں کا۔

مستبصرين أي عقلاء يمكنهم التمييز بين الحق والباطل بالاستدلال والنظر ولكنهم أغفلوا ولم يتدبروا. (روح، ج ۲۰/ص:۱۵۸)

یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ اپنی ضلالت اور اس کے انجام کو خوب سمجھ رہے، دیکھ رہے تھے۔

أي أتوا ما أتوه وهم قد تبين لهم أن عاقبتهم عذابهم. (لسان، ج ۱ ص:۴۱۹)

وقال مجاهد: كانوا مستبصرين ضَلَلة (بخاری کتاب التفسير، سورة لعنكبوت)

وزين......أعمالهم ، بڑے خوف کا مقام ہے۔ انسان شیطان کے اثر سے کیسا اندھا ہو جاتا ہے۔ آگ پانی اور پانی آگ نظر آنے لگتا ہے۔ زہر پر تریاق کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ جو چیزیں سرتاسر فسق، خدافراموشی کی ہیں، انسان انھی افکار واعمال پر فخر وناز کرنے لگتا ہے۔

۴۳ یعنی اپنی کسی حکمت وتدبیر، کسی حرفت وتزویر، کسی زور وقوت، کسی دولت وحشمت سے اپنے کو عذاب کی گرفت سے بچا نہ سکے۔

فرعون پر حاشیے بار بار اور قارون وہامان پر سورۃ القصص (آیت ۶ اور ۷۶) میں گزر چکے۔

سابقین بچ کر نکل جانے والے، بھاگ جانے والے۔

فائتين (قرطبی، ج ۱۳/ص:۳۴۴)

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَغۡرَقۡنَا ۚ وَمَا كَانَ

ہم نے زمین میں دھنسادیا، اوران میں سے کسی کوہم نے غرق کردیا، اوراللہ ایسا نہ تھا کہ

اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝٤٠ مَثَلُ الَّذِيۡنَ

ان پر ظلم کرتا، البتہ یہ خوداپنے اوپر ظلم کرتے گئے۔ ۴۴ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اورکارساز تجویز

اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۚ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا ؕ

کررکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے اس نے ایک گھر بنایا

وَاِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ

اورمکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے۔ ۴۵

أی فائتین أمر اللّٰہ تعالیٰ (روح، ج ۲۰/ص: ۱۵۸)

۴۴ (غرض کسی نہ کسی طریق پر وہ عذابِ الٰہی کی گرفت ہی میں آکر رہے اوران شدائد میں ہمارا کوئی ہاتھ نہ تھا، یہ سب انھی کے کرتوتوں کے لائے ہوئے تھے)

من أرسلنا علیه حاصبا۔ مثلاً قومِ عاد پر۔

من أخذته الصیحة۔ مثلاً قومِ ثمود پر۔

من خسفنا به الأرض۔ مثلاً قارون و بیت قارون کو۔

من أغرقنا۔ مثلاً فرعون اوراس کے لشکر کو۔

عذابِ الٰہی انفرادی میں ہو یا اجتماعی، جب کبھی اور جس کسی پر بھی آیا ہے بندوں کے اپنے ہی کرتوتوں کا ثمرہ ہوا ہے۔

۴۵ یعنی جس طرح وہ مکڑی کا گھر اپنے غایتِ ضعف کی بنا پر کالعدم ہوتا ہے، ان کے یہ معبودانِ باطل بھی جن کی کارسازی پر انھیں بھروسہ ہے ان کے لیے لاشۓ محض ثابت ہوں گے۔

آسرے کے غایت ضعف کے موقع پر مثال اسی مکڑی کے جالے کی قدیم صحیفوں میں بھی ملتی ہے:۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ

کاش انھیں اس حقیقت کا علم ہوتا! ۴۶ بے شک اللہ کے سوا جس کسی کو بھی پکارتے رہتے ہیں ۴۷ اللہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ

بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ۴۸ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں بس علم والے ہی

اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ

سمجھتے ہیں۔ ۴۹ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (بالکل) ٹھیک طور پر، اس میں (بھی بڑی)

"ان کی جو خدا کو بھول جاتے ہیں یہی راہیں ہیں، اور ریاکار کی امید توڑی جاتی ہے۔ ان کی امید کی جڑ کٹ جاتی، اور ان کی آس مکڑی کا جالا سا ہے" (ایوب۔ ۸: ۱۴)

"وہ ناگ کے انڈے سیتے ہیں، اور مکڑی کی طرح جالا بنتے ہیں...... ان کے جالے کی پوشاک بن نہیں سکتی، وہ اپنی بناوٹ سے آپ کو ڈھانپ نہیں سکتے" (یسعیاہ۔ ۵۹: ۶) ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

۴۶ (کہ شرک کا عقیدہ کس درجہ لچر، مہمل، اور بیہودہ ہے!)

لو كانوا يعلمون کلمۂ لو کا تعلق بیت العنکبوت سے ہے، یعنی کاش یہ جانتے ہوتے کہ صنم پرستی کا حال مکڑی کے جالے کا سا ہے۔

أي لو علموا أن عبادة الأوثان كاتخاذ بيت العنكبوت التي لا تغني عنهم شيئاً.

(قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۴۵)

۴۷ (اور یہ حقیقت بھی اس پر خوب روشن ہے کہ یہ سارے سہارے کیسے بودے اور پھسپھسے ہیں)

۴۸ یعنی کامل قوت عملی میں بھی اور قوت علمی میں بھی ---- وہ عزیز جب اور جس سے اور جو چاہے انتقام لے سکتا ہے، پھر بھی جو فوراً نہیں لے ڈالتا، تو اپنے کمال حکمت سے وہ حکیم اسے کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھائے ہوئے ہے۔

۴۹ یعنی وہ لوگ جو حقائق کا علم رکھتے ہیں، یا علم و حق کے طالب ہیں ---- ان حقائق کو اپنی گرفت میں وہی لاتے ہیں، جو درجۂ ضروری میں اپنے عقل و علم سے کام لیتے رہتے ہیں۔

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

دلیل ہے ایمان والوں کے لیے۔ ۵۰

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے ۵۱ بے شک نماز

۵۰ (ایسے خالق و صانع کے معبود واحد ہونے کی)

بالحق۔ اس تخلیقِ کائنات سے بھی اسے مقصود احقاقِ حق ہی رہا ہے، اور لوگوں کو اپنی ذات وصفاتِ کمال کی طرف توجہ دلانا۔

أی محقاً غیر قاصد به باطلاً، فإن المقصود بالذات من خلقها افادة الخیر والدلالة علیٰ ذاته وصفاته (بیضاوی، ج ٤/ص:١٣٩)

أی محقا مراعیاً للحکم والمصالح (روح، ج ٢٠/ص:١٦٣)

۵۱ (یعنی تشریع قولی یا تلاوت قرآن اور تشریع فعلی یا اقامت نماز، دین کے دونوں کاموں میں برابر لگے رہئے۔

اتل۔ یعنی قرآن کی تلاوت خود بھی کیجئے اور دوسروں کو بھی سنائیے۔ خطاب براہِ راست رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن حکم بواسطۂ رسول ساری امت کو مل رہا ہے، علم عمل پر مقدم ہوتا ہے، اسی ترتیب کے مطابق یہاں تلاوتِ قرآن کو اقامت صلوٰۃ پر مقدم رکھا ہے۔

تلاوتِ قرآن، افراد امت کے لیے بڑی اعلیٰ درجہ کی اور مؤکد چیز ہے، مفسر بیضاوی نے اس کے تین تین مقصد بتائے ہیں:

سب سے پہلے تقربِ الٰہی کی غرض سے۔ تقرباً إلی اللّٰہ تعالیٰ۔

دوسرے حفظ الفاظِ قرآنی کے لیے۔ وتحفظاً لألفاظه۔

تیسرے اس کے معانی و مطالب پر غور کرنے کے لیے۔ واستکشافاً لمعانیه۔

(بیضاوی، ج ٤/ص:١٣٩)

تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَلَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ

بے حیائی اور ناشایستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے ۵۲ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو

دوسرے مفسرین نے اور مقصد بھی لکھے ہیں، لیکن تقربِ الٰہی کو سب نے مقدم ہی رکھا ہے چنانچہ روح المعانی میں ہے:

أی دم علی تلاوۃ ذلك تقرباً إلى اللّٰہ تعالیٰ بتلاوتہ. (روح، ج۱۳/ص:۱۶۳)

آداب وحقوق تلاوت مفسرین نے متعدد لکھے ہیں: مثلاً یہ کہ تلاوت ہونا چاہئے اول تو تقربِ الٰہی کے لیے، پھر الفاظ قرآنی کی حفاظت کے لیے، پھر انکشافِ معانی کے لیے۔

بلکہ مشاہدہ ہے کہ کثرتِ تلاوت سے الفاظ بھی خوب یاد ہو جاتے ہیں، اور اہل علم کو معنی ومفہوم قرآن سے بھی ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اور متعدد اہل علم نے امام احمد بن حنبلؒ کا وہ خواب بھی نقل کیا ہے جس میں ان سے ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے کہ تقربِ الٰہی میں مجرد تلاوت آیات (بلافہم معانی) بھی بڑی تاثیر رکھتی ہے۔

اصل شے قلب کے استحضار کے لیے کلامِ الٰہی ہی ہے۔

الکتٰب سے مرادِ قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

یراد بہ القرآن (قرطبی، ج۱۳/ص:۳۴۷)

من الکتٰب میں من بیانیہ ہے یعنی یہ مراد نہیں کہ کتاب کا کچھ حصہ پڑھئے، بلکہ یہ کہ کتاب پڑھئے۔

۵۲ یعنی نماز میں خاصۂ طبعی یہی ہے کہ وہ عظمتِ الٰہی کا استحضار بار بار کرا کے ہر گناہ ومعصیت سے روک دیتی ہے، اب اگر نماز کے شرائط ہی پورے طور پر ادا نہ کیے جائیں، تو اسی نسبت سے ادائے نماز ناقص رہے گی، اور پھر اسی مناسبت سے اس کی یہ طبعی خاصیت بھی ضعیف ومضمحل رہے گی، یہاں تک کہ جو نماز بالکل سطحی اور اوپری ہوگی اور روح نماز سے خالی، اس میں وہ برائیوں کے روک تھام والی قوت بھی گویا معدوم ہوگی۔ جس نماز میں یہ وعدے کیے گئے ہیں وہ (الصلوٰۃ) واقعی ہو بھی، محض صورت نماز کی خالی نقل نہ ہو۔ برائیوں سے روک دینے والی قوت نماز میں ہے نہ کہ اس کی نقل میں ہے۔ ہیبت تو شیر میں ہوتی ہے نہ کہ شیر کی کھال اوڑھ لینے والے انسان میں۔

مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا

جانتا ہے۔ ۵۳ اور تم اہل کتاب سے بحث مباحثہ مت کیا کرو بجز مہذب طریقے کے، سوا اُن میں سے ان لوگوں کے

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نماز جو یادِ الٰہی اور اس کی عظمت کے استحضار کی ایک اعلیٰ ومکمل شکل ہے اس کا اقتضا یہی ہے کہ وہ ہر برائی سے روک دے، اس کا اثر ہونا بھی چاہئے، عام اس سے کہ کسی پر ہو یا نہ ہو۔

إن الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر ۔ ایک تفسیر یہ بھی آئی ہے کہ صیغۂ خبر یہاں معنی میں امر کے ہے یعنی نماز ایسی پڑھو کہ وہ تمہیں برائیوں سے روک دے۔

قیل: هو خبر بمعنى الأمر (قرطبی، ج۱۳/ص:۳۴۹)

الصلوٰة میں ال عہد کا ہے، یعنی وہ نماز جو ظاہری وباطنی شرائط معین کے ساتھ ادا کی گئی ہو---اور جو نماز الٹی سیدھی، لشتم پشتم کسی نہ کسی طرح پڑھ لی جائے، اس کے لیے یہ وعدے ہی نہیں جو آیت میں ذکر ہوئے ہیں۔

عن الفحشاء بے حیائی کے تصریحی ذکر میں نکتہ یہ ہے کہ اکثر دوسری قوموں اور مذہبوں میں بے حیائی صرف جائز ہی نہیں، بلکہ ایک لازمی جز عبادت کا ہے، اور مغربی فاضلوں کی تحقیق تو یہ ہے کہ بیسوائی کی ابتدا ہی مندروں اور مشرکانہ معبدوں کے سایہ میں ہوئی ہے، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

گویا یہاں یہ ارشاد ہوا کہ فحش دوسرے مذہبوں میں جزءِ عبادت ہو تو ہو، اسلامی عبادت تو اس کے جواز کی بھی روادار نہیں، عین اسے توڑنے اور روکنے والی ہے۔

۵۳ (چنانچہ طاعت وعبادت میں تمہارے اخلاص وعدم اخلاص کو بھی)

اللہ کے یہی عالم کل ہونے کا مراقبہ ہی پر مجاہدے کو آسان بنا دینے اور قلب میں خشیت پیدا کر دینے کو کافی ہے۔

ذکر اللہ اکبر ۔ ذکرِ الٰہی ہی کی افضل ترین، مکمل ترین فرد نماز ہے۔

قیل المراد بذکر اللہ الصلوٰة (روح، ج۲۰/ص:۱۶۵)

ولذکر اللہ اکبر کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بڑائی تو بس اسی کے ذکر کی ہے، نہ کہ کسی اور کے ذکر کی۔

أی له الكبر لا لغيره (کبیر، ج۲۵/ص:۶۶)

اور ایک اور معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے جو تمہاری یاد ہوگی، اس کا مرتبہ اس یاد سے بھی بڑھا ہوا ہے جو تم اس کی کرتے رہتے ہو۔

أی ذکر اللّٰہ إیّاکم أفضل من ذکرکم إیاہ (معالم، ج۳/ص:٥٦١)

أی ذکر اللّٰہ لکم بالثواب والثناء علیکم أکبر من ذکرکم لہ فی عبادتکم وصلواتکم. (قرطبی، ج۱۳/ص:۳٤۹)

ابن عباسؓ، ابو مسعودؓ، ابن عمرؓ وغیرہ متعدد صحابیوں اور مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر تابعین سے یہی معنی مروی ہیں بلکہ ایک روایت میں تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔

ویروی ذلك عن ابن عباس وھو قول مجاھد وعکرمۃ وسعید بن جبیر ویروی ذلك مرفوعاً...... عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (معالم، ج۳/ص:٥٦١)

وقد روی ھذا من غیر وجہ عن ابن عباس، وروی أیضاً عن ابن مسعود وأبی الدرداء وسلمان الفارسی وغیرھم. (ابن کثیر، ج۳/ص:۳۸۸)

امام ابن جریرؒ نے بھی ترجیح اسی توجیہ کو دی ہے۔

وھو اختیار الطبری (قرطبی، ج۱۳/ص:۳٤۹)

وأشبہ ھذہ الأقوال بما دل علیہ ظاھر التنزیل، قول من قال: ولذکر اللّٰہ إیاکم أفضل من ذکرکم إیاہ. (ابن جریر، ج۲۰/ص:٤٦)

أکبر۔ لفظ أکبر کے سلسلے میں یہ بات بھی خیال کر لینے کی ہے کہ یہ جب ''اللہ'' کے ساتھ آتا ہے خبر ہو کر، مثلاً کلمۃ اللّٰہ أکبر میں، تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ ہر شے سے بڑا ہے۔

معناہ اللّٰہ أکبر من کل شیء أی أعظم فحذفت (من) لوضوح معناھا. (نھایۃ، ج٤/ص:۱۲۳)

اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ اس سے ماورا ہے کہ اس کی عظمت و کبریائی کی کنہ تک پہنچا جا سکے۔

معناہ اللّٰہ أکبر من أن یعرف کنہ کبریائہ وعظمتہ، وإنما قُدّرلہ ذلك (نھایۃ، ج٤/ص:۱۲۳)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اعمال سلوک کے اصول سب جمع ہو گئے، یعنی تلاوت اور نماز اور ذکر اور مراقبہ، باقی جتنے اعمال واشغال ہیں، سب انھی کے تابع ہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۳۳۴)

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

جو زیادتی کریں، ۵۴ اور کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو ہم پر نازل ہوئی اور ان (کتابوں) پر

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ

بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے فرماں بردار ہیں ۵۵ اور اسی طرح ہم نے آپ پر

۵۴ (تو انھیں البتہ جواب ترکی بہ ترکی دینے میں مضائقہ نہیں)
مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تبلیغ کے سلسلے میں موقع مباحثہ ومناظرے کے بھی آئیں گے، کتابی مذہب والوں یعنی جو توحید وسلسلہ نبوت کے قائل ہیں ان سے مباحثہ کے وقت ہمیشہ نرمی، تہذیب، اور ان کی دل جوئی سے کام لیتے رہو، کہ اس سے انھیں ترغیب اسلام میں داخل ہونے کی ہوتی رہے گی۔ ہاں البتہ ان میں جو بدزبان ہوں انھیں حسب مصلحت ان کے رنگ میں بھی جواب دیا جاسکتا ہے۔

اہل کتاب اور مسلمانوں میں اکثر بنیادی عقیدے مشترک تھے تو اس ہدایت سے یہ اصل ہاتھ آئی کہ جب کسی ایسے گروہ سے سابقہ پڑے جو ہم سے بنیادی اشتراک رکھتا ہو تو اس سے گفتگو میں طریقہ اسی لینت، تہذیب وشائستگی کا برتیں۔

إلا الذين ظلموا منهم زیادتی کرنے والے اپنے نفس پر تو سب ہی غیر مسلم ہیں یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو زیادتی تمہارے اوپر اور تمہارے معاملے میں کریں۔

معناه ظلموكم، وإلا فكلهم ظلمة على الاطلاق. (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۵۰)

الذين ظلموا في جدالهم. (ابن العربی، ج ۳/ص: ۵۱۹)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا اس میں دلالت ہے کہ مخالف کے ساتھ اول نرمی برتے، اور جب عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے۔ چنانچہ یہی طریقہ ہے اہل اللہ کا مخالفین کے ساتھ، البتہ طالبین کے ساتھ طرز دوسرا ہے یعنی ان کے ساتھ نرمی کی جائے جب تک عذر جہل باقی ہے اور جب یہ عذر نہ رہے تو پھر سختی کی جائے۔ اور یہی مقابلہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کے ساتھ۔

۵۵ یعنی اہل کتاب کو سمجھاؤ کہ جب ہم میں تم میں اتنا اشتراک ہے، ہماری طرح تم بھی توحید کے قائل ہو اور بجائے ملکی یا قومی یا قبائلی خدا کے، ایک خدا یا پروردگار عالم کے قائل ہو، ہماری ہی طرح سلسلۂ وحی ونبوت کو مانتے ہو، اور ہم تمہاری الہامی کتابوں کو مانتے ہیں، تو اب بات

اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ۚ وَمِنۡ هٰٓؤُلَآءِ

کتاب نازل کی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان بھی لے آتے ہیں، ۵۶ اور ان لوگوں میں سے بعض اس پر بھی ایمان

ہی کیا رہ جاتی ہے، جو تم ہمارے صحیفۂ آسمانی سے انکار کیے جاتے ہو۔ کتنے ایسے اصول کی تعلیم یہاں مل گئی کہ فریق مقابل کے سامنے زیادہ سے زیادہ زور مقابلہ مشترک و مسلمات فریقین پر دو۔

آمنا.........الیکم۔ مسلمان اپنے رسول کریم کی وحی و نبوت کو دنیا سے بالکل الگ و منفرد نہیں مانتا، وہ تو مسلسل وحی کا قائل ہے اور اس کا معتقد ہے کہ ہمارے نبی کے پاس وہی وحی آخر میں بطور خاتم الانبیاء اور اعظم الانبیاء ہونے کے آئی ہے، جو آپ سے قبل ابراہیم اور اسمٰعیل اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور بیسیوں دوسرے پیمبران جلیل القدر پر آچکی تھی۔

والٰھنا والٰھکم واحد۔ ہمارے تمہارے یہ جھگڑے بھی تو نہیں کہ ہم فلاں فلاں دیویوں کے ماننے والے ہیں، اور تم فلاں فلاں دیوتا کے پجاری، پروردگار عالم کی توحید اور اس کی عبادت تو ہم تم میں مشترک ہے ---- توحیدِ الٰہی کا جو تخیل، کیا ذات باری کے لحاظ سے اور کیا صفاتِ باری کے لحاظ سے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نے پیش کیا ہے، وہی تو ابراہیم و اسمٰعیل، اسحاق و یعقوب، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سب ہی انبیاء و مرسلین پیش کر چکے ہیں۔

۵۶ چنانچہ ان لوگوں کا ذی فہم اور منصف مزاج طبقہ اپنے ہاں کی کتابوں پر ایمان لے ہی آیا۔

أی الذین أخذوہ فتلوہ حق تلاوتہ من أحبارھم العلماء الأذکیاء (ابن کثیر، ج ۳/ص: ۳۹۰)

الکتب مراد جنس کتاب ہے۔

المراد بالکتاب جنسہ الشامل للتوراۃ والانجیل (روح، ج ۲۱/ص: ۳)

یؤمنون بہ۔ بہ ضمیر قران کی جانب ہے، یعنی یہ اہل کتاب قرآن پر بھی ایمان لے آتے ہیں۔

أی بالکتاب الذی أنزل إلیك (روح، ج ۲۱/ص: ۳)

الذین اٰتینٰھم الکتٰب کی ایک تفسیر امام رازیؒ نے یہ بھی نقل کی ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب نہیں، بلکہ خود انبیائے کرام ہیں کہ کتابیں براہِ راست اور حقیقت میں تو انھی کو عطا ہوئی

مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا

لے آئے ہیں، اور ہماری آیتوں سے بجز (کٹے) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔ ۵۷ اور آپ تو اس (قرآن) سے قبل نہ کوئی

مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٤٨﴾

کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اسے (یعنی کوئی کتاب) اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ورنہ (یہ) حق ناشناس لوگ شبہ نکالنے لگتے۔ ۵۸

تھیں۔ (کبیر، ج ۲۵/ص: ۶۷)

۵۷ (جو ہر طرح کے وضوح دلائل کے بعد بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں)

مشرک ہوں یا اہل کتاب جو بھی انکار پر قائم رہے محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی ہی سے رہے، ورنہ وضوح ان دلائل سے تو پوری طرح ہو چکا تھا۔

إلا الكافرون۔ یعنی بجز ضدی اور ہٹ دھرم کافروں کے۔

إلا المتوغلون فى الكفر فإن جزمهم به يمنعهم عن التأمل (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٠)

امام رازیؒ نے ایک تفسیر یہ نقل کی ہے کہ من هولاء سے مراد بعض مشرکین مکہ نہیں، بلکہ بعض اہل کتاب ہی ہیں، اور اس تفسیر کو عقل و نقل سے قریب تر قرار دیا ہے۔

أولىٰ وأقرب إلى العقل والنقل، وأقرب إلى الأحسن من الجدال المأمور به.
(کبیر، ج ٢٥/ص: ٦٧)

بہر حال اللہ کی کھلی ہوئی نشانیوں اور قرآن مجید کی آیتوں دونوں سے غیر متأثر تو بس وہی رہتے ہیں جو تعصب میں غرق اور ہٹ دھرمی پر جمے ہوئے ہیں۔

۵۸ یعنی اس وقت کچھ تو منشاء اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا اور یہ لوگ آپ کی بابت یہ کہنے لگتے کہ آدمی بڑے پڑھے لکھے ہیں، کسی دوسری آسمانی کتاب یا کہیں اور سے مضامین چرا لیے ہیں، حالانکہ قرآن کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے ہیں کہ اس وقت بھی دعوے کو چلنے نہ دیتے، لیکن بہر حال کچھ تو گنجایش ہوتی، اور اب تو اتنی بھی نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت اور ناخواندہ ہونے پر اس سے بڑھ کر صریح شہادت اور کیا ہوگی، اس پر بھی ناحق شناسوں کا ایک گروہ (خصوصاً مسیحی پادریوں کا) آج تک اس پر مصر

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ

بات یہ ہے کہ یہ (کتاب خود ہی بہت سی) کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جنہیں علم عطا ہوا ہے ۵۹ اور ہماری آیتوں سے تو بس ضدی

چلا آرہا ہے کہ آپ ضرور پڑھے لکھے تھے، اور اس پر رسالے اور کتابیں چھپا پتا چلا جاتا ہے!-- باطل پرستی کی بھی کوئی انتہا ہے!

۵۹ یعنی اس کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے اور متعدد ہیں کہ یہ ایک کتاب بجائے خود بہت سے نشانوں کے قائم مقام ہے۔

بل ھو آیت بینات۔ بل ھو سے مراد ذات رسول بھی لی گئی ہے۔

وقال قتادة وابن عباس (بل هو) يعني محمداً صلى الله عليه وسلم "آيت بينات". (قرطبی، ج۱۳/ص:۳۵٤)

اور ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک آیت کی نہ تھی، متعدد آیات (بصیغۂ جمع) کی تھی۔

وكان عليه السلام آيات لا آية واحدة. (قرطبی، ج۱۳/ص:۳۵٤)

اور فراء نحوی نے بجائے ھو کے ھی پڑھا ہے۔

زعم الفراء في قراءة عبدالله بل هي آيات بينات: المعنى بل آيات القرآن آيات بينات. (قرطبی، ج۱۳/ص:۳۵٤)

الذين أوتوا العلم سے مراد مومنین ہیں خصوصاً ان کے اہل علم۔

يعني المؤمنين (ابن جریر عن الحسن، ج ۲۰/ص:۵۲)

صدور کے معنی اگر لفظی یعنی سینہ کے لیے جائیں تو مراد ہوگی کہ یہ کتاب بطور نشان واضح کے سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آتی ہے، ہر امکان تحریف سے ماورا۔

فی صدور الذین أوتوا العلم سے اشارہ عالموں کی طرف ہونا تو ظاہر ہے، باقی اس کے عموم میں حافظ یعنی قرآن کے حفظ کرنے والے بھی آجاتے ہیں، جو الفاظ قرآنی کا علم اپنے اندر محفوظ رکھتے چلے آرہے ہیں۔

إِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

ہی لوگ انکار کرتے ہیں ۶۰ اور کہتے ہیں کہ ان (پیمبر) پر کوئی نشان ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترے ۶۱

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ

آپ کہہ دیجئے کہ نشان تو بس اللہ کے قبضے میں ہیں ۶۲ اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ ۶۳ کیا ان لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں ہے

۶۰ (ورنہ منصف مزاج کو تو ذرا شک نہیں رہ سکتا)

یحجد۔ جحد کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ دل کو یقین تو کسی بات کا آجائے، پھر بھی ضد و جہل سے زبان انکار پر اڑی رہے۔

الظالمون۔ یعنی ضدی، ہٹ دھرم۔

أى المتوغلون فى الظلم بالمكابرة بعد وضوح دلائل اعجازها. (بیضاوی، ج ۴/ص: ۱۴۰)

۶۱ (ہماری خواہش وفرمائش کے مطابق)

نشانوں سے مراد عجائب وخوارق ہیں، مشرک اور مشرک مزاج قوموں کو ہمیشہ گرویدگی عجائب وخوارق ہی سے رہی ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور پیام کو بالکل نظر انداز کر کے فرمائشیں بار بار یہ ہوتی تھیں کہ فلاں معجزہ دکھاؤ ---- گویا پیغمبر بھی ایک طرح کا بازی گر ہوتا ہے۔

آیت - الآیات۔ کسی کسی نے آیۃ مفرد بھی پڑھا ہے لیکن عام قرأت صیغۂ جمع کے ساتھ ہے (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۵۵)۔

۶۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن میں بار بار یہ کہلایا گیا ہے کہ واقعات وحوادث تکوینی تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ خوارق ومعجزات بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، میں جس طرح کسی واقعہ مطابق عادت کی تخلیق میں بے بس محض ہوں، اسی طرح واقعات خارق عادت کی تخلیق میں بھی۔

۶۳ یعنی میری صداقت کی جانچ کرنا ہو تو میری تعلیمات کو دیکھو، پرکھو، جو دین میں لایا ہوں، اس کی تحقیق کرو۔

اَنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّ

کہ ہم نے آپ کے اوپر کتاب نازل کی ہے جوان کو سنائی جاتی رہتی ہے ۶۴ بے شبہ اس (کتاب) میں بڑی رحمت اور

ذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۵۱ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا ‌ۚ يَعۡلَمُ

نصیحت ہے ایمان والے لوگوں کے لیے۔ ۶۵ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کے، اسے ہر چیز کی خبر ہے

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَكَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓـئِكَ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۶۶ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں وہی تو ہیں

إنما کلمۂ حصر ہے، یعنی میں تو صرف تنبیہ کرنے والا ہوں، خوارق وعجائب کی تخلیق ہرگز میرے منصب میں نہیں اور نہ اعمال تکوینی میں میرا کوئی ہاتھ ہوتا ہے۔

۶۴ اور وہ ہر قسم کی معنوی گہرائیوں، ادبی لطافتوں، مطالب کی ہمہ گیری، مضامین کی جامعیت وکاملیت سے معمور، ایک دائمی معجزہ سارے دوسرے وقتی وہنگامی معجزوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

أولم یکفهم سے صاف اشارہ اس طرف بھی آیا کہ سارے معجزات سے بڑھ کر معجز تو میری لائی ہوئی کتاب قرآن ہے اس کے ہوتے ہوئے اسے کسی ہلکے معجزے کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے!

۶۵ اس سے فائدہ اٹھانا تو انھی خوش نصیبوں کے حصے میں ہے، جو اس کو مانیں گے اور اس کی ہدایات پر عمل کریں گے۔

ذلك۔ یعنی قرآن۔

أی فی القرآن (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۵۵)

رحمة۔ تعلیم احکام کے پہلو سے۔ ذکری یا نصیحت، ترغیب وترہیب کے اعتبار سے۔

۶۶ (میرے دل میں ذرہ بھر بھی کھوٹ ہوگا تو اس سے نہیں چھپ سکتا)

مطلب یہ کہ کسی کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے میری رسالت عند اللہ تو ثابت ہے---ایک حقیقی مذہبی شخص کے پاس اپنی صداقت کا ثبوت اس سے بڑا اور ہے ہی کیا کہ وہ خدائے عالم الغیب کو درمیان ڈال کر کسی بات کا دعویٰ کرے---پیمبر جو بات بات پر خدا کا واسطہ براہِ راست دیتے ہیں، یہ بس پیمبر ہی کرسکتے ہیں۔

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ

بڑے گھاٹے میں پڑے ہوئے۔ ۶۷ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کر رہے ہیں عذاب کی ۶۸ اور اگر ایک میعاد متعین نہ ہوتی تو ان پر عذاب

الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ

آچکا ہوتا اور (وہ عذاب) ان پر اچانک آپڑے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی ۶۹ آپ سے جلدی کر رہے ہیں عذاب کی

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ۷۰ جس دن کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اوپر سے بھی

یعلم مافی السمٰوات والأرض۔ خدائے اسلام کے علم محیط، علم کامل کا استحضار قرآن قدم قدم پر کراتا رہتا ہے۔

۶۷ جنھوں نے اللہ اور اس کی شریعت سے کفر کر کے باطل کو اپنا سہارا قرار دے لیا، تو انھوں نے تو ایک تمام تر غلط نقشۂ زندگی ہی تیار کر لیا، اب انھیں فوز و فلاح نصیب ہی کہاں سے ہو سکتا ہے؟

۶۸ (کہ اچھا اگر تم سچے ہو، اور ہم نافرمان و اہل باطل، تو ہم پر عذاب فوراً لے کیوں نہیں آتے ہو؟)

جلد باز گمراہ انسان کا بڑا پرانا اور فرسودہ استدلال ہے، جو آج تک الفاظ بدل بدل کر دہرایا چلا آتا رہا ہے۔

۶۹ یعنی نزولِ عذاب کی تو ایک ساعت علم الٰہی میں مقرر ہے۔ اس کی تاخیر کو صحت دعوئے نبوت کی تغلیط و تردید سے مربوط کرنا عجب طرح کا جہل بلکہ خبط ہے۔

لیأتینھم .... یشعرون۔ عذاب موت کا ہو یا قیامت کا، بہر حال جب بھی آئے گا، ان شامت زدوں کی غفلت میں یک بیک ہی آئے گا۔

۷۰ (جس کا پورا ظہور قیامت میں ہو کر رہے گا)

محیطة۔ صیغہ اسم فاعل کا ہے، فعل مضارع کا نہیں، یعنی یہ نہیں کہ جہنم کبھی آگے چل کر گھیرے گا، بلکہ اس وقت بھی انھیں گھیرے ہوئے ہے، اسی سے بعض عارفین نے یہ نکالا ہے کہ اصل

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٥٥ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

اور ان کے پیروں کے نیچے سے بھی، اور (اللہ) کہے گا (اب) مزہ چکھو اس کا جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو۔ اے میرے ایمان والے بندو!

اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝٥٦ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

میری زمین تو بہت وسیع ہے، سو اکیلی میری ہی پرستش کرو ١ے ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے ٢ے

جہنم تو کفر و معصیت ہی ہیں جو آج بھی تمام تر موجود ہیں۔ آخرت میں صرف اتنا ہوگا کہ ان کا ظہور وبروز کامل ہو کر رہے گا۔

١ے (خواہ یہاں یا جہاں کہیں بھی، توحیدی عبادت ممکن ہو)

یہ ترغیب ہے ہجرت یعنی اقامتِ دین کی خاطر ترک وطن کی۔

علماء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ جہاں کفر وفسق کی شدت ہو، اور خدا پرستی کا موقع نہ مل سکے، وہاں سے بندۂ مومن چلا جائے --- وطن کی محبت طبعی سہی، پھر بھی اقامتِ دین کے مقابلے میں اس کی پروانہ کی جائے گی۔

إن أرضي واسعة۔ میں اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں کھانے پینے، رہنے سہنے سے متعلق کسی ایک خطے یا علاقے تک محدود نہیں، یہ تو وطن کے باہر بھی سب کہیں مل سکتی ہیں۔ ان کی طرف سے اتنا فکر مند کیوں ہوتے ہو! --- یہ مضمون زیادہ کھول کر پہلے بھی بیان ہو چکا ہے یجد فی الأرض مراغماً کثیراً وسعةً. (سورۃ النساء، آیت: ۱۰۰)

٢ے (اور دنیا کے مرغوبات و مالوفات کو ایک دن تو بہر حال چھوڑنا ہی ہے، پھر آج اقامتِ دین ہی کی خاطر ترکِ وطن و اقارب کیوں نہ اختیار کیا جائے)

ہجرت کے جو مانع نفس میں موجود ہیں، ان میں ایک تو إن أرضي واسعة سے رفع کیا جاچکا ہے، دوسرا جواب اب مل رہا ہے کہ جن چیزوں کا ترک و مفارقت آج شاق گزر رہی ہے، ان سے محرومی اور مجبوری ایک دن تو بہر حال ناگزیر ہی ہے۔ تو آج ہی اپنے قصد و اختیار سے کیوں نہ حاصل کرلی جائے کہ آئندہ ہر طرح کی نعمتوں کا استحقاق ہو جائے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ

(وہ) اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اچھے اچھے نام اسی کے ہیں۔ ؎۷ اور آپ کو موسیٰ کی خبر بھی

مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا

پہنچی ہے؟ ؎۸ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب انھوں نے آگ دیکھی ؎۹ سو انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو ؎۱۰

علم اسے کیسے نہ ہوگا؟ گویا اصل کلام یوں ہوگا۔ وان یجھر بالقول فاعلم ان اللہ تعالیٰ یعلمہ فانہ یعلم السر واخفی فضلاً عنہ (روح)

السر واخفی۔ سر تو وہ ہے جسے انسان اپنے دل میں شعوری طور پر اور قصداً چھپائے رکھے۔ اور اخفی وہ ہے جو لاشعور میں ہو اور اس کا شعور جس کا علم خود اس کو بھی نہ ہو۔ یعنی شعور و لاشعور سب کا عالم۔

السر ما اسررت فی نفسک واخفی من ذلک ما لم تحدث بہ نفسک (ابن جریر عن سعید بن جبیر)

السر ما حدث بہ العبد غیرہ فی خفی واخفی منہ ما اضمرہ فی نفسہ مما لم یحدث غیرہ۔ (جصاص عن ابن عباسؓ)

؎۷ (اعلیٰ سے اعلیٰ صفات و کمالات پر دلالت کرنے والے)

بعض کے نزدیک خود لفظ اسماء مرادف ہے صفات کے اور اس لحاظ سے ترجمہ ہوگا "وہی خوش صفات ہے"۔

جاء الاسم بمعنی الصفۃ والحسنیٰ تانیث الاحسن۔ (روح)

خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ اسم صفت کے معنی میں آیا ہے۔ وجعلوا للہ شرکاء قل سموھم سورۃ رعد آیت ۳۳ نیز ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ آیت ۳۱ میں وعلم آدم الاسماء کلھا پر حاشیہ۔

مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی ذات سے بالکل منفرد ہے۔ گو اس کے اسمائے صفاتی بہ کثرت ہوں۔

ای ھو واحد بذاتہ وان افترقت عبارات صفاتہ۔ (مدارک)

اسماءہ اللہ تعالیٰ وصفاتہ من غیر تعدد فی ذاتہ تعالیٰ۔ (روح)

؎۸ یعنی قصۂ موسیٰؑ بھی سننے کے قابل ہے، جو حکم و معارف اور علوم توحید و نبوت سے پُر ہے۔

ھل۔ آیت میں بجائے استفہامیہ کے موکدہ بھی لیا گیا ہے، قد کے مرادف۔ یعنی آپ کو موسیٰؑ کی حکایت تو پہنچ ہی چکی ہے۔

قیل معناہ قد اتاک حدیث موسیٰ قال ابن عباسؓ (قرطبی)

قیل ھل بمعنی قد (روح)

؎۹ (اس وقت جب وہ مدین سے اپنی زوجہ محترمہ کو رخصت کرا کے مصر لا رہے تھے۔ موسم سردی کا تھا، اور رات اندھیری تھی)

نارًا۔ مشرقی ملکوں میں رات کو سفر کرنے کا دستور عام و قدیم ہے، اور یہ دستور بھی عام و قدیم

دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ

اپنی غذا اپنے اوپر اٹھائے نہیں رکھتے، اللہ ہی انھیں روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی، اور وہی خوب سننے والا ہے

الْعَلِيمُ ۝۶۰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ

خوب جاننے والا ہے۔ ۷۶ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝۶۱ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

سورج وچاند کو کام میں لگا دیا، تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ کدھر الٹے چلے جارہے ہیں؟ ۷۷ اللہ روزی کھول دیتا ہے

الذین صبروا۔ جو صالح بندے ہوتے ہیں انھیں بھی سارے تکوینی حالات اپنی مرضی کے موافق نہیں ملتے رہتے، تو ایسے موقعوں پر وہ بے صبری سے نہیں، صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔

وعلیٰ ربھم یتوکلون۔ بڑی بات ان نیک اور صالح بندوں میں یہ ہوتی ہے کہ وہ آخری اعتماد، چھوٹی بڑی ہر چیز میں اللہ ہی پر رکھتے ہیں۔ چھوٹے اور جھوٹے معبودوں کے پھیر میں پڑ کر اپنی قوتوں کو ضائع اور منتشر نہیں کرتے رہتے ——— سلسلۂ اسباب کے وہ منکر نہیں، اسباب ظاہری سے بھی پوری طرح کام لیتے ہیں، لیکن اصلی اور آخری بھروسا ان پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب ہی پر رکھتے ہیں۔

۷۶ سب کی ضرورتوں سے خبردار، سب کے حالات سے خوب واقف ——— سب کی دعاؤں، پکاروں، مناجاتوں، آوازوں کو سننے والا، سب کی دلی خواہشوں اور مخفی آرزوؤں کو جاننے والا۔

وکاین .... ایاکم۔ ایک بار پھر یہ حقیقت دلوں میں اتاری ہے کہ اللہ کا تعلق بندوں سے صرف معادی ہی زندگی کا نہیں، بلکہ اس ناسوتی زندگی اور اس کے معاشی پہلوؤں سے بھی پورا پورا ہے۔ اس کے ایک ایک جزئیہ کے ساتھ ہے ——— بے صبر اور تھڑدلے انسان کو سمجھایا ہے کہ جانوروں کی حالت پر غور کرو۔ وہ کب اپنا رزق اپنے ساتھ لیے لیے گھومتے ہیں، لیکن باوجود اس کے انھیں بھی کبھی بھوکا نہیں رکھا جاتا ہے، ان کی غذا انھیں بہم پہنچائی ہی جاتی ہے، تو انسان کیوں اپنے متعلق اتنا بے آس ہوا جاتا ہے؟ انسان کے لیے کیا اتنا بھی فکر واہتمام نہ ہوگا، جتنی پروا بے زبان حیوانات کے لیے رکھی جاتی ہے؟

۷۷ یعنی توحید فی التکوین کے قائل ہو کر پھر معبودیت والوہیت میں بھی توحید پر کیوں نہیں قائم رہتے، اور اس باب میں کیسے بھٹکے جارہے ہو کہ آکاش دیوتا، دھرتی مائی،

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۞ وَلَئِنْ

اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے، اور جس کے لیے (چاہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہی ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ ۸ے اور اگر

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ

آپ ان سے پوچھیے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا، پھر اس سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا،

مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞ وَمَا هٰذِهِ

تو بھی یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے الحمد للہ ۹ے لیکن ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۸۰ے اور یہ دنیوی

اور چندا ماما اور سورج دیوتا کے بھی قائل ہو رہے ہو! تخلیق و تکوین عالم کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھوں مشرک عرب بھی تسلیم کرتے تھے۔

لئن ۔ ل قسم کا ہے

لام قسم (جلالین، ص: ۵۲۹)

۸ے (اور وہی جیسی مصلحت دیکھتا ہے، روزی دیتا ہے، رزق کے لیے بھی شرک کرنا کیسی حماقت ہے!)

یبسط......له ۔ رزق میں کسی بندے کے کشادگی ہو یا تنگی، بہر حال کسی نہ کسی مصلحتِ تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے، ہر کشادگی اپنے ساتھ فرائض و ذمہ داریوں کا ایک انبار بھی لاتی ہے اور جن کے ظرف ان کا تحمل نہیں کر سکتے، انھیں اس بارے سرے سے سبکدوش رکھا جاتا ہے --- معاشی مسئلے چاہے ذاتی و انفرادی زندگی سے متعلق ہوں، یا ملکی و قومی زندگی سے، ان کا آخری اور انتہائی سرا بہر حال اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، معاشیات کا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔

۹ے یعنی تمہارے اس اقرار سے اس شرک کی جڑ تو کٹی، جو تمہیں ایک بارش کے دیوتا اور ایک زراعت کے دیوتا کی طرف لیے جاتا ہے۔

لئن۔ ل بعض نے لام قسم کا قرار دیا ہے۔

لام قسم (جلالین، ص: ۵۲۹)

۸۰ے (اس لیے صحیح مقدمات سے جو نتیجہ بالکل واضح طور پر نکلتا ہے، وہ بھی یہ نہیں

اَلۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَہۡوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ لَہِیَ الۡحَیَوَانُ ۘ

زندگی بجز کھیل تماشے کے کچھ ہے ہی نہیں۔ ۸۱ اور عالم آخرت ہی اصل زندگی ہے۔ ۸۲

نکالتے، اور پھر الٹے شرک میں مبتلا ہو ہو جاتے)

عقل سے صحیح طور پر کام لینا تو دین و اسلام کی طرف لاتا ہی ہے۔

ھم ۔ سے مراد مشرکینِ مکہ کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، عام نوعِ انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے، اور دنیا کی اکثریت کا بھٹکا ہوا ہونا بھی ایک مشاہدے کی چیز ہے۔

۸۱ (اپنے فانی عارضی بے ثبات ہونے کے لحاظ سے)

لیکن اگر یہی حیاتِ دنیا تحصیلِ دین کا ذریعہ بن جائے تو یہی لہو ولعب خود دار آخرت کا ایک جز بن جائے گا، اور باعتبار ثمرات اس کا شمار بھی باقی میں ہو جائے گا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۵۰)

خوب سمجھ لیا جائے کہ قرآن کی اس تعلیم کو کوئی مناسبت اِس جاہلی عقیدے سے نہیں کہ ''دنیا جو ہے مایا کا کھیل ہے اور یہاں کا ہر تعلق، ہر عمل، عبث ولا حاصل ہے، یہ سب محض دھوکے کی ٹٹی ہے''۔ اسلام تو صرف یہ کہتا ہے کہ اس دنیا کی کسی لذت کو بھی مستقل پائیدار اور دائمی نہ سمجھ لینا۔ یہاں کی ہر چیز آنی، فانی، عارضی ہے، کھیل تماشا ہی کی طرح بے ثبات و بے حقیقت، یہاں کی فرصت کو صرف ذریعہ بناؤ مستقبل کی حیاتِ مستقل میں کام آنے کا، یہاں کے بادشاہ میں کچھ یہ تھوڑے ہے کہ وہ مستقل قوت واقتدار کا مالک ہو گیا ہے۔ کسی طبیبِ حاذق میں کچھ یہ تھوڑے ہے کہ موت وزندگی پر اختیار واقعی اس کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ یہ سارے کمالات وصفات تو صرف اضافی وعارضی ہیں، جیسے سنیما یا تھیٹر میں کسی کو ذرا دیر کے لیے بادشاہ اور کسی کو ملکہ اور کسی کو شاعر یا ڈاکٹر بنا کر دکھا دیتے ہیں۔

۸۲ (اپنے باقی قائم و پائیدار ہونے کے اعتبار سے)

حیوان ۔ بروزن فعلان ۔ یہاں اپنے عام معنی میں جان دار یا ذی حیات کے مرادف نہیں، بلکہ مصدر ہے خود حیات کے معنی میں ۔ البتہ اس کے معنی میں حیات سے زور زائد ہے۔

الحیوان مصدر حی کالحیوۃ لکن فیھا مبالغۃ لیست فی الحیاۃ (کبیر، ج ۲۵/ص: ۸۱)

والحيوان مصدر حي...... وبه سمى مافيه حياة: حيواناً...... وفي بناء الحيوان
زيادة معنى ليس في بناء الحياة...... مبالغة في معنى الحياة (كشاف، ج٣/ص:٤٤٨)
الحيوان مصدر حي سمى به ذوالحياة في غيرهذا المحل (روح، ج٢١/ص:١٢)
وهو أبلغ من الحياة لما في بناء فعلان من معنى الحركة والاضطراب اللازم
للحياة ولذلك اختير عليها في هذاالمقام المقتضى للمبالغة (روح، ج٢١/ص:١٣)
اور فقرے کے معنی یہ ہوئے کہ اصل اور حقیقی زندگی وہی آخرت کی زندگی ہے جسے فنا وموت نہیں۔
وقد نبّه بقوله (لهى الحيوان) أنّ الحيوان الحقيقى السّرمدى الذى لايفنى لاما
يبقى مدةً ثم يفنى (راغب، ص:١٥٦)
فكأنه قال الحياة الثانية هى الحياة المعتبرة (كبير، ج٢٥/ص:٨١)
أى دارالحياة الباقية التى لاتزول ولاموت فيها. (قرطبى، ج١٣/ص:٣٦٢)
حیوان کے معنی مستقر حیات کے بھی کیے گئے ہیں۔
الحيوان مقر الحياة (راغب، ص:١٥٦)۔

غم وحسرت

آج یوم جمعہ ۱۹؍رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۱۹۴۳ء جب کہ قلم "إن الدار الأخرة لهی الحیوان" کی تفسیر سے فارغ ہو چکا تھا، اطلاع موصول ہوئی کہ مفسر جلیل، امام علم وعرفان، مجدّدِ وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں ۱۶/۱۵؍رجب (دوشنبہ، سہ شنبہ) کی درمیانی شب میں رحلت فرمائی إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔ آہ کہ اس دور کا ایک بہترین مفسر، ایک بہترین فقیہ، ایک بہترین متکلم اور ایک بہترین عارف ودرویش اٹھ گیا! آج تک انھی بزرگ کے افاداتِ سلوک مرشد تھانوی مدظلہ کے نام سے درج ہوتے رہے تھے۔ اب آج سے یہ "مدظلہ" "رحمۃ اللہ علیہ" میں تبدیل کرنا پڑا۔ آہ، کہ کس دل سے! (طبع اول)

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

کاش انھیں (اس کا) علم ہوتا! ۸۳ے اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَا اٰتَيْنٰهُمْ ۚ

پھر جب وہ انھیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو یہ لوگ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں ۸۴ے یعنی جو (نعمت) ہم نے انھیں دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں

وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا

یہ لوگ چند روزہ اور حظ اٹھالیں، پھر تو انھیں عنقریب معلوم ہی ہوا جاتا ہے۔ ۸۵ے کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے (ان کے شہر کو) امن والا حرم بنایا ہے

۸۳ے (تو فانی میں منہمک ہو کر باقی کو بھول نہ جاتے، اور غور و تدبر سے کام لے کر اپنی عقل کو شرک اور ایمان کے اختیار پر مجبور پاتے)

انسان اگر اس عالم کے عارضی و ناپائیدار ہونے اور اس عالم کے مستقل و پائیدار ہونے کو متحضر رکھے تو زندگی کا نقشہ ہی سراسر بدل جائے۔

۸۴ے مطلب یہ ہوا کہ جہاں ظاہری سہارے ٹوٹے، بس خدائے واحد یاد آنے لگتا ہے، اور ادھر ذرا آس اپنے عادی سہاروں کی بنا پر قائم ہوئی، پھر توحید چھوڑ کر اپنی پرانی گمراہیوں میں پڑ گئے۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی بار آچکا ہے، کج رو اور بدسرشت انسان کی فطرت دکھائی ہے۔

۸۵ے یعنی وقوع موت یا قرب موت پر۔

لیکفروا۔ لیتمتعوا۔ دونوں میں ل۔ کی کے مرادف ہے "تا کہ" کے معنی میں۔

أي لكي يكفروا و كي يتمتعوا (مدارك) والمعنى: يعودون إلى شركهم ليكونوا بالعود إلى شركهم كافرين بنعمة النجاة قاصدين التمتع بها (مدارك، ص: ٨٩٩)

قيل: هما لام كي أي لكي يكفروا ولكي يتمتعوا (قرطبي، ج ١٣/ص: ٣٦٣)

اور بعض نے کہا کہ ل امر کا ہے۔ اعملوا ماشئتم کا مرادف۔ اور کمال غضب کا مظہر۔ جیسے اردو میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اچھا خوب کفر کرلو، اور اس دنیائے چند روزہ کے خوب مزے لوٹ لو۔

أو لام الأمر على التهديد (بيضاوي، ج ٤/ص: ١٤٢)

وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

اوران کے گردو پیش لوگوں کو نکالا جارہا ہے، تو کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی

يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ

ناشکری ہی کرتے رہیں گے؟ ۸۶ اور اس سے بڑھ کر بیداد گر کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے، اور سچی بات جب اس کے پاس آئے

وقيل: هما لام أمر معناه التهديد والوعيد. (قرطبى،ج۱۳/ص:۳۶۳)

وقيل: اللام فيهما لام الأمر والأمر بالكفران والتمتع مجاز فى التخلية والخذلان والتهديد. (روح،ج۲۱/ص:۱۳)

ابن جریر نے ترجیح اسی کو دی ہے۔

وأولى القراء تين عندى فى ذلك بالصواب، قراءة من قرأه بسكون اللام على وجه التهديد والوعيد. (ابن جرير،ج۲۰/ص:۶۱)

۸۶ اشارہ مشرکین مکہ کی جانب ہے۔

هولاء المشركين من قريش(ابن جرير،ج۲۰/ص:۶۱)

أفبالباطل يؤمنون وبنعمة الله يكفرون۔ دونوں کی ترکیب اور ترتیب دونوں کے زور واہتمام کو ظاہر کررہی ہے۔

وتقديم الصلة فى الموضعين للاهتمام بها(روح،ج۲۱/ص:۱۴)

حرماً ..... حولهم ۔یعنی یہ مشرکین مکہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اب تک ہم نے ان کے خاص شہر کو کیسا محفوظ رکھا ہے، درآں حالیکہ اردگرد کے سارے مقامات زد میں آچکے ہیں۔

حرماً آمناً پر حاشیہ گزر چکا ہے۔

نعمة الله میں نعمة بطور اسم جنس کے آیا ہے، مراد ساری ہی نعمتیں ہیں۔

لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا

تو اسے جھٹلائے، کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ ۸۷ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں

فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے، اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے۔ ۸۸

۸۷ ایسے ناانصافوں کو جہنم کی سزا ملنا بالکل قدرتی ہے۔

افترىٰ على الله كذباً ۔ افتراء علی اللہ اور دنیا میں جھوٹ سب سے بڑا یہی کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرایا جائے۔

كذب بالحق ۔ تکذیب حق دنیا میں سب سے بڑی یہی کہ توحید و رسالت کی کھلی ہوئی حقیقتوں سے انکار کیا جائے۔

۸۸ (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

اور یہ بشارت کہ اہل اخلاص کو شرف اللہ کی معیت کا ہے، اہل اخلاص کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے۔

مع المحسنين ۔ اللہ کی معیت اس کی نصرت و اعانت ہی کا دوسرا نام ہے۔

أى معية النصرة والمعونة. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۵)

سبلنا ۔ یعنی اللہ کے قرب کے راستے۔

سبلنا أى سبل السير إلينا والوصول إلىٰ جنابنا (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٤٢)

فینا ۔ ہماری راہ میں یا ہماری خاطر۔

أى فى شأننا ومن أجلنا ولوجهنا خالصاً (روح، ج ۲۱/ص: ۱٤)

فى حقنا (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٤٢)

فی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اللہ کے بارے میں، اللہ کے لیے، اللہ کی دریافت میں حقیقت رسی کے لیے، غرض جو بھی مخلصانہ کوشش و تعب اللہ کے لیے ہو، سب اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔

فی حقنا ومن أجلنا ولو جهنا (کشاف، ج ۳/ص: ۴۵۰)

الذی..........سبلنا۔ انسان کے لیے بس جدوجہد شرط ہے، مجرد مجاہدے پر ہدایت یابی کا وعدہ تو ادھر سے موجود ہی ہے۔ اور وعدہ بھی کیسا؟ مؤکد، جیسا کہ لنھدینّھم میں ل تاکید سے ظاہر ہوتا ہے۔

جاھدوا فینا۔ کے معنی، قدرت، صفت، حکمتِ الٰہی کے دلائل پر غور و فکر کے بھی کیے گئے ہیں۔

لمع لام تاکید کا ہے

لام تاکید۔ (قرطبی، ج ۱۳/ص: ۳۶۵)

(۳۰)

آیَاتُهَا ۶۰ — ۶۰ آیتیں

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّة

رُكُوْعَاتُهَا ۶ — ۶ رکوع

سورۃ روم مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

الف۔لام۔میم ۱ اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے ۲ اور وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد

۱ حروف مقطعات پر حاشیہ سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکا۔

امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حروف مقطعات قرآن مجید کی جن جن سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں، عموماً وہاں معاً بعد ذکر ''قرآن'' یا ''کتاب'' یا ''تنزیل'' کا بھی آیا ہے، عام قاعدہ یہی ہے، البتہ کل تین مقام اس سے مستثنیٰ ہیں، اور انھی تین مستثنیات میں سے ایک موقع یہ ہے۔ قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر اعجازی ہی حیثیت سے آیا ہے۔ اور یہاں اعجازی پہلو بجائے کسی ایسے لفظ کے نفس مضمون سے آشکار ہے، یعنی جو زبردست پیش گوئی یہاں فوراً بعد بیان ہو رہی ہے، اس کا تمام تر پورا ہونا بجائے خود اعجاز قرآن کی ایک زبردست شہادت ہے۔ (کبیر، ج ۲۵/ص: ۸۵)

۲ (اہل ایران سے، تقریباً ۶۱۴ء و ۶۱۵ء میں)

الروم۔ سے مراد قدیم ''رومن امپائر'' کا وہ مشرقی حصہ ہے، جو ۳۹۸ء میں اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۳ء تک رہی، اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آگئی، اس کا دار السلطنت استانبول یا قسطنطنیہ تھا۔ اس کو بیزنطینی سلطنت بھی کہتے تھے، اور اس کا ایک قدیم نام جدید رومہ بھی ہے، شام، فلسطین، ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔

سَيَغۡلِبُوۡنَ ۝ فِىۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ ؕ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَيَوۡمَئِذٍ

عنقریب چند سال کے اندر غالب آجائیں گے۔ ۳ اختیار اللہ کو پہلے بھی تھا اور پیچھے بھی ہے اور اسی روز اہل ایمان

أدنى الارض۔ یا "قریب کی زمین" سے مراد اس کے وہ علاقے ہیں جو عرب سے متصل تھے، یعنی شام و فلسطین۔۔۔ ایرانیوں کی فتح مند فوجیں خود رومی علاقے میں داخل ہو چکی تھیں، اور جنگ رومی مملکت ہی کی سرزمین پر ہو رہی تھی، دمشق، حلب، انطاکیہ، یروشلم، شام و فلسطین کا ایک ایک شہر رومیوں کے خون سے لالہ زار بن چکا تھا۔

آیت کا زمانہ نزول سن ٦ یا ٧ قبل ہجرت ہے، یعنی ٦١٥ء یا ٦١٦ء عین قریبی زمانہ یعنی ٦١٤ء میں مسیحی رومیوں کو مجوس ایران کے مقابلے میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ ایرانی فتوحات کا سیلاب مسیحی معبدوں اور رومی تہذیب و تمدن کی شاندار یادگاروں کو اپنے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا تھا، آیت میں اسی جانب اشارہ ہے۔

مجوس ایران کا مذہب چونکہ مشرکین عرب سے ملتا جلتا تھا اور وہ لوگ بھی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے، اس لیے قدرۃً اہل مکہ ان کی فتح کو اپنے نیم ہم مذہبوں کی فتح سمجھے اور بڑے خوش ہوئے اور آپس میں چرچا کرنے لگے کہ جیسے دیوتاؤں اور اوتاروں کے ایران نے کتاب و نبوت کے قائل رومیوں پر فتح پائی ہے، ہم بھی اس کتاب اور رسول والے نئے دین (اسلام) کے مقابلے میں فتح پائیں گے۔

۳ (عام اس سے کہ اس وقت کچھ آثار ہوں یا نہ ہوں)

بضع۔ سے مراد تین اور دس کے درمیانی اعداد ہوتے ہیں۔

المنقطع من العشرة ويقال ذلك لما بين الثلاث إلى العشرة. (راغب، ص: ٦٠)

گویا قرآن نے دعوے کے ساتھ پیش گوئی یہ کر دی کہ اس نتیجۂ جنگ پر خوش نہ ہو، نو سال کی قلیل مدت کے اندر ہی اندر پانسہ پلٹنے کو ہے، اور جو آج فاتح نظر آ رہے ہیں، وہ مفتوح ہو کر رہیں گے۔ یہ پیش گوئی وقت کی جنگی صورت حال کے بالکل منافی تھی۔ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کی اقبال مندی اوج پر تھی۔ ہرقل (Heraclius) فرماں روائے روم کا عہد حکومت اس وقت بے تدبیری، بد اقبالی کا ایک مجسمہ تھا، افسران فوج نااہل، خزانہ خالی، دلیر و دلاور سپاہ کا قحط، غرض ظاہری حالات و اسباب

يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اللہ کی امداد پر خوش ہوں گے ۴ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے

تمام تر رومیوں کے مخالف ہی تھے، اور بڑے سے بڑے جنگی مبصر کی پیش بینیاں اور پیش قیاسیاں رومیوں کے مخالف ہی جا رہی تھیں، کہ یک بیک ۶۲۱ء میں ہرقل سنبھلا، اور بجائے مدافعانہ کے، اب جارحانہ جنگ ایران کے مقابلے میں شروع کردی، ایران کی قسمت دیکھتے ہی دیکھتے پلٹی، یہاں تک کہ ۶۲۴ء میں ایران کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی، اور اس کے مقدس ترین آتش کدے برباد ہونے لگے، اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا۔

ایک فرنچ مورخ کی ''تاریخ ایران در عہد ساسانیاں'' (ترجمہ پروفیسر شیخ محمد اقبال مرحوم) میں ہے:۔ ''آخر کار ہرقل ایرانی فوجوں کی فاتحانہ ترقی کو روکنے میں کامیاب ہوا، اُس نے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کرلیا اور شہنشاہ کی فوجوں کو آرمینیا اور آذربائیجان تک پیچھے ہٹا دیا۔ ۶۲۳ء یا ۶۲۴ء میں اس نے شہر گنزک کو فتح کر کے آتش کدۂ آزر گشنسپ کو برباد کر دیا، خسرو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور آتش مقدس کو ساتھ لیتا گیا............ ازاں بعد قیصر وادئ دجلہ پر حملہ آور ہوا...... خسرو پایۂ تخت کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ چلا گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک بغاوت میں مارا گیا'' (ص: ۶۰۳)

اور مشہور انگریزی مورخ گبن نے لکھا ہے:۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیش گوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیش گوئی کی گئی تھی تو اس سے زیادہ مستبعد کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تھی، کیوں کہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال سلطنت روما کی قریبی تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے''۔ (تاریخ زوال سلطنت روما جلد ۵، ص: ۷۴)

۴ فتح و شکست کے اسباب بعید و قریب، خفی و جلی اور حقیقی تصرفات سب اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس مغلوبیت سے قبل ہی حاکم علی الاطلاق و متصرف وہی تھا، اور اس منصوریت کے بعد بھی متصرف وہی رہے گا۔ وہ اپنی حکمت تکوینی سے جب اور جس فریق کو چاہے غالب اور اس کے مقابل کو مغلوب کرے۔ کسی بندے کو اس میں دخل و تصرف مطلق نہیں، اور نہ محض فتح و کامیابی کسی فریق کے برسرِ حق ہونے کی دلیل ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ

اور وہ زبردست ہے رحیم ہے۔ ۵ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، البتہ

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ ۶

مومنین کو ایک خوشی تو اس روز ہوئی، جب بلا کسی سبب ظاہری کے، بلکہ خلاف اسباب ظاہر، رومیوں کو فتح ایرانیوں پر حاصل ہوئی، اور یہ عین وہ وقت تھا جب ادھر خود مسلمانوں کو مشرکوں کے مقابلے میں غزوۂ بدر میں بے شان وگمان نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اس میں اشارہ ایک اور پُرمسرت فتح عظیم کی طرف بھی نکل سکتا ہے، یہ اس روز جب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں خود مسیحی رومیوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، اور سارا شام و فلسطین مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

للہ......بعد۔ ایک کلیدی اور بنیادی تعلیم ہے۔ اس آیت کے مضمون کا استحضار اگر رہتا تو دنیا آج سے چند سال قبل جنگ عظیم میں ہٹلر کی کامیابی کا اس قدر جزم کے ساتھ ہرگز یقین نہ کر بیٹھتی!

۵ وہ فتح وشکست اپنے مصالح تکوینی اور اپنی مشیت پُرحکمت کے مطابق واقع کراتا رہتا ہے۔

العزیز۔ وہ زبردست ہے کافروں کے مقابلے میں۔ جب چاہے انھیں ان کی ظاہری شان وشوکت کے باوجود مغلوب کر دکھائے۔

الرحیم۔ وہ رحیم ہے مسلمانوں کے حق میں، جب چاہے ان کی ظاہری کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود انھیں فتح دے دے۔

۶ (اس حقیقت کا کہ مؤثر وفاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے لیے تکوین، باسباب وبلا اسباب، اسباب کے موافق، اسباب کے مخالف، ہر طرح آسان اور یکساں)

عارف رومی نے اسی مقام کی ترجمانی کی ہے ؎

جملہ قرآن ست در قطع سبب
عزّ درویش وہلاکِ بولہب

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے (محض) بے خبر ہیں۔ ے

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے

آیندہ جنگ کے متعلق اس وثوق وجزم کے ساتھ پیش گوئی بجز خدائے عالم الغیب کے کوئی اور کر سکتا تھا؟

ے ان کی ساری عقلیں، ساری کوششیں بس اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین تک محدود ہیں، اس کے آگے اور اس کے ماورا یہ ذرا بھی اپنے ذہن کو نہیں لے جاتے ------ گویا سلسلۂ کائنات کے صرف اقل قلیل حصہ کا علم ان کے پلّے پڑا ہے، اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ آخرت کے وسیع اور لق ودق عالم کی طرف سے بے خبر ہی نہیں، بے پروا بھی ہیں۔ کوئی فکر بھی اس کے علم کی نہیں کرتے۔

ظاهراً۔ کا لفظ بہت قابل غور ہے، منکروں، ملحدوں، مادہ پرستوں کا علم، آخرت کی لازوال زندگی کو چھوڑ کر اسی مادی دنیا تک تو محدود ہوتا ہی ہے، پھر یہ محدود علم بھی صرف ظواہر ہی کا ہوتا ہے۔ کنہ، حقیقت، باطن تک رسائی علوم دنیوی میں بھی نہیں ہوتی ---- ?Why (کیوں، کس لیے، کس غرض ومقصد سے) کا جواب اہل سائنس کے پاس مطلق نہیں، یہ ہیر پھیر کر صرف ?How (کس طرح، کیوں کر) کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔

وهم غافلون۔ جملہ کا اسمیہ ہونا اس اظہار کے لیے ہے کہ ان کی غفلت عارضی یا وقتی نہیں، مستقل اور دائمی ہے۔

وإيرادها اسمية للدلالة على استمرار غفلتهم. (روح، ج ۲۱/ص: ۲۲)

هُم۔ هُم۔هُم کی تکرار زور وتاکید کے لیے ہے، یعنی آخرت سے یہ لوگ بالکل ہی اور تمام تر غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

أى إعادة هم تأكيد. (جلالين، ص: ۵۳۱)

إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ⑧

سب کو کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین تک کے لیے پیدا کیا ہے، اور کثرت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔ ۸

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں تو یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کا کیا انجام ہوا ہے

قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا

وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور زمین کو بویا جوتا تھا اور اسے آباد کر رکھا تھا، اس سے زیادہ جتنا انھوں نے اُسے آباد

عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ؕ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ

کر رکھا ہے، اور اُن کے پاس بھی ان کے پیمبر معجزے لے کر آئے تھے، سو ایسا اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا

۸ مطلب یہ ہوا کہ تکوین کائنات خود اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کے انجام کے ظہور کے لیے ایک یوم آخرت ہو، جس میں سلسلۂ کائنات کی یہ کڑی اپنے اختتام کو پہنچے۔ وقوعِ حشر سے ان کا انکار خود ان کی نافہمی، بے غوری کا نتیجہ ہے۔

أو .... أنفسهم۔ انسان خود اپنی ہی خلقت میں اگر غور کرتا رہے، تو وہ اسے اس نتیجے تک پہنچا دینے کے لیے کافی ہے۔

السمٰوٰت والأرض وما بينهما۔ یعنی جمیع سلسلۂ موجودات وکائنات۔

إلا بالحق ۔ کسی خاص مصلحت ومقصد کے ساتھ، کسی خاص حکمت کے ماتحت، یوں ہی بے مقصد اور بلا غرض متعین نہیں۔

پوری آیت کا حاصل یہ نکلا کہ انسان اگر خود اپنی خلقت اور اس کائنات کی ترکیب، ترتیب پر غور کرنا سیکھے، تو اسے خود نظر آجائے کہ یہاں کوئی شے بھی بے مقصد اور بے حکمت نہیں، اس سے اسے آخرت وتوحید کا خود ہی یقین آجائے۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٩ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا

لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے ۹ پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کیا تھا

السُّوْٓاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ اَللّٰهُ

برا ہی ہوا کہ انھوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اوران کی ہنسی اُڑاتے رہتے تھے۔ ۱۰ اللہ ہی خلق کو

۹ مراد یہ ہے کہ اپنی مادیت میں مست وسرشار رہنے والے یہ مشرکین مکہ تو اپنی تجارت کے سلسلے میں برابر شام ویمن کی آمدورفت رکھتے ہی ہیں، کیا اس پر غور نہیں کرتے کہ ان سے قبل کی بڑی بڑی مہذب، متمدن وپرشوکت، لیکن کافر قومیں، مثلاً عاد وثمود کس طرح اپنے طغیان وعدوان کے پاداش میں برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے آثار اوران کے کھنڈر انھیں یاد نہیں دلاتے کہ اللہ کی نافرمانی کے قدرتی انجام کو دنیا کی کوئی خوش تدبیری، کوئی اقبال مندی کوئی مرفہ الحالی روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی ہے، ان بدبختوں پر کوئی گرفت اللہ کی طرف سے خواہ مخواہ تھوڑی ہی ہوئی ہے، یہ تو خود اپنی حرکتوں سے یہ وقت بد اپنے اوپر لائے تھے۔

كانوا أنفسهم يظلمون۔ فاطرِ کائنات کے تشریعی احکام اور تکوینی ضابطے توڑتے رہنا خود اپنی جانوں پر زیادتی کرنا ہے۔

فما كان الله ليظلمهم ۔ حقیقۃً تو اللہ کی جانب انتسابِ ظلم کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں جب کہ وہ مالک کُل ومختار کُل ہے۔ باقی صورۃً وظاہراً بھی وہ اپنی کسی مخلوق کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ انسان کو جو کچھ بھی سختیاں پیش آتی ہیں، سب اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت ہوتے ہیں۔

۱۰ تمسخر کا درجہ تکذیب سے بڑھا ہوا ہے، جو لوگ اس آخری منزل تک پہنچ جائیں، ان کا انجام دوزخ ہونا ہی تھا۔

آيات الله ۔ مثلاً قرآن کے احکام اوراس کی دی ہوئی خبریں۔

الذين أساء وا ۔ یعنی اپنے انبیائے صادقین کو جھٹلاتے رہے۔

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی اُسے دوبارہ بھی پیدا کرے گا، پھر اسی کے پاس تم (سب) لائے جاؤ گے۔ ۱۱ اور جس روز قیامت قائم ہوگی

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا

اس روز مجرم بے آس ہو کر رہ جائیں گے ۱۲ اور ان کے (گڑھے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ (خود) اپنے

بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ﴿۱۴﴾

شریکوں سے منکر ہو جائیں گے، اور جس روز قیامت قائم ہوگی اُس روز (سب لوگ) جُدا جُدا ہو جائیں گے ۱۳

ف ۱۱ (اور یہ نہ ہوگا کہ یوں ہی بلا پیشی اور حاضری کے چھوڑ دیے جاؤ)

خلق کی ایجاد و ابداء (یبدؤا الخلق) اعادۂ آفرینش (یُعیدہ) آخری حساب کے لیے پیشی (الیہ ترجعون) ان سب کا تعلق صرف ذات باری تعالیٰ سے ہے، کوئی دوسری ہستی، کوئی دیوی دیوتا، ان صفات و اعمال میں اس کا شریک نہیں ----- ردِّ شرک میں یہ آیت بالکل واضح و صریح ہے۔

یبدؤا الخلق میں آفرینش کائنات کا مستقل و بنیادی عقیدہ ایک بار پھر دہرا دیا ہے۔

ف ۱۲ (اور ان سے کچھ کہتے سنتے نہ بنے گی)

یُبلس۔ ابلاس شدت خوف و غم سے یاس چھا جانے اور لاجواب ہو جانے کا نام ہے۔

الإبلاس العحزن المعترض من شدة البأس (راغب) قيل أبلس فلان إذا سكت وإذا انقطعت حجته. (راغب، ص: ۷۱)

قیامِ قیامت عین انکشافِ حقائق کا وقت ہوگا، اب منکروں کو آنکھوں دیکھا یقین ہو جائے گا کہ ساری تدبیریں الٹ گئیں، سارے مادی سہارے ٹوٹ گئے، بڑے بڑے فلسفی اور سائنٹسٹ لاجواب اور بدحواس ہو کر رہ گئے، اور اب کوئی مداوا ممکن نہیں۔

ف ۱۳ یعنی اچھے اور برے، مومن و کافر، جنتی اور جہنمی سب الگ الگ ہو جائیں گے۔ بخلاف اس دنیا کے، جہاں سب ملے جلے رہتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک عمل کیے تھے سو وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی

اور جن لوگوں نے کفر و تکذیب کی تھی ہماری نشانیوں سے اور آخرت کے پیش آنے سے، سو وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ ۱۴

أی المؤمنون والكافرون (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٤)

ثم یمیز ویجعل فریق فی الجنة وفریق فی السعیر. (کبیر، ج ۲۵/ص: ۹۰)

۱۴ ایک بار پھر جامع الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ جنت کا ترتب ایمان و عمل صالح پر ہوگا، اور عذاب جہنم کا کفر و تکذیب پر۔

روضة کی تنوین اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔ عربی محاورے میں جہاں کثرت یا عظمت کا اظہار منظور ہوتا ہے، اسم بجائے معرفہ کے نکرہ لاتے ہیں۔

کمایقال لفلان مالٌ وجاهٌ أی کثیر وعظیم. (کبیر، ج ۲۵/ص: ۹۱)

امام رازیؒ نے یہاں دو نکتے اور لکھے ہیں: ایک یہ کہ مومنین کی جزائے خیر کا ذکر صیغۂ فعل یحبرون سے کیا ہے نہ کہ صیغۂ اسم محبورون سے۔ بخلاف اس کے کافروں کے عذاب کا ذکر صیغۂ اسم سے کیا ہے، اس میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ صیغۂ فعل تجدّدِ فعل کی خبر دیتا ہے، یعنی اہل جنت ہر وقت خوش ہوتے رہتے ہیں، ہر گھڑی ان کی خوشی تازہ ہوتی رہتی ہے، یعنی یاتیهم کل ساعة أمر یسرّون۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مومنین کی جزائے خیر کے موقع پر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ عمل صالح معتبر وہی ہے جو ایمان پر مبنی و متفرع ہو۔ دوسرے گویا اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ مراتب عالیہ کے لیے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ گو نفس نجات کے لیے مجرد ایمان کافی ہے۔ بخلاف اس کے کافروں کی سزا کے سلسلے میں اعمال سیئہ کا کوئی ذکر نہیں، اس سے معلوم ہوا مجرد کفر انتہائی سزا کے لیے کافی ہے۔ (کبیر، ج ۲۵/ص: ۹۱)

الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾

سواللہ کی تسبیح کیا کرو ۱۵ شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی

وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اور آسمانوں اور زمین میں حمد اسی کی ہوتی ہے اور بعد زوال بھی اور ظہر کے وقت بھی۔ ۱۶

انسانوں کو دو قسموں کا حکم تو اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا: ایک وہ جو ایمان کے ساتھ صاحب اعمال صالح ہیں، انھیں جنت کا اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ دوسرے وہ جو کافر ہیں، ان کے لیے دوزخ کا عذاب ابدی ہے۔ مگر ایک تیسری قسم ابھی باقی رہ گئی، یعنی مومن تو ہیں، مگر اعمال صالحہ زیادہ نہیں رکھتے، اس طبقے کا ذکر آیت میں نہیں۔ محققین اہل سنت کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے شخص کو شروع میں تو عذاب ہوگا، لیکن پھر اس سے نجات پا جائے گا، دوام عذاب اس کے لیے نہیں، اور جنت میں اسے جگہ تو مل جائے گی، البتہ بلند ترین مرتبہ اس کے لیے نہیں۔

هو في الأول في العذاب ولكن ليس من المحضرين دوام الحضور، وفي الآخرة هو في الرياض، ولكنه ليس من المحبورين غاية الحبور. (كبير، ج ۲۵/ص: ۹۱)

۱۵ (دل سے بھی جس کے اندر ایمان و تصدیق آگئی، اور زبان سے بھی جس کے اندر اقرار و اذکار آگئے اور عمل سے بھی جس کے اندر ساری عبادتیں آگئیں، خصوصاً نماز)

سبحن اللہ۔ صیغہ خبر کا ہے لیکن معنی امر کے ہیں، اور سبحان قائم مقام سبحوا کا ہے۔

اخبار في معنى الأمر. (بيضاوی، ج ٤/ص: ١٤٤)

أي سبحوا الله تسبيحاً. (كبير، ج ٢٥/ص: ٩١)

أنه خطاب للمؤمنين بالأمر بالعبادة والحض على الصلاة. (قرطبی، ج ١٤/ص: ١٤)

۱۶ ”کہ یہ اوقات تجدد نعمت و زیادت ظہور آثار قدرت کے ہیں، ان میں تجدید تسبیح کی مناسب ہے، بالخصوص نماز کے لیے یہی اوقات مقرر ہیں“ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۰)

تمسون۔ میں مغرب و عشاء کی نمازیں آگئیں۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ

وہ باہر لاتا ہے جاندار کو بے جان سے اور باہر لاتا ہے بے جان کو جاندار سے، اور زمین کو سرسبز کرتا ہے اس کے

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن

خشک ہونے کے بعد ۱۷ اور اسی طرح تم لوگ باہر لائے جاؤ گے۔ ۱۸ اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا

تصبحون۔ میں صبح کی نماز کی طرف اشارہ ظاہر ہے۔

عشیاً۔ میں اشارہ نماز عصر کی جانب ہے۔

تظھرون۔ سے مراد نماز ظہر ہے۔

ای تدخلون فی الظهيرة، وهو وقت الزوال. (غريب القرآن، ابن قتيبة، ص: ٢٩١)

سبحان الله وله الحمد۔ عارفوں نے کہا ہے کہ تسبیح مقام ہے قرب ذاتی کا اور حمد قرب صفاتی کا۔

۱۷ (اور اپنے ان تکوینی و تخلیقی عجائبات کے نمونے دن رات ہر آن دکھاتا رہتا ہے)

یخرج الحی من المیت۔ جیسے انڈے سے مرغی کا پیدا کرنا۔

یخرج المیت من الحی۔ جیسے مرغی سے انڈا پیدا کرنا۔

یہ عام فہم مثالیں ہر ایک کی سمجھ میں آجانے والی ہیں، باقی اہل فن کی نظروں میں، بہت سی نظیریں ہیں۔ نفیس سے نفیس اور لطیف سے لطیف، ماکولات و مشروبات کا انسان کے شکم میں جا کر گندے سے گندے فضلے کی شکل میں تبدیل ہو جانا، جس کے دیکھنے اور سونگھنے سے بشری طبیعت خود ہی سخت کراہت محسوس کرے، اور پھر اسی گندہ ترین فضلے کا کھاد کی شکل میں، خوشبودار ترین پھولوں (گلاب، چنبیلی وغیرہ) اور لطیف ترین پھلوں میں تبدیل ہونا، یہ سب مثالیں بھی، روزمرہ اسی اخراج المیت من الحی اور اخراج الحی من المیت کی نظر آتی رہتی ہیں۔ مسلم و مومن کے لیے یہ نظارے حکیمانہ ربوبیت کے ہر وقت کھلے ہوئے رہتے ہیں۔

۱۸ یہ مادیین منکر بعث و قیامت کے جواب میں ہے۔ قرآن ان سے کہتا ہے کہ جس شے کو تم ناممکن کہہ رہے اور سمجھ رہے ہو، اس کی نظیریں اور مثالیں تو اس زندگی میں اپنی آنکھ سے ہر روز

تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ

پھر تھوڑے ہی روز میں تم (سب) آدمی (بن کر زمین پر) پھیل گئے ۱۹ اور اُسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس

اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ

کی بیویاں بنائیں، تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی، بے شک

فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ۲۰ اور اُس کی نشانیوں میں سے بنانا ہے آسمانوں اور زمین کا

دیکھتے رہتے ہو۔ اس کے عدم امکان پر جمے رہنا تو بے بصیرتی کی انتہا ہے، جاہلیینِ عرب عموماً اسی عقیدۂ انکارِ آخرت کے قائل تھے، اور یہی حال آج یورپ اور مہذب دنیا کے بیشتر حصے کا ہے۔

۱۹ (اور ساری نوع انسان کے درمیان طرح طرح کے خانگی، مجلسی، معاشری، تمدنی تعلقات قائم ہوگئے)

من آیتہ۔ یعنی اس کی قدرت، حکمت وصنعت کی نشانیوں میں سے۔ من آیتہ کا یہی مفہوم اس رکوع بھر میں ہر جگہ ہے۔

۲۰ آیت آیاتِ احکام میں بہت اہم ہے اور گویا اسلام کی مجلسی وخانگی نظام زندگی کے لیے سنگِ بنیاد ہے، یہاں تین باتیں بطور اصل کے بیان ہوئیں:۔

(۱) مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں، ترکیب حیات میں تمہاری ہی مثل، تمہاری ہی جیسی خواہشیں، جذبات، احساسات رکھنے والی مخلوق بے روح نہیں ہے، من أنفسکم۔

(۲) ان کی غایت آفرینش یہی ہے کہ وہ تمہارے لیے سرمایۂ راحت وتسکین وباعث سکون خاطر ہوں، تمہارا دل اُن سے لگے، جی ان سے بہلے۔ لتسکنوا إلیھا۔

(۳) تمہارے اُن کے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص وہمدردی ہونا چاہئے۔ جعل بینکم مودۃً ورحمۃً۔

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور مختلف ہونا تمہاری زبانوں اور رنگوں کا بے شک اس میں (بھی) نشانیاں ہیں علم والوں کے لیے ۲۱

اسلام میں عورت، مرد کی کنیز نہیں، جیسا کہ بعض دوسرے مذہبوں میں ہے، بلکہ اس کی صاحبہ، انیس، رفیق ومصاحب ہے، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

انّ .... یتفکرون، ماہرین اجتماعیات چاہیں تو ایک پورا فلسفہ انھی اصول اور بنیادی کلیات سے تیار کر سکتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بیویوں کی طرف میلان والتفات ہونا منافی کمال نہیں، جیسا کہ بعض زاہدانِ خشک سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہاں اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے موقع احسان پر کیا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۲)

۲۱ (کہ اس اختلاف لون وزبان سے تمدن زندہ ہے اور اس کا تنوع قائم ہے)

یہ اختلاف طبعی وتکوینی اس لیے نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے پر ظلم روا رکھا جائے اور ایک قوم دوسری کو حقیر وذلیل سمجھنے یا اس سے تعصب برتنے لگے، اور اس کے لیے جنگ، گوری اور کالی اور پیلی قوموں کے درمیان چھیڑ دی جائے یا فلاں زبان بولنے والوں کی فلاں دوسری زبان بولنے والوں کے خلاف۔

انّ .... للعلمین۔ ان بنیادوں پر باخدا اہل علم اگر چاہیں تو علوم طبعی اور علوم اجتماعی کے پورے پورے دفتر تیار کر سکتے ہیں۔

اختلاف ألسنتکم۔ لسانی اختلاف کی بنیاد پر جو متعدد تمدن پھیلے، متعدد حکومتیں قائم ہوئیں، متعدد قوموں نے سر ابھارا، تاریخ ماضی وتاریخ حاضر دونوں ان کی مثالوں سے لبریز ہے--- لیکن عصبیتِ جاہلی اس اختلاف زبان کی طبعی وتکوینی حقیقت کو بھی ایک سبب جنگ وجدال، بغض ومنافرت کا بنالیتی ہے، اور ایک زبان والے اپنی لسانی خودمختاری حاصل کرکے دوسری زبان والوں سے دشمنی پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثالیں عہد جدید میں ناپید نہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں، اور اپنے لیے اس کی (دی ہوئی) روزی کا تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں ۲۲ اور اُس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف کی راہ سے بھی اور امید کی راہ سے بھی،

وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے زمین کو شاداب کر دیتا ہے اس کے خشک ہو جانے کے بعد۔ بے شک اس میں

والوانکم۔ جلد انسانی کے رنگ کی رنگارنگی کی بنا پر، جو گوری قومیں، اور کالی قومیں اور پیلی قومیں اور ان کے تمدن پیدا ہوئے، وہ ہر پڑھے لکھے پر روشن ہیں، لیکن عصبیت جاہلی جلدی رنگ کے اس طبعی اور تکوینی اختلاف کو ایک بڑا سبب، فتنہ وفساد، جدل ومحاربہ کا بنا لیتی ہے، اور بڑی سے بڑی قوت آزمائی اس کی آڑ میں شروع کر دیتی ہے، چنانچہ عین ان سطور کی تحریر کے وقت (یعنی ۱۹۶۴ء میں) امریکا کے سے مہذب اور ترقی یافتہ ملک میں شدید جنگ کالوں کے مقابلے گوروں کی برپا ہے۔

۲۲ (اور وہ گوش ہوش سے کام لیتے رہتے ہیں)

من فضلہ۔ فضل اللہ کے ایک معنی محاورے میں اللہ کے دیے ہوئے رزق کے بھی آتے ہیں، اور وہی یہاں مراد ہیں۔

الرزق من کسبہ. (کبیر، ج ۲۵/ص:۹۹)

أی طلب معاشکم. (بیضاوی، ج ٤/ص:١٤٥)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ استراحت کے لیے سونا اور اسی طرح اسباب معاش کا حاصل کرنا، یہ سب منافی کمال نہیں، کیوں کہ موقع فضل وکرم میں اس کا ذکر فرمایا ہے، البتہ ان میں انہماک ممنوع ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۲۶۳)

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۲۳ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین قائم ہیں اس کے حکم سے ۲۴

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ

پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم یک بارگی نکل پڑو گے ۲۵ اور اسی کی مِلک ہیں جو کوئی بھی

۲۳ چنانچہ باخدا اہل علم اگر چاہیں تو ان اشارات سے فائدہ اٹھا کر پورے پورے علوم بارش اور خشک سالی اور کائنات فضائی سے متعلق مرتب کر سکتے ہیں۔

یریکم ....طمعاً۔ یعنی ایک طرف تو تمہیں یہ افراط بارش سے امیدیں بڑی بڑی قائم ہو جاتی ہیں، اور تم ان سے آس بھی ہر طرح کی لگانے لگتے ہو، اور دوسری طرف طوفانی بارش سے اندیشے بھی بہت زیادہ لگے رہتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خطاب اپنے عموم میں کاملین کو بھی شامل کیے ہوئے ہے۔ یہ عموم خطاب اس امر پر دال ہے کہ خوف و امید طبعی منافی کمال نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۲)

۲۴ خود بخود نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی سے۔ اوپر ذکر پیدایشِ کائنات کا تھا، اب ذکر نظامِ عالم کے قیام کا ہے، یہ سب اللہ کے ارادۂ مشیت کے ماتحت قائم ہے، جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہے نہ سہارے کا۔

والتعبير بالأمر للمبالغة في كمال القدرة والغنى عن الآلة. (بيضاوي، ج ٤/ص: ١٤٥)

تقوم السماء والأرض بامره۔ لاکھ حقیقتوں کی ایک حقیقت یہ بیان کر دی کہ آسمان و زمین سب اپنی جگہ پر اس کے حکم سے تھمے ہوئے، رکے ہوئے قائم ہیں۔

۲۵ (یہ اس وقت جب موجودہ نظام عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا نظام قائم کرنا اس کی مشیت و حکمت کو منظور ہوگا)

فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ

موجود ہیں آسمانوں اور زمین میں، سب اسی کے تابع ہیں ۲۶ اور وہ وہی ہے جو اوّل بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ

ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ ہُوَ اَہۡوَنُ عَلَیۡہِ ؕ وَ لَہُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ

پیدا کرے گا ۲۷ اور یہ (تو) اس کے لیے اور زیادہ آسان ہے ۲۸ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان (سب سے)

۲۶ (تکوینی طور پر)

یعنی فرشتے، جن، انسان، حیوان، جتنی بھی صاحبِ حیات وصاحبِ ارادہ مخلوق ہے، سب اضطراراً قانونِ الٰہی کی پابند ہے، کسی کی مجال سرتابی نہیں۔ کسی کے لیے ممکن نہیں کہ اس کے قوانین تکوینی کے حدود توڑ کر باہر جاسکے۔

أی قائمون بالشهادة علی وحدانیته. (روح۔ عن الحسن، ج۲۱/ص:۳۵)

لہ۔ کا استعمال دونوں جگہ تاکید اور حصر کے لیے ہے، یعنی مملوک وتابع اسی ایک کے ہیں۔ کسی اور کے نہیں۔

۲۷ امکان حشر وبعث پر جو شبہ ہوتا تھا، اس کے ازالہ کے لیے بار بار اس حقیقت کا استحضار کرایا ہے کہ جس خدا کا موجد اوّل ہونا، خالق کائنات ہونا، تم خود تسلیم کرتے ہو، اسی کے لیے تو اس صفت احیاء کا اثبات کیا جارہا ہے، تم آخر اسے اس کے لیے ناممکن یا مستبعد ہی کیوں سمجھتے ہو؟

یبدؤا الخلق۔ سے ضمناً اس ملحدانہ عقیدے کی بھی تردید ہوگئی ہے کہ یہ کارخانۂ کائنات اسی طرح ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، اور فاطرِ کائنات کی طرح قدیم ہے [نہیں بلکہ] حادث ہے اور "زمانہ" کے اندر ہی پیدا ہوا ہے۔

۲۸ (تمہارے معیار اور تمہاری عادت کے اعتبار سے)

حقیقۃً اس قادر مطلق کے لیے تو زیادہ آسان اور کم آسان کا کوئی سوال ہی نہیں، یہ سب درجے اور اضافتیں تو ہماری نسبت سے ہیں، تو اسی معیار سے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اعادۂ خلق کہیں زیادہ آسان ایجادِ خلق سے ہے۔

ھو۔ ضمیر اعادہ واحیاء کے لیے ہے۔

وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ

اعلیٰ ہے ۲۹ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ۳۰ (اللہ) تمہارے ہی متعلق ایک مضمون تم سے بیان کرتا ہے ۳۱

هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ

کیا تمہارے غلاموں میں کوئی تمہارا شریک ہے اس روزی میں جو ہم نے تم کو دی ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر

الضمير..........للاعادة. (روح،ج ۲۱/ص:۳۶)

۲۹ (کہ نہ آسمانوں میں کوئی ایسا بڑا ہے نہ زمین میں)

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ولہ الكبرياء فى السموات والأرض۔ متکلمین نے لکھا ہے کہ اللہ کا علو اضافی نہیں، مطلق ہے، وہ اعلیٰ اس وقت سے ہے جب علو کے مقابل دُنو کا وجود ہی نہ ہوا تھا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ صاحب مثل اعلیٰ کو ادنیٰ صفات سے ذکر کرنا جائز ہے، مثلاً عاقل، شجاع وغیرہ۔

وله المَثَل الأعلىٰ مِلكاً وخلقاً، یعنی خالق بھی سب کا وہی ہے اور مالک بھی سب کا وہی ہے مَثَل (بفتحتين) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے، اس کا اللہ کے لیے لانا جائز ہے، اور اللہ کے مِثل (بہ کسرۂ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز ہے۔

الأعلى أى الذى ليس لغيره مايساويه أو يدانيه. (بيضاوى،ج ٤/ص:١٤٦)

أى الوصف الأعلىٰ الذى ليس لغيره. (مدارك،ص:٩٠٧)

۳۰ وہ عزیز جب بھی چاہے اپنی قدرت سے قیامت کو واقع کر سکتا ہے، لیکن وہ حکیم اپنی حکمت سے اسے واقع اسی وقت کرے گا، جب عین مصلحت ہوگی۔

العزیز۔ قوت و قدرت والا اس کارگاہ کائنات کو ختم کر دینے والے کی حیثیت سے۔

الحکیم۔ حکمت و دانش والا، اس کارخانۂ حیات کو قائم رکھنے کی حیثیت سے۔

۳۱ (جس سے اسی مسئلہ شرک و توحید پر مزید روشنی پڑے گی)

سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ

ہو جائیں (اور) تم ان کا ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ ہم اسی طرح صاف صاف دلائل

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۳۲

۳۲ ''ظاہر ہے کہ کوئی غلام اس طرح شریک نہیں ہوتا، پس جب تمہارا غلام جو نوع وغیرہ میں تمہارا شریک ہے، صرف ایک امر اضافی اس میں اور تم میں موجب امتیاز ہے، تمہارے خاص حق امتیاز میں تمہارا شریک نہیں ہوسکتا، تو تمہارے قرار دیے ہوئے معبودات باطلہ جو کہ حق تعالیٰ کے غلام اور کسی کمالِ ذاتی یا وصفی میں خدا تعالیٰ کے مماثل نہیں، بلکہ بعض تو ان میں سے خود مخلوقات الٰہیہ کے مصنوع ہیں، یہ معبودین خاص حق تعالیٰ کے حق معبودیت میں کس طرح اس کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۴)

یہ انسان تو تمہارے محض مجازی غلام ہیں، انسانی اوصاف میں تمہارے شریک، تم اُن کے خالق نہیں، اُن کے مالک علی الاطلاق نہیں۔ حقیقی غلام تو انسان ہے، تمام تر اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا۔ پھر یہ مال جو تمہارے پاس ہے، یہ بھی ذاتی نہیں، محض عطیۂ الٰہی ہے، بخلاف اس کے اللہ کے تمام صفات ذاتی ودائمی ہیں، پس جب شرک ومساوات انسان کو اپنے غلاموں کی منظور نہیں، تو ظاہر ہے اس کا گزر جناب باری میں کہاں ہوسکتا ہے!

هل لكم .... أنفسكم۔ یہاں کوئی اخلاقی بحث مقصود نہیں کہ آیا ایسا ہونا چاہیے بھی، اور ہو تو کس حد تک۔ مقصود صرف ایک واقعہ سے، جیسا کہ وہ پایا جاتا ہے استدلال کرنا ہے۔

كذلك .... يعقلون۔ باخدا اہلِ علم اگر چاہیں، تو فطرت بشری سے اسی طرح کے استدلالات سے ایک پورا علم کلام مرتب کرسکتے ہیں۔

من شركاء۔ من زائد تاکید استفہام انکاری کے لیے ہے۔

من مزيدة لتاكيد الاستفهام الجاري مجرى النفي. (مدارك، ص: ۹۰۷۔ بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٦)

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ

مگراس پر بھی ظالموں نے بغیر دلیل کے اپنی خواہشات کا اتباع کر رکھا ہے ۳۳ سو اُسے کون راہ پر لاسکتا ہے جسے اللہ گمراہ کرے

اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ

اور اُن کا کوئی حمایتی نہ ہوگا ۳۴ تو آپ یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھئے ۳۵

من أنفسكم۔ من ابتدائے کلام کے لیے ہے۔

من لابتداء الغاية. (روح، ج ۲۱/ص:۳۷)

مما ملك أيمانكم۔ من تبعیض کے لیے ہے۔

من للتبعيض. (روح، ج ۲۱/ص:۳۷)

۳۳ یعنی باوجود اس تبیین و تفصیل اور اس توضیح و تشریح کے ہم لوگ دلائل پر غور نہیں کرتے، بے انصافی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اتباع اپنی خواہشوں کا کیے جاتے ہیں۔

۳۴ (جو انھیں عذاب سے رہائی دلا سکے)

یہ اُن گمراہوں کی معذوری کا بیان نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ ایسے بد پرہیز لاعلاج مریضوں کے حق میں زیادہ غم و تردد سے کام نہ لیجیے ہماری طرف توجہ رکھئے۔

۳۵ (اے پیغمبر! اور ان بدبختوں کو ان کے حال پر چھوڑے رہئے)

الخطاب للنبي صلى الله عليه وسلم أمره بإقامة وجهه للدّين المستقيم. (قرطبی، ج ۱٤/ص:۲٤)

اور بالواسطہ خطاب ساری امت سے ہے۔

دخل في هذا الخطاب أمته باتفاق من أهل التاويل. (قرطبی، ج ۱٤/ص:۲٤)

من أضل الله۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال یا گمراہی ان لوگوں کے عناد اور کج روی کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہوگی۔

لهم۔ ضمیر کا صیغہ، جمع من أضل الله کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

اللہ کی اس فطرت کا (اتباع کیجیے) جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے ۳۶ اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ۳۷ یہی ہے

والجمع باعتبار المعنى. (روح، ج ٢١/ص:٣٨)

۳۶ ”فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سنے اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے، اور اس کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے، اور اس کے مقتضا پر کہ ادراک حق ہے، عمل کرے“۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۲۶۴)

یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ دین تو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے، اور فطرتِ بشری میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس لیے اس دین میں بھی کسی قسم کی ترمیم کی خواہش کرنا سرتاسر بے عقلی و نادانی ہے۔

فطرت اللّٰہ۔ فطرت کا اعراب منصوب ہے، اصل عبارت مقدر یوں سمجھی گئی:

الزموا فطرة الله ياعليكم فطرة الله. (كشاف، ج ٣/ص:٤٦٣)

اور زجاج نحوی نے پوری عبارت یہ قرار دی ہے:

اتبع الدين الحنيف واتبع فطرة الله. (قرطبی، ج ١٤/ص:٢٤)

۳۷ مراد یہ ہے کہ یہ دین قدیم خلقی و ازلی ہے، اس کے قبول کی صلاحیت بشر میں رکھ دی گئی ہے۔ یہ بدل نہیں سکتا۔

یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عالم ناسوت میں جو قاعدے جس چیز کے لیے مقرر کر دیے ہیں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ سورج ہمیشہ مشرق ہی سے نکلتا اور مغرب کی طرف جاتا ہے۔ جس تاریخ کے لیے وقت طلوع و غروب مقرر ہے، اس میں ایک لمحہ کا بھی فرق نہیں پڑتا، دو اور دو ہمیشہ چار ہی ہوتے ہیں کبھی اتفاق سے بھی پانچ نہیں ہوتے ہیں، سورج اور چاند اور کرۂ ارض کی جو رفتار گردش ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، وہ ہمیشہ یکساں ہی رہتی ہے، یہ سارے واقعات مشاہدے سے تعلق رکھتے ہیں، عدل کو پسند کرنا اور ظلم کو ناپسند کرنا، راحت کی طلب اور مشقت سے گریز، فطرت میں داخل ہے، اور دین اسلام انھی صداقتوں پر قائم ہے۔

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٠ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ

سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے ۳۸ اسی (اللہ) کی طرف رجوع

وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٣١ مِنَ الَّذِيْنَ

ہو اور اس سے ڈرو، اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو یعنی ان لوگوں میں جنہوں نے

فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝٣٢

دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور گروہ گروہ ہو گئے ۳۹ ہر گروہ نازاں ہے اس (طریق) پر جو اس کے پاس ہے ۴۰

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہوتی، ریاضت سے صرف تعدیل ہو جاتی ہے اور یہ فنِ طریق کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۴)

۳۸ (بسبب اپنے اعراض و بے توجہی کے، اس لیے کہ خود اس کا فہم کچھ بہت دشوار نہیں)

الدین القیم۔ قیم وہ ہے کہ جس میں نہ کسی طرح کی کجی اور کمزوری ہو، نہ اینچ پیچ، ہر طرح محکم و مستقیم۔

المستوی الذی لاعوج فیه ولا انحراف عن الحق. (روح، ج ۲۱/ص: ۴۱)

۳۹ یعنی حق تو بس ایک ہی ہے، جیسے دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم، تو اگر یہ لوگ حق پر قائم رہتے، تو ایک ہی گروہ رہتے، البتہ باطل میں تعدد و کثرت ہے، جیسے دو نقطوں کے درمیان خطوط منحنی، سو اہل باطل نے بھی یہی کیا ہے کہ کسی نے کہیں سے ایک ٹکڑا حق کا لے لیا ہے، کسی نے کہیں سے دوسرا۔

من الذین فرّقوا بدل ہے من المشرکین سے۔

بدل من المشرکین. (روح، ج ۲۱/ص: ۴۱)

۴۰ اہل باطل آج جو بے شمار ٹکڑیوں، ٹولیوں میں تقسیم ہیں، یہ قابلِ عبرت ہے، ہندوؤں اور مسیحیوں سب کے اندر بے گنتی فرقے ہیں، ایک دوسرے سے فروع میں نہیں، اصول میں اختلاف رکھنے والے، ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والے مسلمانوں کے اندر جو فرقے توحید، رسالت، قرآن، قبلہ، کلمہ کے قائل ہیں، ان کے اندر کا اختلاف ظاہر ہے کہ بنیادی نہیں، صرف فرعی ہی ہو سکتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب (اللہ) انہیں اپنی طرف سے

مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو پھر ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے

اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا ۥ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ

اس سے ناشکری کرنے لگتے ہیں، سو (خیر) وقتی حظ حاصل کر لو، پھر عنقریب ہی تم جان لوگے۔ ۴۱ کیا ہم نے ان پر کوئی سند اتاری ہے کہ وہ

يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۵ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً

انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے، اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے

فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ

ہیں اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے ان اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ ناامید ہو جائیں ۴۲

۴۱ یعنی حقیقت عنقریب ہی تم پر منکشف ہو کر رہے گی۔

واذا مسّ الناس ۔ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کی طبیعت مرکب ہے ہدایت وضلالت سے۔ مصیبت کے وقت ظہور ہدایت کا ہوتا ہے اور زوال مصیبت کے بعد ضلالت کا۔ (روح، ج ۲۱/ص: ۶۴)

و اذا۔۔الخ۔لیکفروا۔۔الخ ۔ بیان ان دونوں آیتوں میں عام فطرت بشری کا ہو رہا ہے۔

لیکفروا ۔ ل عاقبت کا ہے، یعنی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفر کرنے لگتے ہیں۔

اللام فيه للعاقبة. (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٦ ۔ روح، ج ٢١/ص: ٤٢)

ل امر، تہدید کے مفہوم میں بھی سمجھا گیا ہے۔

قيل للأمر بمعنى التهديد. (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٦ ۔ روح، ج ٢١/ص: ٤٢)

۴۲ اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت سورۂ یونس ۱۲ میں آ چکی ہے واذا مسّ الإنسان......الخ آیت میں کھلا ہوا بیان فطرت بشری کا ہے۔

يَقْنَطُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

کیاانھوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی فراخ کر کے روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر کے دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ

بے شک اس (امر) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں ۴۳ سو (اے مخاطب) تو قرابت دار کو اس کا حق دیا کر، اور (اسی طرح) مسکین

أم.......... یشرکون۔ یعنی کوئی بھی دلیل عقلی یا نقلی میں ان کے پاس ایسی ہے، جو شرک کا حکم دے رہی ہو؟---دلائل توحید پر تو بے شمار ہیں، شرک پر کوئی ایک ہی دلیل قائم کر کے دکھائی جائے۔

فھو یتکلم۔ تکلم یہاں لفظی معنی میں نہیں، بلکہ ظہور دلالت کے معنی میں ہے۔

بمعنی فهو يدل على أن التكلم مجاز عن الدلالة. (روح، ج ۲۱/ص:۴۲)

فرحوا بھا۔ اس اتراہٹ سے ان پر جو غفلت اور بے فکری طاری ہوتی ہے، وہ انھیں تحقیق وفکر سے بے نیاز کر دیتی ہے، اور وہی انھیں کفر و شرک تک پہنچا دیتی ہے۔

فرح کا استعمال لغت عرب میں مدح وذم دونوں موقعوں پر آتا ہے۔

اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ دونوں معنوں میں آیا ہے، کہیں تو موقع ذم پر، مثلاً اسی آیت میں، یا لاتفرح إن الله لا يحب الفرحين (قصص:۷۶) إنه لفرح فخور (ہود:۱۰) وغیرہ میں، اور کہیں موقع مدح پر، مثلاً فرحين بما آتهم الله (آل عمران:۱۷۰) بلکہ صیغۂ امر میں بھی مثلاً فليفرحوا (یونس:۵۸) ويومئذ يفرح المؤمنون (عنکبوت:۴)--تو گویا لفظ مشترک ہے، لیکن مفہوم دونوں موقعوں پر الگ الگ ہے، اس لیے کوئی تعارض وتناقض نہیں۔

موقع مدح پر فرح سے وہ خوشی مراد ہوتی ہے جو شکر کی جانب لے جاتی ہے، اور ایک طبعی بشری کیفیت کا نام ہے۔ موقع ذم پر مراد فخر وخویش بینی ہوتی ہے جو ایک نفسانی طغیانی کیفیت کا نام ہے۔

۴۳ (کہ وہ اہل ایمان وعرفان اللہ المعاش بھی تمام تر اسی کو یقین کیے رہتے ہیں، اور معاش کی فراخی اور تنگی دونوں کے سارے اسباب بس اسی کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں)

أولم.......... یقدر۔ دو شخص ایک ہی معاشی جدوجہد میں مشغول ہوتے ہیں، بظاہر دونوں کی صلاحیتیں، قابلیتیں، توانائیاں بالکل ایک ہیں، اس پر بھی ایک مالا مال ہو جاتا ہے، اور

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ

اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے ۹۷ غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے ۹۸

۹۶ (بہ طور مسبب الاسباب کے۔ بہ حیثیت فاعل تکوینی کے)

اس آزمائش میں ڈالنے کو مرضی حق سے کوئی تعلق نہیں اور یہ بالکل اسی طرح اور اسی معنی میں صحیح ہے، جس طرح اور جس معنی میں اللہ ہر بیماری، ہر آزار، ہر زہر کا بھی خالق ہے۔ یعنی محض اسباب تکوینی کے محرک اول ہونے کی حیثیت سے۔

توریت میں ہے:۔

"تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا، کیونکہ تیرے لوگ جنہیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا خراب ہو گئے ہیں، وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے ہیں، انہوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے، جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا" (خروج ۳۲: ۷، ۸)

۹۷ (نہ کہ معاذ اللہ ہارون نبی نے)

سامری اس شخص کا نام نہیں، لقب ہے منسوب ہے۔ ہمارے قدیم مفسرین کی تحقیق کے بموجب قریہ سامرہ کی طرف، یعنی وہاں کا باشندہ "ممکن ہے کہ اس کا باپ دادا سامرہ سے بنی اسرائیل میں آبسا ہو، اور بعد الحاق انہیں میں شمار کیا جاتا ہو" (تھانوی)

بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سمر کہتے ہیں پردیسی، غیر ملکی، بیرونی کو، سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا، اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہود کے ہاں کے ایک مستقل فرقہ کا نام بھی سامریہ (SAMARITANO) ہے۔ ان کی توریت اور سارے مذہبی صحیفے یہود کے مسلم و متعارف توریت اور دوسرے صحیفوں سے کسی قدر مختلف ہیں، اور انہیں ناز اپنی توحید خالص پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے السامری اور اس فرقہ کے درمیان بھی کوئی علاقہ ہو، لیکن یہ فرقہ جہاں تک تاریخ یہود سے پتہ چلتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاصر نہیں، بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

قرآن مجید کو سامری کی تصریح کی ضرورت اس لئے بھی پڑی کہ اہل توریت نے خواہ مخواہ اس واقعہ اضلال کی ساری ذمہ داری حضرت ہارونؑ پر ڈال دی، اور اللہ کے اس نبی محترم کو (نعوذ باللہ) اتنے بڑے جرم شرک اور صنم پرستی کا مجرم بنا دیا۔

الفاظ توریت ملاحظہ ہوں:۔

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اترنے میں دیری کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس

النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ

زیادہ ہو جائے ۴۶ سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتی ۴۷ اور تم جو زکاۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

تو ایسے ہی لوگ اسے حقیقتاً بڑھاتے رہیں گے۔ ۴۸ اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہیں روزی دی، پھر تمہیں موت دیتا ہے

وجہ کے معنی اس سیاق میں ذات کے ہوتے ہیں، یعنی مقصود محض رضائے الٰہی ہوتی ہے۔

أي ذاته سبحانه أي يقصدون عزوجل بمعروفهم خالصاً. (روح، ج ۲۱/ص: ۴۵)

۴۶ (اور پھر بڑھ کر اپنے ہی پاس واپس آجائے)

ربا۔ ربا یہاں اپنے وسیع و عام لغوی معنی میں ہے۔

الزيادة على رأس المال. (راغب، ص: ۲۱۱)

الربوا۔ یا ربائے اصطلاحی یا سود، اس کی ایک مخصوص و متعین شکل ہے۔

نیوتا وغیرہ کے نام سے جن رقموں سے برادری کی اکثر تقریبات میں شرکت اس امید سے کی جاتی ہے کہ وہ رقم زائد ہو کر پھر اپنے پاس آجائے گی، اکثر محققین نے یہاں یہی مراد لی ہے۔

العطية التي تعطى للأقارب للزيادة في أموالهم. (روح۔ عن ابن عباس، ج ۲۱/ص: ۴۵)

العطية التي يتوقع بها مزيد مكافاة (روح۔ عن ابن عباس ومجاهد وسعيد والضحاك ومحمد بن كعب القرظي وطاؤس وغيرهم، ج ۲۱/ص: ۴۵)

روى عن ابن عباس ومجاهد وهو الرجل الذي يهب الشيئ يريد أن يثاب أفضل منه، فذلك الذي لا يربو عندالله ولا يؤجر صاحبه فيه ولا اثم عليه. (جصاص، ج ۳/ص: ۳۵۰)

۴۷ یعنی اسے اللہ کے ہاں سند قبول حاصل نہیں ہوتی، اللہ کے ہاں مقبول مطلقاً مال نہیں، بلکہ صرف وہی جس سے مقصود و مطلوب رضائے الٰہی ہو۔

۴۸ یعنی دنیا میں بھی برکت انفرادی، اجتماعی، ہر حیثیت سے اسی مال سے حاصل ہوگی، اور آخرت میں بھی اجر کئی گنا یہی مال دلائے گا --- یہی مال جو رضائے الٰہی کی نیت سے ادا کیا گیا تھا، نہ کہ سودی کاروبار اور نمائشی داد و دہش، حالانکہ ظاہراً منفعت تمام تر وہی معلوم ہوتا ہے۔

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحَانَهُ

پھر تم کو جلائے گا۔ ۴۹ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ وہ "اللہ" ان کے

وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

شرک سے پاک و برتر ہے! بگاڑ پھیل پڑا ہے خشکی و تری میں لوگوں کے کرتوت سے۔ ۵۰

آیت میں تخاطب سود خوار سے بالکل نہیں۔ بعض مفسرین نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ وہ ملعون قابل خطاب ہی نہیں۔

اسلامی حکم زکات کی محض دنیوی منفعتوں اور مصلحتوں پر کوئی تفصیل سے لکھنا چاہے تو ایک طویل مقالہ تیار ہوسکتا ہے، مختصر یہ کہ آج جو فائدے کوآپریٹو سوسائٹی (انجمن امداد باہمی) کے بیان کیے جاتے ہیں، وہ سارے کے سارے ادائے زکات سے بدرجۂ کمال حاصل ہوجاتے ہیں۔

۴۹ (قیامت میں)

یعنی ایجاد، ابقا و فنا تینوں صفات کا مالک صرف وہی ہے، پیدا کرنے والا، پالنے والا، فنا کرنے والا، سب صرف وہی ایک ہے، الگ الگ اور تین تین ہستیاں نہیں، جیسا کہ ہندو مذہب کا عقیدہ ہے۔ اور پھر قیامت میں اٹھانے کا وصف بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ حقیقت بھی یہاں کھل کر بیان ہوگئی کہ

(۱) پیدا کرنے والا بھی وہی ہے--- قانونِ تخلیق کے سلسلے کی چھوٹی بڑی کڑیاں سب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

(۲) رزق دینے والا بھی وہی ہے--- معاشی خدا بھی وہی ہے، سلسلۂ رزاقیت کے سارے مرتبے اور مرحلے اسی کے بس میں ہیں۔

(۳) موت لانے والا بھی وہی ہے--- موت کے سارے اسباب و متعلقات کی کنجی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۴) دوبارہ اٹھانے والا بھی وہی ہے--- الہ المعاد بھی وہی ہے، معاد و آخرت میں بھی ساری حکومت اور سارے اختیارات اسی کے ہیں۔

۵۰ فی البر والبحر، یعنی جمیع کائنات ارضی میں--- بشری آبادی کے چونکہ

بڑے اور نمایاں مظہر یہی دو ہیں، لہٰذا نام انھی کے لے دیے گئے۔

البر والبحر هما المعروفان المشهوران فی اللغة وعند الناس. (قرطبی، ج ١٤/ص: ٤٠)

الفساد۔ فساد کا لفظ جامع ہے، انفرادی واجتماعی زندگی کی ہر قسم کی جسمانی، مادی، اخلاقی، معاشری ابتری اور بدنظمی اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ اردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ ''بگاڑ'' ہی ہوسکتا ہے۔

خروج الشیئ عن الاعتدال قلیلاً کان الخروج عنه أو کثیراً. (راغب، ص: ٤٢٥)

بما کسبت أیدی الناس۔ آیت کا یہ ٹکڑا بہت اہم ہے، سارا بگاڑ انسان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا ہے، ازخود نہیں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

انسان کے اپنے کرتوتوں، شرک، کفر، معصیت، غرض غیر اسلامی زندگی اور جاہلی نظام کے اتباع سے ہر طرح کی اخلاقی ومعاشری مفسدوں کا اٹھ کھڑا ہونا بالکل ظاہر ہے، البتہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مادی حوادث تکوینی (قحط، وبا، طوفان وغیرہ) بھی بہت دفعہ اسی جاہلی زندگی کا نتیجہ ہوتے ہیں، نظام عالم قائم ہی ہے طاعتِ الٰہی سے، طریقِ اسلام سے۔ اور اس راہِ ہدایت سے کج روی کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ اخلاقی عمارت کے ستون گر جائیں، اور یہ جو روایاتِ حدیث میں آتا ہے کہ آخر زمانے میں عیسیٰ بن مریمؑ کے دور میں زمین عدل وامن سے بھر جائے گی، اس کا راز بھی یہی ہے کہ اس وقت سکہ شریعت اسلامی کا چل رہا ہوگا۔

الفساد، البر، البحر، تینوں میں کلمۂ ال جنس فساد، جنس برّ، وجنس بحر کے لیے ہے، کوئی متعین بر و بحر اور کوئی متعین صورت فساد کی مقصود نہیں۔

أی ظهر جنس الفساد............ فی جنس البر وجنس البحر. (روح، ج ٢١/ص: ٤٩)

یہاں بیان عام ہے، کسی ملک، کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں، تاہم اس عموم کو اس زمانے کے ساتھ ایک خصوص بھی حاصل ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور قرآن کی روشنی اول بار طلوع ہو رہی تھی، عرب کا ملک تو تمام تر دین ودیانت سے معرّیٰ تھا ہی، پاس اور دور کے سارے ملک، مصر، ہندوستان وغیرہ شرک کی گندگی اور بداخلاقی کی تاریکی میں یکساں مبتلا تھے، دنیا میں بڑی تہذیبیں اس

اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾ قُلۡ

اس غرض سے کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھائے، تاکہ وہ لوگ باز آجائیں ۵۱ آپ کہیے کہ

وقت دو تھیں: ایک رومی مسیحی۔ دوسری ایرانی مجوسی۔ یہ دونوں تمدن خود انحطاط اخلاقی کی آخری پستیوں تک پہنچ چکے تھے، یہاں تک کہ قرآن نے آکر یہ اعلان کیا کہ ہر مرض کا مداوا تو میرے شفاخانہ میں ہے۔۔ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

اللہ ٹھنڈی رکھے ہمارے اسلاف کی تربت کو، ہمارے ہاں کے قدیم ترین مفسرین بھی اسی نتیجے تک پہنچ گئے تھے، جو آج جدید ترین مورخ بیان کررہے ہیں، ترجمان القرآن حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے یہ روایت آج تک منقول چلی آتی ہے:۔

رويت عن ابن عباس وكان قد ظهر الفساد براً وبحراً وقت بعثة رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان الظلم عمّ الأرض فأظهر الله به الدين وأزال الفساد وأخمده صلى الله عليه وسلم. (بحر، ج۷/ص:۱۷۶)

۵۱ (اپنی ناکردنی اعمال سے، اور آیندہ کے لیے اصلاح کرلیں)

لعلهم يرجعون۔ یہاں حوادث تکوینی کا راز بتادیا۔ یہ بلائیں اسی لیے آتی ہیں کہ انسان ان سے اپنی طرف توجہ کرنا سیکھے، مقصود ان بلاؤں سے بھی اصلاح خلق ہی ہوتی ہے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا، اس کی حیثیت نشتر کی ہے، یعنی جس طرح نشتر کا زخم مقصود بالذات نہیں ہوتا، مقصود و مطلوب تو صحت ہوتی ہے، نشتر تو اس کا محض ذریعہ ہوتا ہے۔ (روح، ج۲/ص:۱۱۵)

بعض الذين عملوا۔ میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مواخذہ شاید ہر گناہ پر نہیں ہوتا، کچھ مخصوص ہی معاصی اس کے لیے انتخاب کرلیے جاتے ہیں۔

ليذيقهم میں ل لام علت بھی مانا گیا ہے اور لام عاقبت بھی۔

واللام للعلة أو للعاقبة. (بیضاوی، ج٤/ص:١٤٧)

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ

زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جولوگ پہلے گزرے، اُن کا انجام کیسا ہوا ہے، اُن میں

اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

سے اکثر مشرک ہی تھے ۵۲ سو تو اپنا رخ دین مستقیم کی طرف کرلے ۵۳ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ

جس کے لیے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا، اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے ۵۴ جو کافر رہا ہے اس پر اسی کا کفر پڑے گا

۵۲ (سو وہ قومیں کیسے کیسے عذابوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئیں)

آیت اس سے ملتی ہوئی سورۃ النحل (رکوع ۶) سورۃ العنکبوت (رکوع ۲) میں آچکی ہیں، نیز سورۃ الحج (آیت ۴۶) پر آیت أفلم يسيروا في الأرض۔ ان سب کے حاشیے اگر پیش نظر رہیں تو بہتر ہے۔

۵۳ (اے مخاطب)

دین مستقیم کی طرف، یعنی توحید اسلامی کی طرف ---قرآن مجید میں ایک اور تصریح وتاکید اس امر کی کہ دین برحق، آئین حق صرف ایک ہی ہے، باقی جتنے نظامات آئینی ہیں اپنی موجودہ شکل وصورت میں باطل ہی ہیں۔

یعنی اہل جہنم کا گروہ الگ ہو جائے گا، اور اہل جنت کا الگ۔

فريق في الجنة و فريق في السعير. (بحر، ج ۷/ص: ۱۷۶)

۵۴ (بہ اعتبار جزا کے)

يوم لا مردّ له۔ یعنی آج جس طرح عذاب ٹلتا رہتا ہے اس یوم موعود کے وعدے پر، جب خود وہ یوم موعود آجائے گا، تو اب کوئی صورت اُس عذاب کے ٹلنے کی باقی نہ رہے گی۔

يصدّعون۔ جدا جدا ہو جائیں گے۔

صدع الأمر أي فصله (راغب، ص: ۳۱۰)

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جو نیک عمل کر رہا ہے، سو ایسے لوگ اپنے ہی لیے (نفع وراحت کا) سامان کر رہے ہیں ۵۵ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

اور انھوں نے نیک عمل کیے (اللہ) انھیں اپنے فضل سے (نیک) جزا دے گا، واقعی اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ۵۶ اور (اللہ کی) نشانیوں میں سے

۵۵ فعلیہ کفرہ۔ فلأنفسھم یمھدون۔ اجزائے کلام کی یہ تقدیم وتاخیر زور وتاکید مفہوم کے لیے ہے۔

یمھدون۔ مھد کے لفظی معنی بچھانے کے ہیں، تو گویا یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جو اہل ایمان دنیا میں حسنِ عمل میں مصروف رہتے ہیں، وہ اپنے ہاتھ سے اپنے لیے راحت دائمی کا فرش بچھا رہے ہیں۔

أی فلأنفسھم یستعدون۔ ویسوون المضجع لیسلموا من عقاب ربھم وینجوا من عذابه. (ابن جریر، ج ۲۰/ص:۱۱۱)

علیه کفرہ کے صیغۂ واحد سے اور لأنفسھم یمھدون کے صیغۂ جمع سے، امام المفسرین امام رازیؒ نے یہ پہلو پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے کہیں وسیع تر ہے، بدی کا بدلہ بدکار کی ذات تک محدود رہے گا، نیکی کی جزا نیک کار کے عزیزوں، قریبوں کو بھی اپنے اندر لے لے گی۔

إشارة إلى أن الرحمة أعمّ من الغضب فتشمله وأهله وذريته، أما الغضب فمسبوق بالرحمة، لازم لمن أساء (کبیر، ج ۲۵/ص:۱۱۳-۱۱۴)

امام موصوف ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ من کفر کے مقابلے میں قرآن مجید میں من آمن نہیں کہا، بلکہ تقابل میں ومن عمل صالحا کہا، تاکہ مومن کو ساتھ ہی عمل کی بھی ترغیب ہو جائے، اور ایمان کی تکمیل عمل صالح ہی سے ہوتی ہے۔

ولم يقل ومن آمن وذلك لأن العمل الصالح به يكمل الإيمان فذكره تحريضاً للمكلف عليه (کبیر، ج ۲۵/ص:۱۱۳)

۵۶ (بلکہ سخت مبغوض رکھتا ہے)

فان عدم المحبة من الله كناية عن البغض في العرف. (روح، ج ۲۵/ص:۱۱٤)

اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ

ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے خوش خبری دیتی ہوئی ۵۷ اور تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے ۵۸ اور تا کہ کشتیاں

فان عدم المحبة من الله غاية العذاب (کبیر، ج۲۵/ص:۱۱٤)

من فضله۔ پہلی آیت میں ذکر دو طبقوں کا تھا: ایک من کفر۔ کفر اختیار کرنے والوں کا۔ دوسرے من عمل صالحاً راہ حسن پر چلنے والوں کا۔ پہلے کے انجام علیه کفره میں صاف علت انجام کا ذکر کر دیا، یعنی وبال کفر، کفر ہی کی بنا پر پڑے گا، اور دوسرے کی جزا میں "بجائے علت کے من فضله بڑھا دینا اشارہ ہے کہ سزا تو بلا علت نہیں ہوتی، لیکن رحمت بلا علت محض فضل سے ہوتی ہے"۔

وذكر من فضله للدلالة على أن الاثابة تفضل محض (روح، ج۲۱/ص:۵۰)

لیجزی میں ل عاقبت کا ہے---تعلیل کا بھی مانا گیا ہے۔

متعلق بيمهدون تعليل له (کشاف، ج۳/ص:٤٦٨)

جوز أن يكون ذلك علة ليصدعون (روح، ج۲۱/ص:۵۰)

۵۷ (بارش کی)

قرآن کے مخاطب اول اہل عرب تھے، اور عرب جیسے ملک میں برساتی ہواؤں کی خوش گواری خود ایک مستقل نعمت ہے، اور عرب کو چھوڑیے، ہندوستان و پاکستان اور دنیا کی کل زراعی ملکوں میں مانسون کہاں کے لیے ایک بشارت عظیم نہیں؟

من آیته۔ یعنی اس کی قدرت، شفقت وحکمت کی نشانیوں میں سے۔

۵۸ یعنی پہلے تو بارشی ہواؤں سے تمہارا دل خوش کرے، پھر اصل بارش کے فائدے تمہیں عنایت کرے۔

رحمته۔ سے مراد یا بارش ہے یا وہ منافع جو بارش پر مرتب ہوتے ہیں۔

يعني المنافع التابعة لها (بیضاوی، ج٤/ص:۱٤۸۔ روح، ج۲۱/ص:۵۱)

الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو ۵۹ اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔ ۶۰ اور ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیمبر

مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ

ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لے لیا جو جرم کرتے رہے تھے ۶۱

۵۹ (انھی ہواؤں کے ذریعے سے)

یعنی ہواؤں کا ایک کام، علاوہ بارش لانے کے یہ بھی ہے کہ وہ بحری سفر کو ممکن بنا دے، اور اس طرح قوموں کی قومیں بحری تجارت کے ذریعے سے بن جائیں۔۔۔عربوں نے قرآن مجید کے ان اشارات سے جس قدر فائدہ اٹھایا، اس کا مفصل ذکر مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' میں ملے گا، اور آج تو دنیا کی متمول ترین قوموں کا راز ہی یہی بحری تجارت ہے۔

فضلہ۔ فضل یہاں تجارتی جہازوں، تجارت بحری اور اس سے پیدا ہونے والے منافع کے معنی میں آج سے نہیں، سلف سے مسلّم چلا آتا ہے۔

يعنى تجارة البحر (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٤٨ - مدارك، ص: ٩١١)

ولتلتمسوا من أرزاقه ومعايشكم التى قسمها بينكم. (ابن جرير، ج ٢٠/ص: ١١٢)

يعنى الرزق بالتجارة (قرطبى، ج ١٤/ص: ٤٣)

تجارة البحر. (روح، ج ٢١/ص: ٥٢)

بامرہ۔ أمر یہاں تدبیر و تکوین کے معنی میں ہے۔

أى بتدبيره وبتكوينه (مدارك، ص: ٩١١)

۶۰ مقصود ان تمام نعمتوں سے یہی ہے کہ ان نعمتوں کا استعمال مصرف صحیح میں کیا جائے۔۔۔اور یہی وہ مقام ہے جو قرآن جیسی کتاب الہدیٰ کو تمام ''علوم و فنون'' کی کتابوں سے ممتاز کیے ہوئے ہے۔ قدم قدم پر سبق ساری مادی ترقیوں کے بعد، انسان کو حدودِ عبدیت کے اندر رہنے کا۔

۶۱ (اور وہ جرم یہی تھا کہ ان لوگوں نے ان دلائل حق کی تصدیق نہ کی، بلکہ الٹی اُن کی تکذیب کرتے رہے)

اَجۡرَمُوۡا ؕ وَ کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ

اور ہمارے ذمہ تھا اہل ایمان کا غلبہ ۶۲ اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو

الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَیَبۡسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَ یَجۡعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی

اُٹھائے پھرتی ہیں، پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے ۶۳ پھر تو دیکھتا

فانتقمنا۔ بعض نافہموں نے ''انتقام'' حق کو اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی اور اس سے پست سمجھا ہے۔ یہ نتیجہ ہے تمام تر ''انتقام'' اور ''کینہ پروری'' کے درمیان خلط مبحث کردینے کا۔ انتقام جس کے معنی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ہیں، وہ تو قیام عدل کے لیے لازمی ہے، ورنہ پھر نظام عدل کو سرے سے خیر باد کہہ دیا جائے۔

۶۲ (چنانچہ عذاب الٰہی سے کفار مغلوب و مقہور ہوئے، اور اہل ایمان محفوظ و منصور رہے)

یہاں مومنوں اور کافروں کی عام آویزش کا بیان نہیں اور نہ ہر حال میں مومنین کی نصرت کا کوئی عام وعدہ ہے، بیان صرف اس وقت کا ہے جب پیمبروں کی تکذیب اور ان سے براہِ راست مقابلہ کیا جائے، اس وقت آخری شکست منکروں اور باغیوں کی یقینی ہوتی ہے۔

۶۳ (جیسی بھی اس کی مشیت ہو)

یبسطہ سے مراد یہ ہے کہ بادل کو مجتمع کر کے دور تک پھیلا دیتا ہے، جس سے گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے۔

یجعلہ کِسفاً کا مطلب یہ ہے کہ بادل کو گھنا نہیں ہونے دیتا متفرق پتلی پتلی بدلیاں رکھتا ہے۔

کیف یشاء کا حاصل یہ ہے کہ بادل کو جس حالت میں چاہتا ہے رکھتا ہے، خواہ خوب گہری گھٹا بنادے، خواہ ہلکی پھلکی بدلی رکھے۔۔۔ قرآن کا مقصد فضائیات کی کسی طبعی حقیقت کو بیان کرنا نہیں، صرف اسی الوہی حقیقت کا اعلان ہے کہ یہ ساری فضائی تبدیلیاں اللہ ہی کے دست قدرت میں ہیں، اور وہی حسب مقتضائے حکمت یہ تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے، پھر اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچادیتا ہے ۶۴

اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

تو بس وہ خوش ہونے لگتے ہیں درآں حالیکہ وہ لوگ قبل اس خوشی کے کہ ان پر برسے، بالکل مایوس ہورہے تھے ۶۵

اس قسم کی جتنی بھی آیتیں قرآن مجید میں تکوینیات سے متعلق ہیں، ان کے پہلو دو دو اور رخ دہرے ہیں: ایک رخ تو رد الحاد کا ہے، یعنی یہ ساری مشین خود بہ خود چلتی نہیں رہتی ہے، بلکہ چھوٹے بڑے ہر تغیر، ہر سکون اور ہر حرکت کی ڈور ایک فعال اور صاحب الارادہ کے ہاتھ میں ہے، جو اپنی حسب حکمت اسے گھماتا چلاتا رہتا ہے۔ اور دوسرا رخ رد شرک کا ہے، یعنی ہر ہر صیغۂ موجودات کے حاکم و متصرف الگ الگ اور مستقل نہیں، ایک ہی حاکم، مقتدر اعلیٰ سب کا ہے، وہی ایک ہے جو پانی سے بخارات اٹھاتا ہے، اور چلاتا ہے۔ بادلوں کو کہیں کثیف و دبیز اور کہیں لطیف و خفیف رکھتا ہے۔ جب اور جہاں اور جتنا چاہتا ہے پانی برساتا ہے یا بارش کو روکے رہتا ہے، اس ایک کے سوا کوئی دیوی دیوتا اس نظام کائنات میں ذرہ بھر بھی موثر نہیں۔

فی السماء۔ سے مراد صرف ''سمت آسمان میں'' ہے

أی فی سمتها (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٨)

لافی نفس السماء، بالمعنیٰ المتبادر (روح، ج ٢١/ص: ٥٢)

۶۴ یعنی اپنے بندوں کو، جس ملک جس سرزمین میں چاہتا ہے، لے جاتا ہے۔

یعنی بلادهم وأراضیهم (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٤٨)

الودق، ودق، مرادف ہے مطر کے۔

الودق قیل مایکون من خلال المطر کانه غبار وقلیعبر به عن المطر. (راغب، ص: ٥٨٩)

۶۵ یعنی ابھی تو مایوس ہورہے تھے، اور ابھی خوش ہوگئے۔

کاشتکار و زراعت پیشہ کسی ملک و قوم کے بھی ہوں، جو لوگ ان کی نفسیات سے واقف ہیں، قرآن مجید کے اس فقرے کی دل کھول کر داد دیں گے۔

لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط

سوزار رحمتِ الٰہی کے آثار کو دیکھ کہ اللہ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد کس طرح شاداب کرتا ہے ٦٦

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا

بے شک وہی مردوں کا جلانے والا ہے ٦٧ اور وہی ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھنے والا ہے ٦٧(الف) اور اگر ہم (کوئی اور) ہوا چلا دیں

فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿٥١﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ٦٨ آپ مردوں کو تو نہیں سنا سکتے

من قبل، من قبله، یہ تکرار نحویین کے خیال میں تاکید کے لیے ہے۔

تكرير عند الأخفش، معناه التأكيد، وأكثر النحويين على هذا القول. (قرطبی، ج١٤/ص:٤٤)

والتكرير للتأكيد. (روح، ج٢١/ص:٥٣)

٦٦ (اور یہ خود ایک نظیر ہے قدرت علی البعث کی)

رحمة الله سے یہاں بھی مراد بارش ہے، یا اس کے اثرات عالم نباتات پر۔

أى أثر الغيث من النبات والأشجار وأنواع الثمار (بیضاوی، ج٤/ص:١٤٨)

٦٧ (قیامت کے دن، اور وہی روزمرہ تجدید حیات کی نظیریں دکھاتا رہتا ہے)

مطلب یہ ہوا کہ خدا کی قدرت کاملہ اور اس کی خلاقی کا استحضار اگر رکھو، تو امکانِ بعث میں کوئی اشکال ہی نہ رہ جائے۔

٦٧ (الف) ہر مشاہدۂ فطرت، ہر مطالعۂ کائنات کے بعد قرآن لازمی طور پر روئے سخن باری تعالیٰ کے صفات کمالیہ ہی کی جانب پھیرتا رہتا ہے۔

٦٨ (ساری پچھلی نعمتوں کو بھول بھال کر)

مقصود غافلوں کی بے حسی کو دکھانا ہے۔

ریحاً سے مراد ہے کسی دوسری قسم کی ہوا، جو زراعت کو نقصان پہنچانے والی ہو۔

الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ

اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں، جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جارہے ہوں، اور آپ اندھوں کو بھی

بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لاسکتے، آپ تو بس انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں، پھر وہ (انھیں) مانتے بھی ہیں۔۶۹

راوہ میں ضمیر کھیتی کی جانب ہے۔

أی والنبت والزرع مصفراً (معالم، ج۳/ص:۵۸۲)

أی رأوا أثر رحمة اللّٰه لأن رحمة اللّٰه هی الغیث، وأثرها: النبات. (کشاف، ج۳/ص:۴۷۰)

أی النبات المفهوم من السیاق (بحر، ج۷/ص:۱۷۹۔ روح، ج۲۱/ص:۵۴)

۶۹ یعنی یہ لوگ بے ادراکی میں مُردوں، بہروں، اندھوں کی سطح پر ہیں۔ آپ ان سے نہ ایمان کی توقع رکھئے، نہ ان کے انکار و تکذیب پر غم و تردد کیجئے۔

فإنك لاتسمع الموتٰی۔ مُردوں کے سننے نہ سننے پر حاشیہ سورۃ النمل آیت ۸۰ اور سورۃ فاطر آیت:۲۲ وماأنت بمسمع من فی القبور کے تحت میں گزر چکا ـــ کسی بندے سے یہ کہنا کہ تم مردوں کو اپنی آواز سنا نہیں سکتے، اس کا مستلزم نہیں کہ سرے سے سماع میت کا انکار ہی مقصود ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ تم آسمان کی سیر نہیں کر سکتے، اس کے مرادف نہیں کہ حق تعالیٰ بھی آسمان کی سیر نہیں کرا سکتا، سماع موتیٰ اپنے حدود کے اندر اہل سنت کے ہاں ایک متفقہ مسئلہ ہے، اس سے کلیۃً انکار درست نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں تینوں جملے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے، پھر لوگ کیسے یہ گمان کر لیتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیخ کے اختیار میں ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۲۸۶)

إلا من یؤمن۔ میں ایمان سے مراد استعداد ایمان ہے، یا طلب صادق، ورنہ ظاہر ہے کہ اصل ایمان تو سماع سے مؤخر ہے نہ کہ اس پر مقدم۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ

اللہ وہی ہے جس نے تم کو (تمہاری) ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی، پھر توانائی کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

ناتوانی اور ضعیفی دی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ ۷۰ اور وہ خوب جاننے والا ہے، ہر قدرت رکھنے والا ہے۔ ۷۱

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ

اور جس دن قیامت قائم ہوگی، مجرم لوگ قسم کھائیں گے (کہ) ہم لوگ تو ایک ساعت سے زیادہ رہے ہی نہیں ۷۲ اسی طرح

۷۰ ہر تصرف میں وہی آزاد و خود مختار ہے، وہی جب چاہے نیست سے ہست کرے، ضعیف سے قوی، اور قوی سے ضعیف، کوئی اس کا مانع و مزاحم کسی درجہ میں بھی نہیں ہوسکتا۔

خلقکم من ضعف، اس ناتوانی سے مراد قبل پیدائش، حالتِ جنین یا نطفہ کی بے حقیقتی اور کمزوری ہے۔

بعد ضعف میں ضعف سے مراد بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی ہے۔

قوۃً سے مراد جوانی اور قویٰ کے بلوغ اور پختگی کا زمانہ ہے۔

یخلق مایشاء۔ وہ جو کچھ اور جس طرح چاہے پیدا کردے، اس کی قوت خلاّقی پر کوئی حد بندی کرنے والا نہیں، بجز اسی کی مشیت و ارادے کے۔

۷۱ ہر ضرورت و مصلحت کا علم بھی اسی علیم کو پورا ہے، اور ہر تصرف پر قدرت بھی پوری پوری اسی قدیر کو حاصل ہے، سو اس کے خلق و خلقت میں کسی کمی یا نقص کا امکان ہی نہیں۔

۷۲ (عالمِ برزخ میں یا دنیا میں)

المجرمون۔ کافروں کو یوم حشر کی انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی میں محسوس واقعی ایسا ہی ہوگا کہ جیسے قیامت اپنے وقت موعود سے بہت پہلے آگئی، اور ان لوگوں کو کچھ مہلت ہی نہ ملی!

مالبثوا غیر ساعة، گھڑی بھر کی مدت قیام عالم برزخ میں بھی ہوسکتی ہے اور دنیا میں بھی، ائمہ مفسرین دونوں طرف گئے ہیں۔

كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ

یہ لوگ الٹے چلتے رہتے تھے ۳ے اور جن لوگوں کو علم وایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق

كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ز فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٦﴾

قیامت کے دن تک رہے، سو یہی تو ہے قیامت کا دن، البتہ تم ہی (اس کا) یقین نہیں کرتے تھے ۴ے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٥٧﴾

غرض اس روز ظالموں کو ان کا عذر کرنا (کچھ) نفع نہ دے گا، اور نہ ان سے تدارک چاہا جائے گا ۵ے

فی قبورهم (معالم، عن مقاتل والكلبی، ج۳/ص:۵۸۳)

فی قبورهم (ابن جرير، ج ۲۰/ص:۱۱۸)

فی الدنيا. (ابن كثير، ج۳/ص:٤١١)

فی الدنيا. (معالم، ج۳/ص:۵۸۳)

أی ماأقاموا فی القبور كما روی عن غير واحد عن قتادة أنهم مالبثوا فی الدنيا غير ساعة، ورجح الأول بأنه الأظهر. (روح، ج۲۱/ص:۵۹)

۳ے یعنی ادراک حقائق کے سلسلے میں ان کی غلط بینیاں اور غلط اندیشیاں کچھ آج نئی نہیں، دنیا میں بھی تو ادراک حقائق کے سلسلے میں یہ ایسے ہی کج اندیش تھے۔

۴ے یہ جواب دینے والے وہ لوگ ہوں گے جنھیں دنیا میں اخبار شرعیہ کا علم تھا۔

فی كتاب الله أی فی ماكتب الله لكم فی سابق علمه من اللبث فی القبور. (معالم، ج۳/ص:۵۸۳)

فی علم الله وقضائه، أوفی ماكتبه أی أوجبه بحكمته. (كشاف، ج۳/ص:٤٧١)

آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ روز حشر کا ہول وانتشار کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا، شریعت پر عمل کرنے والے اہل ایمان ان شاء اللہ اس وقت تمام تر محفوظ اور باحواس رہیں گے۔

۵ے یعنی ان ظالموں، کافروں کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ اس روز توبہ کر کرا کے اللہ کو راضی کرلیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ

اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کے مضمون بیان کیے ہیں ٦ے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشان ہی

بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۞۵۸ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

لے کر آئیں تو بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم (لوگ) اہل باطل ہو ۷ے جو لوگ یقین نہیں رکھتے اللہ ان کے

اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۵۹

دلوں پر اسی طرح مہر کردیا کرتا ہے۔ ۸ے

أی لایطلب منهم ازالة عتب اللّٰه تعالیٰ، والمراد به غضبه سبحانه علیهم بالتوبة والطاعة. (روح، ج۲۱/ص:٦١)

ستعتبون۔ استعتاب کے لفظی معنی ازالۂ عتاب یعنی توبہ کے ہیں، جو گناہوں کو مٹادے۔

وهو إزالة العتب یعنی التوبة التی تزیل آثار الجریمة لاتطلب منهم لأنها لاتقبل منهم. (کبیر، ج۲۵/ص:۱۲۰)

یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ انھیں دنیا میں واپسی کا موقع نہ دیا جائے گا۔

ولاهم یرجعون إلی الدنیا. (ابن کثیر، ج۳/ص:٤١١)

٦ے (جس کا مقتضا یہ تھا کہ منکرین ایمان لے آتے)

للناس۔ یعنی لوگوں کی ہدایت و نفع کی غرض سے۔

من کل مثل۔ یعنی ہر قسم کے عمدہ مفید مضمون -- من یہاں تبعیضیہ ہے۔

۷ے کیا حد ہے ان کے عناد و ضد اور حق طلبی کے فقدان کی!

آیة۔ یعنی کوئی ایسا نشان جس کی یہ خود فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ اُن کا فرمائشی نشان۔

أنتم یعنی تم سب پیمبر اور مومنین۔

۸ے (اُن کی شدت عناد و حق ناشناسی کی بناپر)

اور وہ دلوں پر مہر لگنا یہی ہے کہ روز بروز اُن کی قبول حق کی استعداد ضعیف و مضمحل ہوتی جاتی ہے۔

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ الَّذِيۡنَ لَا يُوۡقِنُوۡنَ ۝٦٠

سو آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ۷۹ اور جو لوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں۔ ۸۰

الذین لایعلمون کے یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں علم صحیح کی طلب نہیں ہوتی۔

أی لایطلبون العلم. (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٥٠)

۷۹ (کہ حق ایک روز منصور و کامیاب اور باطل بالآخر ناکام و سرنگوں ہو کر رہے گا)

۸۰ یعنی حالات کیسے ہی سخت اور صبر آزما ہوں، آپ کے ہاتھ سے دامن صبر و متانت واستقامت کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے، اور بے عقیدہ، بے ایمان لوگوں کو کوئی سا موقع ہنسی کا یا طنز کا نہ ملنے پائے۔

آیت میں تعلیم ہے ساری امت کے لیے، اکابر امت کو تو خصوصاً اپنے حال کا برابر رکھاؤ چاہئے کہ حتی الامکان کافروں، فاجروں کو کوئی موقع اعتراض کا ہاتھ نہ لگنے پائے۔

(۳۱)

سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ

سورۂ لقمٰن مکی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ① تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ② ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ③ الَّذِیْنَ

الف۔لام۔میم۔ یہ آیتیں ہیں ایک پُرحکمت کتاب کی، جو ہدایت ورحمت ہے اہل خلوص کے حق میں ۱ جو نماز کو

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِکَ

قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے رہتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا بھرپور یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں اپنے پروردگار کی

عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ

طرف سے راہ ہدایت پر، اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں ۲ اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی

ل الٓمّٓ پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

آیت میں قرآن مجید کی اہمیت وعظمت کا بیان ایک عجیب لطیف انداز سے ہے۔ محسن ہونے کا اطلاق تو خود انھی لوگوں پر ہوگا، جو قرآن پر عمل کر کے مرتبۂ اخلاق میں بڑھے ہیں، اور اب انھی کے حق میں ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن ان کے لیے موجب ہدایت ہے۔

الحکیم۔ حکیم کے معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ وہ کلام جو ہر خرابی اور تناقض سے خالی ہو۔

أی لاخلل فیہ ولاتناقض، وقیل ذوالحکمۃ. (قرطبی، ج۱٤/ص:٥٠)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مراتب ہدایت کی حد وانتہا نہیں۔ محسنین تو خود ہی ہدایت کے مرتبۂ اعلیٰ پر ہوتے ہیں، قرآن انھیں اور بڑھا رہا ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۲۷۳)

ل۲ (دنیا وآخرت میں ہر طرح پر)

لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ

باتیں خرید کرتا ہے، تا کہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے، اور اس راہ کی ہنسی اُڑائے ۳

محسنین کی تشریح خود قرآن مجید نے آیت نمبر ۳ و ۴ میں کر دی۔

علی ھدی...... المفلحون۔ ھدیٰ سے ہدایت ثمرہ ہے قرآن پر اعتقاد و عمل کا، اور فلاح ثمرہ ہے راہِ ہدایت کا۔ سورۂ بقرہ کے رکوع اوّل میں انھی سے ملتی ہوئی دو آیتیں آ چکی ہیں، وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔

وھم بالآخرۃ ھم یوقنون۔ ھم کی تکرار تاکید اور زورِ کلام کے لیے ہے۔ اردو میں یہ مفہوم ''بھرپور'' ہی سے ادا ہو سکتا ہے، اور عقیدۂ آخرت کی جو اہمیت بنیادی عقائد اسلام میں ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نے بارہا اس عقیدے کو ھم کے تکرار سے ادا کیا ہے۔

أعيد الضمير للتاكيد (روح، ج ۲۱/ص: ٦٦)

یہاں ''محسنون'' اور ''مفلحون'' کی دو خاص علامتیں ارشاد ہوئی ہیں: ایک یہ کہ عقیدۂ آخرت ان پر ہر طرح غالب و طاری رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دو عمل ان سے اور نمایاں ہوتے ہیں: ایک پابندیٔ نماز۔ دوسرے ادائے زکات۔

۳ لھو الحدیث۔ مراد اس سے عموماً غنا (موسیقی) سمجھی گئی ہے۔

وفی الآية عند الأكثرين ذم للغناء بأعلى صوت. (روح، ج ۲۱/ص: ٦٧)

الغناء فی قول ابن مسعود وابن عباس وغيرهما. (قرطبی، ج ١٤/ص: ٥١)

لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس میں گانے کا حصر اور تعیین نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے: لهو الحديث هو الغناء وأشباهه۔

یعنی اس سے مراد ہے گانے اور اس کے مشابہ چیزیں۔ گویا ہر بے مقصد، غیر نافع، غیر سنجیدہ اور محض تفریحی مشغلہ اس کے تحت میں داخل ہو سکتا ہے، جو حق کی طرف سے غفلت و بے رغبتی پیدا کرنے والا ہو۔

مايلهى عما يعنى كالأحاديث التى لا أصل لها والأساطير التى لا اعتبار بها، والمضاحك وفضول الكلام. (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٥٠)

لھو الحدیث، غنا کے باب میں محدثین و فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ جو گانا بطور پیشہ یا

مستقل عادت کے نہیں، بلکہ محض دل بہلانے، تفریح یا تفنن یا باصطلاح فقہاء دفع وحشت نفس کے لیے کبھی کبھی ہو، اس میں مضائقہ فقہائے حنفیہ کے ہاں بھی نہیں۔۔۔موسیقی کا شمار آج فنون لطیفہ میں جس شدومد سے بھی ہو، غنا پر حکم حرمت وکراہت تحریمی کا تو اکثر ہی فقہاء ومحدثین بلکہ تابعین نے لگایا ہے، اقوال کا بڑا ذخیرہ تفسیر قرطبی وتفسیر ابن کثیر میں ملے گا۔

وفى الدرالمختار التغنى لنفسه لدفع الوحشة لابأس به عندالعامة على ما في العناية وصححه العينى وإليه ذهب شمس الأئمة السرخسى (روح،ج ۲۱/ص:۶۸-۶۹)

اوراگراس میں کلام حکیمانہ اور مضامین اخلاق ومعرفت کے ہوں، تو بالکل جائز ہے۔

قال ولوفيه وعظ وحكمة فجائز اتفاقاً (روح،ج ۲۱/ص:۶۹)

لیکن جو گانا لوگوں کے سنانے کے لیے جشن عقد اور عید وغیرہ کے علاوہ ہو، خصوصاً "سماع" کی جو محفلیں پیشہ ور گویوں اور قوالوں کی، مسجدوں اور خانقاہوں میں مجمع فساق کے ساتھ ہوا کرتی ہیں، اور جنھیں عبادت سمجھا جاتا ہے، وہ تو اور زیادہ قابلِ ملامت ہیں۔

وصاحبالهداية والذخيرة سمياه كبيرة، هذا فى التغنى للناس فى غيرالأعياد والأعراس ويدخل فيه تغنى صوفية زماننا فى المساجد والدعوات بالأشعار والأذكار مع اختلاط أهل الأهواء والمرد بل هذا أشد من كل تغن لأنه مع اعتقاد العبادة (روح،ج ۲۱/ص:۶۸)

بلکہ اس تواجد وتراقص کا شمار تو علاماتِ زندقہ میں سے کیا گیا ہے، اور اس کا جائز سمجھنا تو فقہائے امت کے فتوے میں حدود کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

"وأماما ابتدعه الصوفية فى ذلك فمن قبيل مالايختلف فى تحريمه لكن النفوس الشهوانية غلبت على كثير ممن ينسب إلى الخير حتى لقد ظهرت فى كثير منهم فعلات المجانين والصبيان حتى رقصوا بحركات متطابقة وتقطيعات متلاحقة، وانتهى التواقح بقوم منهم إلى أن جعلوها من باب القرب وصالح الأعمال، وأن ذلك يثمر سنى الأحوال، وهذا على التحقيق من آثار الزندقة (روح،ج ۲۱/ص:۷۰)

وأما مارسمه أهل زماننا من أنهم يهيئون المجالس ويرتكبون فيها بالشرب والفواحش ويجمعون الفساق والاماء يطلبون المغنّين الطوائف ويسمعون منهم الغناء ويتلذذون بها كثيراً من الهواء النفسانية والخرافات الشيطانية ويحمدو على المغننين

باعطاء النعم العظيم ويشكرون عليهم بالاحسان العميم، فلاشك إن ذلك ذنب كبير، واستحلاله كفر، قطعاً ويقيناً لأنه عين لهو الحديث فى شأنهم. (احمدی، ص:٦٠٤، ٦٠٥)

فقہاء کا یہ تشدد تو مشائخ رسمی کے حلقۂ سماع اور محفل قوالی سے متعلق ہے۔ رہی وہ موسیقی جو بطور ایک مستقل آرٹ کے، بڑے ریاض کے ساتھ، اشاروں سے سیکھی جاتی ہے، اور جس کا ربط علاوہ باجے کے رقص کے ساتھ بھی رہتا ہے، اور جس کا مضمون شہوت انگیزی کا پورا سامان اپنے اندر رکھتا ہے، اس کی بابت ہماری پاکیزہ اور ستھری شریعت کے احکام برموقع، وہ بالکل ظاہر ہیں۔

اور جب وعید اس سماع سے متعلق ہے جو فی الجملہ اخلاق اور روحانیت سے لگاؤ رکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسی کا ''ماڈرن'' نام ہی ہیجان نفس پیدا کرنے والی روایتیں مثلاً: ناول، افسانے، رومانی شاعری، ڈراما، ایکٹنگ اور ''فنون لطیفہ'' کی عادتیں اپنے لیے کیا حکم رکھے گی! اسلام کے بے مثال دین ونظامِ دین سے کوئی بھی رشتہ ان واہیات وخرافات کو نہیں ہوسکتا۔

یشتری کے لفظی معنی خرید کرنے کے ہیں، مراد ہے اختیار کرنا، خریدار ہونا، خواستگار ہونا، راغب ہونا، سب اس میں داخل ہے۔

اور جو چیز بھی کسی چیز کے عوض میں لی جائے، وہ سب لفظ کے عموم میں شامل ہے۔

يجوز الشراء والإشتراء فى كل مايحصل به شيئ. (راغب، ص:٢٩٢)

سبيل الله سے مراد اللہ کا دین ہے یا کتاب اللہ کی تلاوت۔

أى دينه أو قراءة كتابه. (بيضاوى، ج٤/ص:١٥٠)

يتخذها هزواً۔ ضمیر ھا الآیات کی طرف بھی لی گئی ہے اور لفظ سبیل کی طرف بھی، کہ سبیل بھی مؤنث آتا ہے۔

كناية عن الآيات ويجوز أن يكون كناية عن السبيل. (قرطبى، ج١٤/ص:٥٧)

والضمير للسبيل فانه ممايذكر ويؤنث وجوز أن يكون للآيات. (روح، ج٢١/ص:٨٠)

بغير علم۔ یعنی نفس پرستی اور عرف فاسد پر مبنی، اور ہر علمی سند سے خالی۔

ليضل میں لام تعلیل کا ہے۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۞ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا

ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے، ۲؎ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منھ موڑ لیتا ہے

واللام للتعلیل (روح، ج ۲۱/ص: ۷۹)

آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں ذکر ایسے لہو ولعب کا ہے جو دین حق سے روکنے والے ہوں اور ان کا اثر دوسروں تک متعدی ہو رہا ہو، بلکہ دین حق کی طرف سے بے رغبتی اور تحقیر دلوں میں پیدا کر دینے والے ہوں، ظاہر ہے کہ ایسا مشغلہ اگر کفر نہیں تو قریب بہ کفر کے درجہ تک تو پہنچ ہی جائے گا، اور اس کی تائید شانِ نزول کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے، جاہلیت میں کوئی ''قابل وفاضل'' شخص نضر بن الحارث بن کلدہ نامی تھا۔ آس پاس کے ملکوں کا سیاح، وہاں سے جاہلی ''لٹریچر'' کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں لاتا، انھیں لا کر اہل عرب کو سناتا۔ ایران کے بہادروں کے افسانے، حیرہ کے بادشاہوں کے قصے پڑھ کر سناتا، اور کہتا جی اس دلچسپ لٹریچر میں لگاؤ، قرآن کے وعظ میں کیا رکھا ہے۔ ہمراہ کوئی حسین چھوکری بھی کر لیتا، اور تشویق مزید کے لیے شراب وکباب کے ساتھ اس کی پیش کش بھی کرتا رہتا۔

اس سے اتر کر ہلکے درجہ میں، ممنوع وناجائز وہ سارے کھیل تماشے ہوں گے جو تہذیب دشمن نے خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرنے کے لیے گڑھ لیے ہیں۔ نیز ''ادبیات''، افسانہ وشعر کا وہ بہت بڑا ذخیرہ جو آج ''آرٹ'' کے بڑے پُر فخر کارنامے کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں ہر اس گانے کی حرمت آگئی، جو عملاً دین سے غفلت کی طرف لے جانے والا ہو، یا اعتقاداً موجب ضلال ہو، اور قول فیصل یہ ہے کہ جو ان دونوں باتوں سے مبرا ہو، اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۷)

۲؎ (آخرت میں)

آخرت کا ہر عذاب شدید والیم تو ہے ہی، یہ عذاب اس کے ساتھ ذلت آفریں بھی ہوگا۔ جس نے زندگی بھر دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی، وہ نالائق ہے بھی اسی قابل کہ کل اس کی بھی ہر طرح ذلت ورسوائی ہو لے۔

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٧﴾ اِنَّ

جیسے اس نے سنا ہی نہیں، گویا اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ ہے، سو آپ اسے خبر سنا دیجئے عذاب دردناک کی ۵ البتہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام بھی کیے، ان کے لیے راحت کی جنتیں ہیں جن میں وہ (ہمیشہ) رہیں گے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٩﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

(یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۶ (اسی نے) آسمانوں کو بلا ستون بنایا ہے تم ان کو دیکھ رہے ہو

اس عذاب کا اصل ظہور تو آخرت ہی میں ہوگا، لیکن دنیا میں بھی ایک طرح اس کا ظہور مشاہد ہے، بھانڈ، نقال، گویے، ڈوم، میراثی، کسبیاں، نچنیے، طبلچی غرض تمام طبقے لھو الحدیث سے تعلق رکھنے والے دنیا میں بھی حقیر ورسوا ہی رہتے ہیں، تا آنکہ کوئی معاشرہ مسخ ہو کر انھی کے رنگ میں رنگ جائے، اور خود ہی فسق پیشہ بن جائے۔

۵ آیت ماقبل سے بھی ظاہر ہو گیا تھا، اور اس آیت نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ یہاں مراد اس لہو ولعب اور ان اشغال تفریحی سے ہے جو دین اسلام سے ہٹنے اور ہٹانے، ضلال واضلال کا باعث ہوں۔ ایسے مشاغل یقیناً حرام بلکہ ان میں سے بعض تو کفر کے درجہ میں داخل ہیں۔

باقی "جو لہو اعمال فرعیہ شرعیہ سے باز رکھے یا کسی معصیت کا سبب ہو جائے، وہ صرف معصیت ہے۔ اور جو لہو کسی امر واجب کا مفوّت [چھڑانے والا] نہ ہو، اور اس میں کوئی شرعی غرض ومصلحت بھی نہ ہو، وہ مباح ہے، لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ اور مسابقت فرس، مسابقت سہم، ملاعبت اہل میں چونکہ معتد بہ غرض تھی، اس لیے حدیث میں اس کو لہو باطل سے مستثنیٰ فرمایا، اور مسئلہ غنا اور سماع کا اس آیت کا مدلول ہونا ضروری نہیں، اس کا مفصل حکم مستقلاً مثل دیگر اقسام لہو کے دوسرے دلائل حدیثیہ وفقہیہ سے اپنے محل پر ثابت ہے، اور اس تفصیل سے تمام مشاغل اور تفریحات کا حکم بھی جس میں اخبار اور ناول وغیرہ بھی آگئے، معلوم ہو گیا"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۷۰)

۶ اپنے کمال قدرت سے وہ عزیز ہر وعدہ کے واقع کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ

اور زمین پر بھاری پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ کہیں تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس (زمین) میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے ہے یہ تو اللہ کی مخلوق ہوئی

میں نہ مخل ہوسکتا ہے، نہ کوئی مانع ہوسکتا ہے، اور اپنے کمال حکمت سے وہ حکیم اسے واقع اسی وقت کرتا ہے، جب عین مصلحت ہوتی ہے --- ایمان وعمل صالح کے بعد راحت وتنعم کی جنتیں تو انسان کا حق ہوجاتی ہیں، اللہ عزیز وحکیم کی طرف سے یہ تبشیر وعدہ ہے، اور آیت میں اس وعدہ کی تاکید در تاکید ہے۔

ے (ہر طرح کے شجر ونباتات سے)

خَلَقَ .... ترونھا۔ آسمان ہی عظیم الشان اور بلند ترین موجودات کو بغیر کسی ظاہری مادّی سہارے کے قائم رکھنا کمالِ قدرت پر ایک دلیل قاطع ہے --- ملاحظہ ہو، سورۃ الرعد کا حاشیہ ۲۔

خلا کا سفر قدیم مفسرین کے زمانے میں کہاں تھا۔ اب حال میں روسی خلاباز تی توف نے خلائی سفر کا تجربہ کرۂ زمین سے ہزار ہا میل اوپر اڑ کر کیا، تو اپنا مشاہدہ ایک پریس کانفرنس میں اخبار نویسوں کے سامنے یوں بیان کیا:۔

"ہوائی خلا سے زمین کا نظارہ بہت ہی دلکش ہوتا ہے۔ بادل صاف نظر آتے ہیں، ان کا جو سایہ پڑتا ہے اس کی وجہ سے وہ برف سے الگ نظر آتے ہیں، کبھی کبھی زمین کا افق جہاز کے دریچے سے نظر آتا ہے، زمین کے چاروں طرف نیلگوں ہالہ بڑا ہی حسین معلوم ہوتا ہے، روشنی سے تاریکی میں اور تاریکی سے روشنی میں جانے کا مرحلہ بڑا ہی مسحور کن ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ دنیا ہمارے سر پر لٹک رہی ہے، اور بے اختیار خیال آتا ہے آخر یہ کس چیز کے سہارے معلق ہے؟"

(سوویت دیس، نئی دہلی۔ ۱۵ / اکتوبر ۱۹۶۱ء، ص:۵)

اَلْقٰى ...... بکم ۔ ہلکی پھلکی سطح زمین پر اس مصلحت سے ایک خاص ترتیب وتناسب مقام کے ساتھ بھاری بھاری پہاڑ نصب کردیے کہ زمین کہیں اپنی اتنی تیز گردش سے پتانے [تھرتھرانے] نہ لگے۔ کمال صنعت گری کی دلیل ہے --- ملاحظہ ہو سورۃ النحل کا حاشیہ نمبر ۲۲۔

اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ

اب مجھے دکھاؤ کہ (اللہ کے) علاوہ جو ہیں انھوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ پاپی لوگ صریح گمراہی میں (جتلا)

مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْکُرْ

ہیں۔ ۸ اور بے شک ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی ۹ (اور یہ حکم) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو، اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لیے

من السماء سے جیسا کہ پہلے کئی بار گزر چکا ہے، مراد سمت آسمان ہے یا بلندی۔ ابر وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

۸ (اور وہ گمراہی ان کی صریح ضد کی ہے، تو یہ لوگ بھلا دلیل وغیرہ کیا پیش کر سکیں گے)

خلق اللہ۔ خلق یہاں بہ معنی مخلوق ہے۔

والخلق بمعنى المخلوق۔ (قرطبی، ج ۱۴/ص:۵۸)

اہل شرک کو چیلنج کر کے پکارا ہے کہ اللہ کی صنعت وقدرت وحکمت پر تو آسمان وزمین میں ایسے ایسے روشن دلائل موجود ہیں۔ اب تم تو ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیویوں دیوتاؤں کے مخلوقات ومصنوعات کون سے ہیں؟ ---- دیویوں، دیوتاؤں اور اہل جاہلیت کو چھوڑیئے، آج کے بڑے سے بڑے صناع وحکیم اور سائنٹسٹ اور ماہر فن کو لیجئے اور بتایئے کہ اس نے کوئی رائی ہی سی چیز ''خلق'' کر کے دکھائی ہے؟ --- ایک ماہر جرمن سائنٹسٹ نے آج سے ۶۰-۶۵ برس پہلے کہا تھا کہ انسانی آنکھ کی ساخت ایسی ناقص ہے کہ کوئی انسان اگر اس کا خالق ہوتا تو اسے شرم آتی! ایک سادہ مسلمان نے اسی وقت سوال کیا کہ کیا پھر اس سائنٹسٹ نے کوئی آنکھ اس سے بہتر خلق فرمائی؟

الظالمون۔ ظالمون سے مراد مشرکین ہیں۔

یعنی المشرکین باللہ العابدین معه غیره. (ابن کثیر، ج ۳/ص:۴۱۴)

ضلل مبین۔ کھلی ہوئی گمراہی یعنی شرک۔

۹ یہ لقمان کون تھے؟ اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ کوئی مقبول، برگزیدہ بندے تھے اور ایسے کہ اہل عرب (قرآن کے مخاطبین اول) ان کے نام سے مانوس تھے، اس کے آگے ان کی

شخصیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ کلام جاہلیت میں ایک نہیں، اس نام کے تین تین شخصوں کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے لقمان ثانی کا لقب لقمان حکیم مشہور ہے، عجب نہیں کہ قرآن مجید کا اشارہ انھی کی جانب ہو۔ ان سے متعلق روایات تاریخی میں آتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے، ملک حبشہ یا سوڈان کے رہنے والے تھے، اور ایک آزاد شدہ غلام تھے۔

كان لقمان الحكيم عبداً حبشياً، غليظ الشفتين، مصفح القدمين. (ابن جرير عن مجاهد)۔ كان لقمان الحكيم أسود من سودان مصر. (ابن جرير عن سعيد بن المسيب)۔ كان لقمان عبداً حبشياً (ابن جرير عن ابن عباس، ج ۲۰/ص: ۱۳۵)

بعض اکابران کی نبوت کے بھی قائل ہوئے ہیں، لیکن مسلک جمہور یہ ہے کہ نبی نہ تھے۔

اختلف السلف فى لقمان: هل كان نبياً أو عبداً صالحاً من غير نبوة؟ على قولين الأكثرون على الثانى. (ابن كثير، ج ۳/ص: ٤١٤)

لقمان کے باب میں سلف کا اختلاف چلا آرہا ہے کہ آیا آپ نبی تھے یا محض ایک بندۂ صالح۔ دونوں قول منقول ہیں، لیکن اکثریت نے قول ثانی ہی اختیار کیا ہے۔

وعلى هذا جمهور أهل التأويل إنه كان ولياً ولم يكن نبياً. (قرطبى، ج ١٤/ص: ٥٩)

جمہور کا قول یہی ہے کہ آپ ولی تھے، لیکن نبی نہ تھے۔

والجمهور على أنه كان حكيماً لم يكن نبيا. (مدارك، ص: ٩١٧)

جمہور کا قول یہی ہے کہ آپ حکیم تھے، نبی نہ تھے۔

واتفق العلماء على أنه كان حكيماً ولم يكن نبياً إلا عكرمة فإنه قال كان لقمان نبياً وتفرد بهذا القول. (معالم، ج ۳/ص: ٥٨٧)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نبی نہ تھے صرف حکیم تھے، البتہ عکرمہ اس کے قائل تھے کہ آپ نبی تھے، لیکن عکرمہ اپنی اس رائے میں متفرد ہیں۔

اور لسان العرب میں ل، ق، م، کے تحت میں اقوال اس قبیل کے بہت سے نقل کردیے ہیں، لیکن فیصلہ کچھ نہیں کیا ہے۔

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ

شکر کرتا ہے ۱۰ اور جو کوئی ناشکری کرے گا سو اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ۱۱ اور اس وقت کا ذکر کیجئے جب لقمان نے اپنے بیٹے کو

وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ

نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا! اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے ۱۲ اور ہم نے انسان کو تاکید کی

تاریخ یونان میں ذکر ایک حکیم السیپ نامی کا آتا ہے (۶۱۹ - ۵۶۴ ق.م) ان کے بعض حالات میں بھی حضرت لقمان کے ساتھ اچھی خاصی مشابہت ہے، واللہ اعلم۔

الحكمة سے مراد علم صحیح مع عمل صحیح ہے

هی الإصابة فی القول والعمل. (مدارك، ص: ٩١٧)

عبارة عن توفيق العمل بالعلم. (كبير، ج ٢٥/ص: ١٢٧)

۱۰ ”کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے، دنیوی نعمت میں تو باعتبار نفس نعمت کے کبھی اور باعتبار ثواب کے ہمیشہ اور دینی نعمت میں مثل علم وغیرہ کے دونوں طرح پر، یعنی علم بھی بڑھتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے“۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۷۶)

۱۱ وہ کامل الصفات اپنی ذات سے ہے، اسے اپنی تکمیل کے لیے کسی کے شکر، عبادت، حمد وغیرہ کی حاجت نہیں --- اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں کا، جو اپنے دیویوں، دیوتاؤں کو اپنی ہی طرح محدود القویٰ ناقص الصفات سمجھتے تھے۔

۱۲ (کہ اس کے سامنے اور ساری زیادتیاں اور کج راہیاں ہیچ ہیں)

الظلم الميل عن القصد. (لسان، ج ٨/ص: ٢٦٤)

ظلم کی حقیقت ہے وضع الشئی فی غیر موضعه، یعنی کسی شے کو خلاف محل رکھنا، اور کج روی اختیار کرنا اور شرک میں اس کا ظہور کامل ترین صورت میں ہوتا ہے۔

لسان العرب میں آیت کے ذیل میں ہے:

يعني أن الله تعالىٰ هو المحيي المميت الرزاق المنعم وحده لاشريك له غيره، فإذا أشرك به غيره فذلك أعظم الظلم لأنه جعل النعمة لغير ربها. (لسان، ج ٨/ص: ٢٦٤)

بِوَالِدَيۡهِ ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ

اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے اسے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری

وَلِوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ

اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے ۱۳ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے

لقمٰن۔ اس نام پر ایک حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے، قبل ہجرت نبوی مدینہ میں ایک بزرگ سوید بن صامت انصاری تھے، ان کا شمار ابن اثیرؒ نے اُسد الغابۃ میں صحابیوں میں کیا ہے۔ سوید حکیمانہ رنگ کے شعر کہتے تھے، اور اپنے قبیلے میں ''کامل'' کے لقب سے مشہور تھے۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ یہ جب مکہ معظمہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دعوت اسلام پیش کی۔

فقال له سويد فلعلّ الذي معك مثل الذي معي، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم وما الذي معك؟ قال مجلة لقمان، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعرضها عليّ، فعرضها عليه، فقال له إن هذا الكلام حسن والذي معي أفضل من هذا، قرآن أنزله الله تعالىٰ عليّ، هو هدى و نور. (سيرة ابن هشام، ج۲/ص:۳۰۹)

تو سوید بولے شاید آپ کے پاس بھی ویسی ہی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے آپؐ نے فرمایا: تمہارے پاس کیا ہے؟ وہ بولے صحیفۂ لقمان ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے سناؤ۔ تو انہوں نے سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں یہ کلام بھی اچھا ہے، لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، وہ قرآن ہے جو اللہ نے میرے اوپر نازل کیا ہے، اور وہ (سراسر) ہدایت و نور ہے۔

اور محدث سہیلی نے ابن ہشام کی شرح روض الأنف میں اس مقام پر لکھا ہے کہ

لقمان كان نوبيا من أهل أيلة. (روض الأنف، ج۲/۲۴۳)

لقمان نوبیا کے رہنے والے اہل ایلہ (عقبہ) میں سے تھے۔

اور راغب نے مفردات القرآن میں صرف اس قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ لقمان حکیم مشہور کا نام ہے۔

ولقمان اسم الحكيم المعروف. (راغب، ص:۵۰۷)

۱۳ (اور اس وقت ادائے حقوق سے متعلق باز پرس ہوگی)

لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۡ وَّاتَّبِعۡ

جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو توان کا کہانہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ شرافت سے بسر کیے جانا ۱۴ اور اسی کی راہ پر چلنا

لی ولوالدیك ۔ معطوف ومعطوف علیہ کے درجۂ اہمیت کا خیال رہے ۔ والدین کے حق کی یہ عظمت اس درجہ کی ہے کہ اس کا عطف خود حق تعالیٰ کے حق کی ادائی پر کیا گیا ہے ۔

الیّ المصیر ۔ یہ یاد دلا کر گویا یہ بھی بتادیا کہ حکم کو معمولی نہ سمجھنا ۔ سوال اس کی بابت رکھا ہوا ہے ۔ فرنگی تہذیب جو کچھ بھی گل کھلائے ! اسلام میں اطاعت والدین ایک اہم ترین فریضہ ہے ۔

حملتہ...... عامین ۔ پورا فقرہ بطور جملہ معترضہ کے ہے ۔ والدہ کے حق کے بیان وتوضیح میں ۔

وھناً علی وھن ۔ ایک مختصر سے دولفظی فقرے میں حاملہ کی ساری معذوریوں اور ناتوانیوں کی جانب اشارہ آگیا ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، حاشیہ تفسیر انگریزی میں روسی ڈاکٹروں کا بیان ۔

فصالہ فی عامین ۔ آیت میں کوئی تعیین حکم نہیں کہ مدت رضاعت پورے دو سال ہی رہنا چاہیے ۔ محض عادت غالب وعرف عمومی کا بیان ہے ۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صراحت ہے کہ شکر منعم کی طرح، جو واسطہ نعمت ہو، اس کا شکریہ بھی مطلوب ہے، اور اس واسطے کے عموم میں والدین اور استاد اور مرشد سب آگئے ۔ (تھانوی، ج ۲/ص ۵ ۷ ۲)

۱۴ اطاعت والدین اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری شے سہی، بلکہ اسلام کی مجلسی ومعاشری زندگی کی تو بنیاد ہی اتحادِ زوجین کی طرح اطاعت والدین پر ہے، لیکن جب توحید پر زد پڑ رہی ہو تو وہاں یہ فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا، اور یہی اطاعت عین معصیت بن جائے گی ۔ کتنا حکیمانہ توازن واعتدال اسلام نے اپنے ہر حکم میں رکھا ہے !

وصاحبھما فی الدنیا معروفاً ۔ اس حال میں بھی یہ حکم قائم ہے کہ دنیوی حاجات ومعاملات یعنی خورد ونوش وغیرہ میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک برابر جاری رہے ۔--- والدین کی شکر گزاری بہر صورت واجب ہے، بجز اس کے کہ وہ شکر گزاری اللہ کی ناشکری کے مستلزم ہو جائے ۔

سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو میری طرف رجوع ہو ۱۵ تم (سب) کو میرے پاس آنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلادوں گا۔ ۱۵(الف)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي

اے بیٹا! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ برابر ہو، پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو

السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ

یا زمین کے اندر ہو، اللہ اسے لے ہی آئے گا بے شک اللہ بڑا باریک بین ہے، بڑا باخبر ہے۔ ۱۶ اے میرے بیٹے!

۱۵ (دینی معاملات میں)

یعنی جو دینِ حق کا تابع اور اسی پر عامل ہو، معاملاتِ دین میں مرافقت اسی کی کیا کرو۔

فقہاء نے کتاب وسنت وقیاس کے علاوہ جو چوتھا ماخذ احکامِ شریعت کا اجماعِ امت کو قرار دیا ہے، اس کی بنیاد علاوہ دوسرے نصوص کے یہ آیت بھی ہے۔

يدل على صحة اجماع المسلمين لأمر الله تعالىٰ إيانا باتباعهم. (جصاص، ج۳/ص:۳۵۲)

۱۵(الف) اللہ کی اس ہمہ توانی وہمہ بینی وہمہ دانی کے استحضار کے بعد ہر حکم شریعت کی تعمیل آسان ہوجائے گی۔

۱۶ (چنانچہ کوئی عمل کیسا ہی دقیق ہو، اور کیسے ہی اسباب خفا اس کے لیے جمع ہوجائیں، اس عالم الغیب والشہادۃ کے احاطۂ علم وخبر سے بہر حال وہ باہر نہیں رہ سکتا)

مثقال حبة من خردل.

یعنی جثہ میں نہایت ہی صغیر ہو۔

فتكن في صخرة.

یعنی حجاب غلیظ کے اندر ہو۔

أو في السمٰوات.

یعنی غایت بُعد میں ہو۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط

نماز کو قائم رکھ اور بھلائی کی نصیحت کیا کر اور برائی سے منع کیا کر اور جو کچھ تجھ پر پڑے اس پر صبر کیا کر

اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ

بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے ۱۷ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر، اور زمین پر

أو في الأرض.

یعنی ظلمات در ظلمات میں ہو۔

انسان کی نظر سے کسی شے کی پوشیدگی کے اسباب عموماً یہی ہوتے ہیں، اور مشرک قوموں نے اپنے پر قیاس کر کے اپنے دیوی دیوتاؤں کو انھی حالات میں معذور اور ان کے علم کو ناقص سمجھا ہے قرآن مجید نے ان میں سے ہر ممکن سبب کی تردید کر کے بتادیا کہ حق تعالیٰ کے علم کامل ومحیط کو کسی معنی میں اور کسی پہلو سے بھی ناقص، ناتمام، داغ دار سمجھنا انتہائی جہل ہے۔

۱۷ (ہمیشہ مقبولین کی ایک خصوصیت۔ بلکہ بعض موقعوں پر واجب بھی)

عزم الأمور کے تحت میں جو بڑی ہمت اور بڑے ظرف کے اعمال داخل ہیں وہ اگرچہ وجوب یا فرضیت کا حکم نہیں رکھتے، پھر بھی بڑی ہی فضیلتیں رکھنے والے ہوتے ہیں۔

ذلك۔ یعنی یہی صبر۔ یا وہ تمام امور جو مذکور ہو چکے۔

قاله ابن جريج ويحتمل إن يريد أن ذلك من مكارم الأخلاق وعزائم أهل الحزم السالكين طريق النجاة. وقول ابن جرير أصوب. (قرطبی، ج ۱۴/ص:۶۹)

إشارة إلى الصبر أو إلى كل ما أمر به. (بیضاوی، ج ۴/ص:۱۵۲)

أقم الصلوة۔ نماز کی پابندی کا حکم التزام شرائط کے ساتھ۔

وامر بالمعروف۔ نیکی ونیک کرداری کا حکم۔

وَانْهَ عن المنكر۔ بدی وبدکرداری سے بچنے بچانے کا حکم۔

وَاصْبِرْ علی ما أصابك۔ تکوینی طور پر جو بھی ناموافق حالات پیش آئیں۔ دنیا میں جو رنج اور مصیبتیں پڑیں، یا مسلمان بننے اور بنے رہنے میں (اقامت صلوٰۃ میں، امر بالمعروف میں،

فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِیْ

اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ۱۸ اور اپنی چال میں میانہ روی

مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾

اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے۔ ۱۹

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ

کیا تم لوگوں کی اس پر نظر نہیں کہ اللہ نے تمہارے ہی لیے تسخیر کر دیا ہے اس (سب) کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اس نے تم

عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ

پر اپنی حسی و معنوی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں ۲۰ اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر واقفیت،

نہی عن المنکر میں) جو جو بھی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ ان سب کو صبر کی سپر پر روکنے کا حکم۔

۱۸ (یہاں تک کہ چال ڈھال میں متکبرین کا تشبہ بھی اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے) نقالی شعوری ہو یا لاشعوری، ہر حال میں ایک گہری نفسیاتی حقیقت ہے۔

۱۹ (اس لیے انسان کو چاہیے کہ گدھوں کی چیخنے چلانے نہ لگ جائے) جس طرح گدھا دنیا کے اکثر ملکوں، خصوصاً مشرق میں اپنی حماقت و بدعقلی کے لیے مشہور ہے، اسی طرح اس کی بدآوازی بھی گویا ایک مسلمہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہاں تو یہ قول ایک حبشی حکیم کی زبان سے نقل ہو رہا ہے۔

سارے پند و موعظت کا خلاصہ یہ نکلا کہ چال، ڈھال، بول چال، رفتار و آواز، غرض ہر چیز میں انسان کو متکبرین کی روش سے بچنا چاہیے --- ہماری شریعت میں اخلاق و آداب کے جزئیات تک کی ہدایتیں موجود ہیں۔

۲۰ (اور وہ تکوینی نعمتیں، ہوا، آگ، روشنی، پانی، صحت، غذا، مکان، لباس وغیرہا، مومن و کافر ساری مخلوق بشری کے لیے عام ہیں)

مافی السمٰوات و ما فی الأرض۔ یعنی جمیع کائنات۔

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ

بغیر دلیل اور بغیر کسی روشن کتاب کے بحث کیا کرتے ہیں ۲۱ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے

اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔ کیا یہ جب بھی جب کہ شیطان ان (بڑوں) کو

سخر .... الأرض۔ اس میں تعریض ہے مشرک اور جاہلی قوموں پر کہ اللہ کی ساری مخلوق تو خود تمہاری خدمت کے لیے ہے، یہ آسمان اور یہ زمین، یہ چاند اور یہ سورج، سب ہی، پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے کہ تم الٹے انھی کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

آیت میں اس حقیقت کی تصریح ایک بار اور ہو گئی کہ کائنات میں جو کچھ ہے، سب انسان ہی کے لیے ہے۔ اور انسان بحیثیت اشرف المخلوقات کے سب پر حاکم و متصرف ہے --- آیت نے یہ بھی بتا دیا کہ جمیع کائنات انسان ہی تسخیر کرتا رہے گا۔ ہوائی جہاز ہو یا خلائی جہاز، سفر چاند کا ہو یا ستاروں کا انسان سب پر حاکم و قادر ہو کر رہے گا۔ ابھی اس کا منصب بحیثیت حاکم نہیں خلیفۃ اللہ کے ہے۔

ظاهرة۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔

باطنة۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک عقل سے ہوتا ہے۔

۲۱ یعنی اس جدال بے جا کی بنیاد نہ کسی علم صحیح پر ہے نہ کسی استدلال عقلی پر، نہ کسی کتاب آسمانی پر، بلکہ محض اس کی کج فہمی پر۔

فی اللہ۔ اللہ کی ذات وصفات کے باب میں

أی فی توحیده عزوجل وصفاته. (روح، ج ۲۱/ص: ۹۴)

بغیر علم۔ یعنی بغیر دلیل عقلی کے۔

مستفاد من دلیل عقلی. (روح، ج ۲۱/ص: ۹۴)

ولا هدی۔ بغیر کسی نبی کی تعلیم سے استناد کے۔

راجع إلى رسول ماخوذ منه. (روح، ج ۲۱/ص: ۹۴)

يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنۡ يُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ

عذاب دوزخ کی طرف بلا رہا ہو؟ ۳۲ اور جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکادے اور وہ مخلص

مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۲۲﴾

بھی ہو، تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا، اور (سارے) معاملات کا آخرکار اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ ۳۳

۳۲ یعنی اس قدر ان کی طبیعت میں ضد و فساد ہے، کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل بھی محض اپنے گمراہ باپ دادوں کی روش پر چلے جا رہے ہیں، اور جب کہ اس روش کے ناصواب ہونے پر انھیں صاف دلیل و بصیرت مل بھی چکی ہے۔

بل نتبع ما وجدنا علیه آباء نا۔ تحقیق سے گریز اور تقلید جامد پر اصرار، قرآن مجید نے بار بار طریقہ کافروں اور منکروں کا بتایا ہے، نہ کہ اہل ایمان کا۔ اہل حق کے مقابلے میں تقلید جامد شیوہ کافروں ہی کا قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے۔

۳۳ اکبر الہ آبادی نے بھی معرفت کے رنگ میں خوب کہا ہے۔ ع

اخیر کیوں کا جواب تو ہے!

سلسلۂ اسباب کو پھیلاتے چلے جایئے، بس جہاں وہ ختم ہوگا، وہی خدا ہے۔

وھو محسن۔ یعنی وہ مومن خالص بھی ہو۔

ای فی أعماله. (روح، ج ۲۱/ص: ۹۵)

جو شخص بغیر ایمان واخلاص کے کوئی عمل صالح کرے گا بھی، وہ نیکی نہ ہوگی، نیکی کی محض نقل ہوگی۔

فقد...... الوثقیٰ۔ یعنی جس نے توحید کی مضبوط رسی تھام لی۔ وہ اب ہر طرح محفوظ ہوگیا، اسے اب صدمہ و ہلاکت کا ڈر نہ رہا، اور اس کا ظہور تو آخرت میں ہوگا، باقی دنیا میں بھی یکسوئی کی نعمت بس اسی کو حاصل رہے گی، اور جس کا ایمان خدا پر نہ ہوگا، اس کی کشتی ہمیشہ ڈانواڈول رہے گی، کوئی مرکز اس کے سکونِ خاطر کا نہ ہوگا۔ اور وہ آج اِس لایعنی مشغلہ کے پیچھے دوڑ رہا ہوگا، اور کل اس سے بھی بڑھ کر کسی اور لایعنی مشغلہ کے پیچھے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ

اور جو کوئی کفر کرے، سو آپ کو اس کا کفر غمگین نہ کرے۔ ان (سب) کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم انھیں جتلا دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، بے شک

اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

اللہ کو دلوں کے اندر کی باتیں خوب معلوم ہیں ۲۴ ہم انھیں چند روزہ عیش دیے ہوئے ہیں، پھر ان کو سخت عذاب کی طرف کشاں کشاں پہنچا دیں گے ۲۴ (الف)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ

اور اگر آپ ان سے پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے کہ الحمد للہ ۲۵

۲۴ (اس لیے آپ اتنا زیادہ فکر و تردد اپنے سر کیوں لیں)

ہدایت وضلالت تمام تر مشیت الٰہی کے ماتحت ہیں، ملائکہ مقربین ہوں یا انبیاء و رسل، کسی کو اس معاملے میں دخل نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اصلاح و ہدایت خلق کے باب میں بہت زیادہ اہتمام و مبالغہ نہ کیا جائے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۷۸)

۲۴ (الف) مہلت دنیوی کا معاملہ بڑے سے بڑے کافر و منکر کے ساتھ یہی ہوتا رہتا ہے، اس سے جزائے آخری کی بات نہیں ٹل سکتی --- یہ دین کی اہم حقیقتوں میں سے ایک اہم ترین حقیقت ہے کہ چند روزہ اور محض عارضی لذت تو بڑے سے بڑے منکر کو بھی مل سکتی ہے، لیکن آخری انجام بدترین پیش آنے سے کسی بھی کافر کو مفر نہیں۔

۲۵ (کہ دلیل کا ایک اہم مقدمہ تو تمہیں تسلیم ہے)

السموات والأرض۔ سے مراد ساری کائنات، اور اس کے اعظم ترین قوئی ہیں، استدلال کی منطقی شکل حسب ذیل ہوگی:۔

یہ عالم ومافی العالم سارے کا سارا مخلوق و مصنوع اللہ کا ہے۔ کوئی مخلوق و مصنوع، رب و معبود نہیں ہو سکتا۔ اس لیے عالم ومافی العالم کی کوئی چیز بھی رب و معبود بننے کے قابل نہیں۔

سالتھم۔ ضمیر ھم مشرکین مکہ کی جانب ہے، جو وجود باری کے پوری طرح قائل تھے، ساتھ ہی ساتھ دیویوں دیوتاؤں کو بھی مانتے جاتے تھے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

لیکن ان میں سے اکثر تو (اتنی بات بھی) نہیں جانتے ۲۶ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں، بے شک اللہ ہی

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ

غیر محتاج ہے ستودہ صفات ہے ۲۷ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر یہ سب قلم ہی قلم بن جائیں ۲۸ اور اس سمندر کے علاوہ سات سمندر

مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اور بہہ جائیں تو بھی اللہ کے کلمات (کی حکایت) ختم نہ ہو، بے شک اللہ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ ۲۹

۲۶ (کہ جب سب کو مخلوق و مصنوع تسلیم کرلیا، تو پھر ان کی الوہیت یا شرکتِ الوہیت کیا معنی)

ہندوستان کے مشرکین میں بھی بکثرت ایسے ہیں، جو ایک طرف ایک خالق اکبر، ایک رب اعظم کے قائل ہیں، ساتھ ہی بہتوں کو ارباب اصغر کی طرح اس کا شریک بھی مانتے جاتے ہیں، اور توحید کے مضمرات پر کبھی غور ہی نہیں کرتے۔

اکثرھم۔ ضمیر مشرکین عرب کی طرف بھی جاسکتی ہے اور عام نوع بشری کی طرف بھی۔

۲۷ الغنی یا غیر محتاج وہ ہے اپنی ذات کے لحاظ سے، اور الحمید یا جامع تمام خوبیوں کا اپنی صفات کے لحاظ سے---- ساری دنیا میں اگر اس کا ایک بھی ماننے والا نہ رہے تو اس غنی کے کمال پر اس سے کیا حرف آسکتا ہے؟ وہ حمید یا ستودہ صفات تو بہرحال و بہر صورت رہے گا۔ غنی کو اردو میں بے نیاز بھی کہہ سکتے ہیں۔

۲۸ (چنانچہ ایک ایک درخت سے ہزار ہا ہزار قلم تیار ہونے لگیں)

۲۹ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم و حکمت میں بھی۔ اس کی قدرت اور حکمت کی شانیں لا انتہا ہیں۔ انسان اپنی سمجھ کے لائق بس یہ فرض کرلے کہ روئے زمین کے جنگلوں میں، باغوں میں، کھیتوں میں، مکانوں میں، راہوں اور سڑکوں پر جو بے شمار درخت ہیں، یہ سب بھی اگر بے گنتی قلموں میں تبدیل ہوجائیں، اور دنیا کے سمندری پانی کا موجودہ ذخیرہ، کئی گنا بڑھ کر روشنائی

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾

تم (سب) کا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا ۳۰ بے شک اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب دیکھنے والا ہے ۳۰ (الف)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ رات کو داخل کرتا رہتا ہے دن میں، اور دن کو داخل کرتا رہتا ہے رات میں، اور سورج اور چاند

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ز كُلٌّ يَّجْرِيٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَّأَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ

(سب) کو تسخیر کر رکھا ہے، ہر ایک، ایک میعاد مقرر تک بحال رہے گا، اور کیا اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ ۳۱

کے سمندر تیار ہو جائیں، تو وہ سارے قلموں کے جنگل اور یہ ساری روشنائی کے سمندر مل کر بھی اللہ کی قدرت و حکمت کو احاطے میں لانے میں کافی نہیں ہو سکتے۔

عزیز حکیم۔ قدرت اور علم یہ وہ دو صفتیں ہیں جو تمام صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے عموم کے بعد انھیں خصوصاً بھی بیان فرما دیا گیا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۸۰)

البحر۔ بحر سے مراد جنس بحر ہے، کوئی متعین سمندر مراد نہیں۔

سبعة أبحر۔ سبع سے بھی مراد سات کا مخصوص و متعین عدد نہیں، بلکہ محاورۂ عربی کے مطابق محض کثرت۔

ليس لانحصاره في سبعة، وإنما الإشارة إلى المدد والكثرة ولو بألف بحر. (کبیر، ج ۲۵/ص: ۱۳۸)

المراد بالسبعة الكثرة. (روح، ج ۲۱/ص: ۹۸)

۳۰ اس کے نزدیک جیسے ایک فرد کا جلانا، ویسے ہی ساری مخلوق کا جلا اٹھانا۔ یہ وحدت و کثرت، کمی اور زیادتی تو سب ہمارے معیار سے ہے، اُس قادر مطلق کے لیے یہ اور وہ سب برابر۔

۳۰ (الف) بغیر اس کے کہ وہ کسی آلۂ سماعت اور آلۂ بصارت کا محتاج ہو، یہ آلات کی محتاجی تو صرف مخلوق کے لیے ہے۔

۳۱ یعنی تصرفات تکوینی تمام تر اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور علم بھی اس کا کامل و محیط وہمہ گیر ہے۔ تمہارے اعمال کی، خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا علانیہ، اسے کیسے خبر نہ ہوگی۔

خَبِيرٌ ۝٢٩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ

یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حقیقی ہے اور اس لیے کہ اس کے سوا جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں سب ہیچ ہیں

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝٣٠ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ

اور اس لیے کہ اللہ ہی بلند و بالا ہے، بڑی شان والا ہے۔ ۳۲ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی سمندر میں چلتی

یولج...... القمر ۔ سیاہ رات اور روشن دن، اور سورج اور چاند، سب اسی قادر مطلق کی مخلوق و مصنوع ہیں، اور ان سب کے تصرفات اسی کے حکم و مشیت کے محکوم ہیں۔ پھر یہ کیسی حماقت وسفاہت ہے کہ انھی کو دیوی، دیوتا قرار دے کر معبود فرض کرلیا جائے۔

کل یجری۔ یہاں صاف صاف یہ جتادیا کہ یہ اجرام فلکی ساکن نہیں بلکہ مسلسل حرکت سریع میں ہیں، اور یجری کا اطلاق مطلق حرکت پر نہیں حرکت سریع پر ہوتا ہے، دوڑتے بھاگتے ہوئے۔

جری کا اردو ترجمہ محض چلنے سے کرنا صحیح نہیں، بھاگنے دوڑنے کے ساتھ ذرا کیفیت ظاہر ہوگی۔

یجری أی یسیر سیراً سریعاً مستمراً. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۰۲)

الجری المرالسریع . (راغب، ص: ۱۰٤)

إلی أجل مسمیٰ ۔ یعنی قیامت تک یا جو مدت بھی وہ مقرر کر چکا ہے۔

قال الحسن: إلی یوم القیامة. (قرطبی، ج ۱٤/ص: ۷۸)

یہاں گویا ضمناً یہ بھی بتادیا کہ دنیا کے موجودہ نظام تکوینی کی مدّت عمر قیامت تک ہے، اس وقت تک یہ برابر اسی اسلوب پر چلا جائے گا، اس کے بعد ایک دوسرے ہی نظام کا دور شروع ہوگا۔ اس کی مشیت ہی بہر صورت حاکم و متصرف ہے۔

۳۲ (اور وہی اکیلا معبودیت کا مستحق)

ذلک یعنی یہی مذکورۂ بالا دلائل و واقعات۔

إشارة إلی الذی ذکر من سعة العلم وشمول القدرة وعجائب الصنع واختصاص الباری بها. (بیضاوی، ج ٤/ص: ۱۵۳)

اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

چلتی ہے تاکہ تم کو (اللہ) اپنی نشانیاں دکھلائے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لیے ۳۳

واجب الوجود صرف اسی کی ذات، وجود حقیقی صرف اسی کا، صفات علو و کبریائی سے صرف وہی متصف، معبودیت والوہیت کا صرف وہی مستحق۔

العلی۔ ہر چیز پر غالب۔ ہر چیز سے بلند و بالا۔

الکبیر۔ اس سے منزہ اور بالاتر کہ کوئی اس کا شریک یا مد مقابل ہو۔

۳۳ے اتھاہ اور بے پناہ جوش مارتے ہوئے سمندر پر انسان جیسے مُشتِ خاک کو قدرت دینا، اسے اتنی عقل و فہم سے بہرہ ور کرنا کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ، اور ان میں کیلیں ٹھونک ٹھانک اور ہوا، دخان اور برق کی قوتوں سے کام لے، چھوٹی بڑی کشتیاں اور جہاز، اور اسٹیمر اور لائیز وغیرہ تیار کر سکے، اور ان کے ذریعہ سے سیکڑوں نہیں، ہزاروں میل کے فاصلے، شدید خطرات و موانع کے باوجود طے کرتا رہے، اور بحری تجارت و سیاحت سے عظیم الشان نفع حاصل کرتا رہے۔ یہ سب فضل الٰہی (نعمۃ اللہ) ہی کے حکم میں داخل اور اس کی قدرت، رحمت و حکمت کی نشانیوں کے مشاہدے ہی کے لیے ہیں۔

بنعمة اللّٰه۔ اللہ کے فضل و کرم سے۔ اللہ کے لطف و احسان سے۔ کشتی رانی، جہاز رانی، بادبانی ہو یا دخانی، اللہ کی ایک نعمت خصوصی ہے، اور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر بھرپور ایک مستقل و خصوصی نعمت کے کیا جائے۔

من آیته۔ سفر بحری کے سلسلے کے جتنے بھی تجربات و مشاہدات و عجائب و نوادر ہیں، سب اس عموم کے تحت میں آجاتے ہیں۔

ذلك۔ یعنی اس فضل خداوندی اور مشاہدۂ آیاتِ الٰہی میں۔

صبار شکور۔ مراد مومن ہی ہے کہ وہی صفات صبر و شکر میں کامل ہوتا ہے۔

كناية عن المؤمن. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۰۵)

وقال أهل المعاني: أراد لكل مؤمن هذه الصفة، لأن الصبر والشكر من أفضل خصال الإيمان. (قرطبي، ج ۱۴/ص: ۷۹)

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ

اور جب انھیں موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انھیں نجات

اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۳۲

دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں ۳۴ اور ہماری آیتوں کے منکر تو بس وہی ہوتے جو بدعہد اور ناشکرے ہیں ۳۵

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو، جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ بدلہ ہو سکے گا اور نہ بیٹا ہی اپنے باپ کی

مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ

طرف سے کوئی بدلہ بن سکے گا ۳۶ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، سو دنیوی زندگی تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے

ان دوصفات کی تخصیص اس موقع پر شاید اس لیے کہ اور بھی بحری سفر و سیاحت میں خوب موقع ان دونوں صفات کے ظہور کا رہتا ہے۔ صبر ہر موقع ناخوشی کے لیے اور شکر ہر موقع خوشی کے لیے۔

۳۴ (اور باقی پھر حق سے منحرف ہو جاتے ہیں)

مقتصد۔ راہ اقتصاد و اعتدال، توحید کی راہ ہے۔ شرک کی راہ سرتاسر کجی و کج روی ہے۔

کالظلل ۔ سمندر میں طوفان و طغیانی کے وقت پانی کی موجیں سطح آب سے گزوں اونچی ہو ہو کر کشتیوں اور جہازوں پر تھپیڑے مارتی ہیں، تو یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے بدلیاں چھا گئی ہیں --- قرآن مجید اپنی تشبیہات کے ذریعے سے گویا اصل منظر کو سامنے لا دکھاتا ہے۔

۳۵ (اور وہی کافر کہلاتے ہیں)

ختار۔ بدعہدی کا ظہور یوں کہ توحید کا جو عہد و پیمان مضطر و مضطرب ہو کر کشتی میں کیا تھا، اسی کو اب توڑ بیٹھے۔

کفور۔ ناشکری کا صدور یوں کہ خشکی پر صحیح و سلامت آ جانے کا جو مقتضا تھا، یعنی شکر، اسی کو چھوڑ دیا۔

۳۶ باطل مذہبوں میں جو اہمیت کفارے اور معاوضے کے عقیدوں کو حاصل ہے، آیت ان سب کی تردید کیے دے رہی ہیں --- والد اور مولود کی تخصیص اس لیے کہ اول تو کوئی رشتہ

الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

اور نہ کہیں وہ بڑا فریبیا تمہیں اللہ کے باب میں دھوکے میں رکھے ۳۷ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے

اس سے قریب تر اور کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بعض مذہبوں میں اولاد ہی کو ''پانی دے کر'' اپنے والد متوفی کا نجات دہندہ بتایا گیا ہے۔

اتقوا ربکم۔ یعنی اپنے پروردگار کے احکام کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔

یوما .... شیئاً۔ ڈرنے کی چیز وہی حشر ہے، جہاں مطلق کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا، یہاں تک کہ قریب ترین، عزیز ترین رشتہ دار بھی۔

۳۷ (کہ تم اس دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ ہو کر یاد آخرت سے غافل ہو جاؤ)

دنیا اور سامان دنیوی کی خوشنمائی اور ظاہری آب وتاب بڑی ہی ڈرنے کی چیز ہے، غور کر کے دیکھا جائے، تو آخر میں ساری گمراہیوں کی جڑ یہی فریفتگی دنیا ہی نکلے گی۔

الغرور۔ غُرور عربی میں (برخلاف اردو کے، جہاں وہ تکبر کے مرادف ہے) ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غفلت اور دھوکے میں ڈال دے، مال ہو، جاہ ہو، خواہشِ شہوانی ہو، یا خود شیطان ہو۔

الغرور کل مایغُرّ الانسان من مال وجاه وشهوة وشيطان (راغب، ص:٤٠١)

یہاں مراد شیطان ہے جیسا کہ صحابہ وتابعین سے بھی مروی ہے۔

قد فسر بالشيطان إذ هو أخبث الغارين. (راغب، ص:٤٠١)

أى الشيطان كماروى عن ابن عباس وعكرمة وقتادة ومجاهد والضحاك. (روح، ج٢١/ص:١٠٨)

اس بڑے فریبئے کا دھوکا حق تعالیٰ کے باب میں یہی ہے کہ عذاب وعقاب کی خبریں سب غلط ہیں، نہ کوئی عالم آخرت ہے اور نہ وہاں حساب کتاب، پکڑ دھکڑ۔

إن وعد اللّٰه حق۔ اللہ کا وعدہ یہی کہ حساب کتاب برحق ہے اور ہر ایک کو اپنے اعمال وافعال کی جواب دہی کرنا ہے۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ

اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے ۳۸ اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا

غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ

عمل کرے گا ۳۹ اور نہ کوئی یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا ۴۰

۳۸ مثلاً یہی کہ جنین مردہ ہے یا زندہ، حمل خصوصاً اپنے ابتدائی زمانے میں لڑکی کا ہے یا لڑکے کا، ولادت طبعی طور پر پورے دنوں پر ہوگی یا غیر طبعی طور پر اس کے قبل یا بعد، اور ہوگی تو ٹھیک کس دن، کس وقت ہوگی وقس علی ہذا، رحمیات سے متعلق ان تفصیلات کا پورا اور تحقیقی علم تو ہر دوسرے علم کی طرح ذات باری ہی کو رہتا ہے۔

وینزل الغیث ۔ یعنی اس کا پورا اور یقینی علم کہ بارش کب ہوگی، کہاں کہاں ہوگی، کس مقدار میں ہوگی، کتنی مدت تک رہے گی، وقس علی ہذا۔۔۔ موسمیات کے بارے میں انسانی علوم کے ماہرین قرائن اور ظن وتخمین سے کام لے کر جس حد تک اندازہ لگاتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ نہ اس کا شمار علم غیب میں ہے، اور نہ اس کی نفی یہاں مقصود ہے۔

إن اللہ عندہ علم الساعة ۔ آگے کے دو جملے فعلیہ ہیں، اور یہ جملہ اسمیہ ہے، یہ فرق غالباً اس لیے کہ علم الساعة ایک امر متعین ہے، بخلاف اس کے وہ دونوں امور، دنیا میں برابر واقع ہوتے ہی رہتے ہیں۔

۳۹ آیت میں آیندہ کے علم قطعی وتفصیلی کی نفی مراد ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی پروگرام ظنی اور اجمالی صورت میں تو دوسرے دن کے لیے ہر انسان رکھتا ہی ہے۔۔۔ اور جب انسان کو اپنے ہی کل سے متعلق تفصیلی اور تحقیقی خبر نہیں ہو سکتی، تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے مستقبل سے متعلق تو اتنی بھی نہیں ممکن۔

۴۰ (اور جب ''کہاں'' کے متعلق کوئی تحقیقی خبر نہیں ہو سکتی، تو ''کب'' کے متعلق اور بھی محال ہے)

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝٣٤

بے شک اللہ ہی علم والا ہے خبر رکھنے والا ہے۔ ۱۴۱

''مکان'' موت تو ہر انسان کا بہر حال اس وقت بھی کہیں نہ کہیں موجود ہی ہے، اور بار ہا مرنے والے کے مشاہدے میں بھی آچکا ہے، تو ''زمانِ'' موت جو حواس ظاہری سے تمام تر مستور و مخفی ہے، اس کی بابت نفی علم تو اور زیادہ ہوگئی۔

۱۴۱ آیت کا حاصل یہ ہوا کہ علم غیب، یعنی ہر شے کا علم بلا واسطہ: اور جملہ جزئیات کا علم محیط، صرف حق تعالیٰ کو حاصل ہے، کوئی بھی اس وصف میں اس کا شریک نہیں۔

یہ پانچ مسئلے صرف بطور مثال اور نمونے کے بیان ہوئے ہیں، اور ان کی تخصیص کی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے، جیسا کہ شان نزول کی روایتوں میں متعدد طریقوں سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال انھی پانچ مسئلوں کی بابت پیش کیا گیا تھا۔۔۔لیکن ان پانچ میں سے بھی قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بندوں سے نفی صرف دو علموں کی کی ہے، جن کا تعلق تمام تر مستقبل سے ہے۔

وماتدری نفس ماذا تکسب غدا۔ ایک اس کی کہ کل کیا پیش آئے گا؟

وماتدری نفس بأی أرض تموت۔ دوسرے اس کی کہ انسان کی موت کہاں واقع ہوگی؟

باقی تین مسئلوں کا شمول اس فہرست میں محض تفسیری روایات کی بنا پر ہے، نہ کہ قرآنی صراحت پر۔ اور اس کی بہ نسبت درخواست ہر تفسیر خواں سے ہے کہ وہ کلام اللہ اور کلام الناس کے درمیان فرق کرنا سیکھے۔

یعلم مافی الأرحام۔ حالت جنین میں بچہ کی جنین کی تعیین اب تک فن طب کے لیے ایک دشوار ترین مسئلہ ہے، اور بڑے بڑے ماہرین فن اس میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ ایک مستند طبی ماہ نامہ (دسمبر ۱۹۵۹ء) کا بیان ہے: ''حمل قرار پا جانے کے بعد یہ پیش گوئی کرنا کہ حمل لڑکے کا ہے یا لڑکی کا، یہ بھی ایک چیستاں ہے۔ عقلی گدے لگانے والوں نے تو بے شمار ترکیبیں بتائی ہیں، لیکن صحیح صحیح

اندازہ ناممکن ہے۔ ایکس رے کے ذریعے بھی اس بات کا ٹھیک پتا نہیں لگ سکتا، کیوں کہ تفریقی اعضاء میں ہڈیاں نہیں ہوتیں، اور جنین اس شکل میں رحم میں رہتا ہے کہ یہ طریقہ کسی طرح کامیاب نہیں ہوسکتا۔

جنین کے قلب کی آوازیں سن کر ان کے مابین فرق کے ذریعہ جنین دریافت کرنے کی کوشش کی گئی، مگر دونوں جنسوں کے درمیان حرکت قلب کے درمیان بہت زیادہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا"۔

اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیا یہی وہ (حضرت) ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتے ہیں، درآنحالیکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کے ذکر ہی سے کفر

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ

کرتے رہتے ہیں؎۵۰ انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے؎۵۱

فتنة ۔ مصدر فتنة فعل نبلوکم کی تاکید کے لئے ہے، اور تاکید کے موقع پر کبھی تو اس فعل کا مصدر دہرادیا جاتا ہے اور کبھی اس کا کوئی مرادف۔

مصدر موکد لنبلوکم من غیر لفظه ۔ (کشاف)

مصدر علی غیر اللفظ ۔ (قرطبی)

؎۴۹ (آپس میں)

کافروں کی اخلاقی پستی کا نقشہ ہے ـــ آج بھی کتنے ہی بدنفس کافر ایسے موجود ہیں جو شریعت اسلامی کے احکام و مسائل کو کبھی سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں۔ سرے سے تمسخر ہی کرتے رہتے ہیں۔

مکّہ میں رسولؐ کے جو ہمسائے تھے، اپنی بدتمیزی اور تمسخر میں سب پیش پیش رہتے تھے، مثلاً ابولہب عبدالعزیٰ، عقبہ بن ابی معیط، وغیرہما۔

اور ابن حبیب نے اپنی کتاب المحبر میں مستہزئین قریش کے تحت میں نام حسب ذیل گنائے ہیں: عاصؓ بن وائل، حارثؓ بن قیس، اسودؓ بن مطلب، ولیدؓ بن مغیرہ، اسودؓ بن عبد یغوث۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی بے قدری اس تشنیع کے عموم میں آجاتی ہے بلاحظہ ہو تفسیر انگریزی

؎۵۰ تو تمسخر و استہزا کے مستحق اگر ہیں تو خود یہ لوگ ہیں، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت کو یوں ٹھکرائے ہوئے، یوں بھلائے ہوئے ہیں۔

یذکر سے مراد ہے کہ برائی سے ذکر کرتے ہیں۔

ای بسوء ۔ (بیضاوی)

ای یعیبها ۔ (معالم)

اھذا الذی یسب الھتکم ۔ (ابن کثیر)

ھم کفرون ۔ ضمیر ھم کی تکرار تاکید کلام کے لئے ہے۔ یعنی یہ کٹّے کافر خدائے رحمٰن سے کفر پر کفر کرتے رہتے ہیں۔

ھم الثانیة لتوکید کفرھم ای الکافرون مبالغة فی وصفھم بالکفر ۔ (قرطبی)

تاکید ۔ (جلالین)

؎۵۱ انسان سے مراد کافر قسم کا انسان ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ مراد یہ کہ اس قسم کا انسان کچھ ایسا

(۳۲)

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّة

سورۂ سجدہ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

الف۔ لام۔ میم۔ یہ نازل کی ہوئی کتاب اس کے اندر کوئی اشتباہ نہیں، عالموں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ ۱ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں

۱ الٓمّٓ پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے میں اصلاً شک وشبہ کی گنجایش نہیں، لیکن لاریب فیہ کا ایک ذرا باریک پہلو بھی نکلتا ہے کہ ریب وارتیاب، شک واشتباہ، تردد وتذبذب کا اس کتاب کے اندر کہیں گزر نہیں، اس کے مضامین تو سرتاسر سرمایۂ تسکین وخزانۂ سکون ہیں، یقین واطمینان اسی کتاب کے اندر ملے گا۔ ملاحظہ ہو، شروع سورۂ بقرہ کا حاشیہ نیز انگریزی تفسیر القرآن۔

لاریب فیہ فقرے کا تعلق معاً مابعد کے فقرے من رب العالمین سے ہے، یعنی اس میں شک وشبہ نہیں کہ یہ تنزیل الٰہی ہے، نہ کہ شاعری یا ساحری یا کچھ اور۔

ومن رب العالمين الخبر، قال مكيّ: وهو أحسنها ومعنى: لاشك فيه أنه من عندالله، فليس بسحر ولا شعر ولا كهانة ولا أساطير الأولين. (قرطبی، ج ۱٤/ص:۸٥)

أى لاشك فيه ولا مرية أنه منزل من رب العلمين. (ابن کثیر، ج ۳/ص:٤۲٦)

من رب العالمين۔ اور چونکہ اس کتاب کی تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہوئی ہے، اس لیے قدرۃً یہ کتاب بندوں کی جملہ ضروریات کی کفیل اور ہر ممکن ہدایت وتعلیم پر شامل ہوگی---

افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

کہ اس (پیمبر) نے گڑھ لیا ہے ۲ نہیں بلکہ یہ حق ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے (اترا ہوا) تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ

شاید کہ وہ لوگ راہ پر آ جائیں ۳ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کر دیا چھ

ناظرین تفسیر ذرا غور کر کے دیکھیں، جس تکرار اور جس تفصیل وتصریح سے بیان صفت ربوبیت کا قرآن مجید میں ہوا ہے، ایسا بھی کسی دوسری صفت الٰہی کا ہوا ہے؟

الکتب۔ قرآن کو خود قرآن میں ''کتاب'' کہنا ان لوگوں کی تردید کے لیے بالکل کافی ہے جو قرآن کے جمع وتدوین کو عہد رسالت سے، بہت متاخر، زمانہ خلافت ثلاثہ میں بتاتے ہیں۔

۲ یعنی کیا ان بد بخت منکرین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب جو معنوی اور ادبی ہر حیثیت سے بے نظیر ہے، ایک انسان کی جو اپنے کو پیمبر کہتے ہیں، گڑھی ہوئی ہے؟ اور کسی انسانی دماغ کی پیداوار ہے؟

۳ یعنی ان کی ہدایت یابی کا ایک متوقع ذریعہ تو یہ قرآن ہے، اب آگے چاہے وہ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔

لتنذر۔ یعنی مقصود اس تنزیل سے اسی قوم کا ڈرانا ہے۔

بيان للمقصود من تنزيله. (روح، ج۲۱/ص:۱۱۷)

قوماً...... قبلک۔ قوم قریش اسماعیلی تھی، اور حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا پیمبر برحق ہونا ظاہر ہے، پھر اس ارشاد سے کیا مراد ہے کہ اس قوم کے پاس اس سے قبل کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ --- مراد یہ ہے کہ دین ابراہیمی واسماعیلی کے چھوڑنے کے بعد جب سے یہ قوم عرب میں آباد ہو کر کفر وشرک میں مبتلا ہو گئی تھی، اس وقت سے کوئی پیمبر اُن میں نہیں آیا تھا، یعنی ان چند پشتوں میں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اب تک گزری تھیں۔ رازیؒ اور آلوسیؒ دونوں کے یہاں یہ قول نقل ہوئے ہیں۔

اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ
زمانوں میں، پھر وہ قائم ہوا تخت (شاہی) پر ۴ اس کے سوا کوئی نہ تمہارا مددگار ہے اور نہ سفارشی،
اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ۝
سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ۵

أى بعدالضلال الذى كان بعد الهداية لم يأتهم نذير. (كبير، ج ٢٥/ص ١٤٦)

قيل المراد بهم أهل الفترة من العرب وغيرهم حتى أهل الكتاب، والمعنى ماأتهم نذير من قبلك بعدالضلال الذى حدث فيهم. (روح، ج ٢١/ص:١١٩)

ملاحظہ ہو: سورۃ القصص (رکوع ۵) کا حاشیہ آیت ۴۶، لتنذر قوما ماأتهم.. الخ پر

۴ یعنی اپنے تصرفات نازل کرنے لگا، اپنے احکام نافذ کرنے لگا۔

خلق...... العرش۔ چھ زمانوں کی مدت خلقت آسمان وزمین پر، ملاحظہ ہو حاشیہ ۹، سورہ ہود، آیت ۷ نیز استواء علی العرش پر حاشیہ سورۃ الاعرف آیت نمبر ۵۴ میں گزر چکا۔

وما بینھما۔ خلائے محض کوئی چیز نہیں۔ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ بھی ایک اثباتی وجود رکھتا ہے، بجائے خود ایک عالم ہے۔

ثم۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں ''پھر'' کے معنی میں نہیں، محض ''اور'' کے مفہوم میں ہے۔

وليست ثم للترتيب إنماهى بمعنى الواو. (قرطبى، ج ١٤/ص:٨٦)

عطف کے لیے یوں بھی ثم کے لیے لازمی نہیں کہ وہ تاخیر زمانی ہی کے لیے آئے۔

۵ (کہ ایسی ذات کا شریک کوئی بھی نہیں ہوسکتا)

مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی مستقلاً نہ مددگار ہے نہ شافع، جیسا کہ تمام مشرکانہ مذہبوں نے سمجھ رکھا تھا۔ اسلام سے قبل تقریباً تمام مذاہب نے اللہ کے علاوہ مستقلاً کچھ حمایتی اور کچھ شفیع ٹھہرا لیے تھے، اور جزاوسزا کا تعلق خدائے تعالیٰ سے بس محض برائے نام ہی رکھا تھا۔ اسلام نے آکر اس کی تردید کی اور بار بار بتلایا کہ حکم نافذ کرنے والا، فیصلہ صادر کرنے والا، دنیا کی طرح آخرت میں بھی صرف اللہ ہی ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ

آسمان سے زمین تک وہی ہرامر کی تدبیر کرتا ہے ٦ پھر (ہر امر) اس کے پاس پہنچ جائے گا

فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞ ذٰلِكَ عٰلِمُ

ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کی ہوگی ۷ وہی جاننے والا ہے

البتہ إلا بـإذنـه کی قید لگا کر دوسری جگہ یہ بتا دیا کہ وہ خود ہی جس طرح دنیا میں سلسلۂ اسباب ووسائط پھیلائے ہوئے ہے، آخرت میں بھی، اپنے ایماء سے ملائکہ کو، انبیاء کو، اولیاء کو، صالحین کو، اطفال معصوم کو، سفارش کے لیے اٹھا کھڑا کرے گا، اور فساق مومنین کی مغفرت کا ذریعہ انھیں بنا دے گا۔

مـن دونـه۔ کی قید بہت قابل لحاظ ہے، اللہ کے مقابل کی حیثیت سے قطعاً کوئی بھی شفیع وناصر نہیں۔ وہ شفاعت جو اسلام نے تسلیم کی ہے، وہ تو عین اجازت خداوندی کے بعد بلکہ عین ایمائے خداوندی پر ہوگی۔

٦ چھوٹی بڑی ہر چیز کی تربیت، تدبیر، انتظام سب اسی کے ہاتھ میں ہیں، یہ نہیں کہ اس نے ایک بار پیدا کر کے کارخانۂ کائنات کو یوں ہی معلق چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر آن اس کا دخل وتصرف بھی جاری رہتا ہے۔

یدبر الأمر۔ تدبیر کے ایک معنی انجام کار کے سوچنے کے بھی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے، یہاں مراد کارسازی، انتظام ونفاذ احکام بھی ہو سکتے ہیں۔

من السماء إلى الأرض۔ یعنی سارے نظامِ کائنات کی، اوپر سے نیچے تک۔

۷ (اور وہ دن قیامت کا ہوگا، جب چھوٹا بڑا ہر عمل اللہ کے روبرو پیش ہوگا)

والمراد بيوم مقداره كذا يوم القيامة. (روح، ج/۲۱/ص:۱۲۱)

اسی دن کا طول بعض کو اشتداد کی بنا پر ہزار نہیں پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا --- اس عالم کے سارے احساسات یہاں سے بالکل مختلف ہوں گے، یہاں ذکر احساس زمان کا ہے۔

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٦ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ

ہر پوشیدہ اور ظاہر کا، زبردست ہے رحیم ہے، وہی جس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی ٨

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝٧ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝٨

اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی، پھر چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے ٩

٨ یعنی جس کو جس مصلحت کے لیے پیدا کیا، ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت وفطرت رکھی۔

مامن شيئ خلقه إلا وهو مرتب على ماتقتضيه الحكمة. (بحر، ج٧/ ص:١٩٩)

یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ہر مخلوق پر اس کی ضرورت کی چیزیں الہام فطری سے واضح کردی گئیں۔

قال الفراء لهم كل شيئ خلقه في مايحتاجون إليه. (بحر، ج٧/ص:١٩٩)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہر ہر مخلوق اپنی اپنی جگہ پر خوب اور حسن ہی ہے، یہاں تک کہ صفات کبر وبخل بھی اپنے محل استعمال میں خوب ہیں۔ ضرر صرف سوء استعمال سے پیدا ہوجاتا ہے۔ (تھانوی، ج٢/ص:٢٨٣)

عالم الغيب والشهادة۔ وہ ہمہ علم ہے۔

الذي أحسن كل شيئ۔ ایسی ہمہ علم، ہمہ قوت، ہمہ رحمت ہستی جب بھی کسی چیز کو بنائے گی، بہتر ہی سے بہتر بنائے گی۔

العزيز۔ وہ ہمہ قوت ہے۔

الرحيم۔ وہ ہمہ رحمت ہے۔

٩ یعنی نطفہ سے جو عرف عام میں ایک گندی چیز سمجھی جاتی ہے۔

من ماء۔ میں من بیانیہ ہے

خلق......طين۔ خلقتِ انسانی کا بیان کئی بار پہلے آچکا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پھر اسے درست کیا، ۱۰ اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی ۱۱ اور تم کو کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ

اور دل دیے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو ۱۲ اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے

۱۰ یعنی اس کے اعضاء وقویٰ ماں کے رحم میں قبل پیدائش درست کیے۔

أی عدله بتكميل أعضائه فی الرحم (روح، ج۲۱/ص:۱۲٤)

۱۱ روحہ۔ میں اضافت تشریفی ہے، اظہار تعظیم کے لیے، جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی طرف۔ یہ مراد نہیں کہ اللہ کی بھی کوئی روح ہے، اور اس کا کوئی جز انسان کے اندر پھونک دیا گیا، مراد صرف یہ ہے کہ وہ روح جسے اللہ نے معزز ومکرم بنایا ہے اپنی خلافت سے۔

و إضافة الروح إلى نفسه كاضافة البيت إليه للتشريف. (کبیر، ج۲۵/ ص:۱۵۲)

بعض نے اضافت تملیکی قرار دی ہے، یعنی وہ روح جو اللہ کی مملوک ہے۔

أی الروح التی هی ملكه. (کبیر، ج۲۵/ص:۱۵۲)

وهی إضافة ملك إلى مالك وخلق إلى خالق تعالىٰ. (بحر، ج۷/ص:۱۹۹)

۱۲ یعنی ہر طرح کے حواس ظاہری وباطنی عطا کیے، اس کا مقتضا یہ تھا کہ سب کو اسی محسن اعظم کے کام میں لگاتے، کان سے آیات تنزیلی کو شوق کے ساتھ سنتے، آنکھوں سے آیات تکوینی کو بنظر امعان دیکھتے، دل سے دونوں پر غور کرتے۔ لیکن منکرین کا یہ حال ہے کہ توحید تک سے انھیں انکار ہے!

لکم میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی جس کلیت، وسعت وکمال کے ساتھ انسان میں حواس ظاہری کے ساتھ ادراک باطنی جمع کر دیا گیا ہے، وہ انسان کے حق میں ایک انعام عظیم ہے، اور مستحق صد منت وشکر۔

السمع والأبصار والأفئدة۔ سمع کے واحد، اور أبصار وأفئدة کے بصیغۂ جمع لانے میں

امام رازیؒ نے نکتہ یہ لکھا ہے کہ سماعت ایک آن میں مختلف ومتعدد جہات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔ ہر حال میں حکم وحدت میں ہے، بخلاف اس کے بصارت اور ادراکِ قلب، وقت واحد میں متعدد امور پر جاری ہو سکتا ہے، اس لیے یہاں صیغۂ جمع ہی لانا مناسب ہوا۔

قلیلاً۔ قلیل ایسے موقع پر نفی کا مفہوم دیتا ہے۔

والقلة بمعنى النفي. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۲٤)

ماتشکرون۔ میں ما زائدہ مؤکدہ ہے۔ (جلالین، ص: ۵۴۵)

جعل لکم۔ اب تک انسان کا ذکر صیغۂ غائب میں چلا آرہا تھا۔ جعل نسله، سوّاه، نفخ فیه ۔ گویا انسان اب تک بے جان تھا، لیکن اب نفخ روح سے اس میں جان پڑ گئی، اور اب معاً خطاب براہِ راست ہونے لگا، اور صیغہ بجائے غائب کے حاضر کا ہو گیا۔

نفخ من روحه۔ سے نصرانیوں کی بھی تردید نکل آئی، جو مسیح علیہ السلام کو روح اللہ ہونے کی بنا پر ابن اللہ اور جزء خدا مان رہے ہیں۔ روح اللہ، قرآن نے جس معنی میں حضرت مسیح علیہ السلام کو کہا ہے اس طرح تو ہر انسان کو کہا ہے۔

نفخ فیه من روحه ۔ نفخ روح سے مراد نفخ مجازی ہی لیا گیا ہے، یعنی روح کو بدن سے متعلق کر دیا گیا۔

ونفخ الروح قيل: مجاز عن جعلها متعلقة بالبدن. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۲٤)

امام غزالیؒ اور بعض متکلمین وفلاسفہ نے روح کو مجرد اور غیر مادی قرار دیا ہے، بخلاف اس کے ابن قیمؒ شدومد کے ساتھ روح کے مجرد نہیں بلکہ جسم لطیف ہونے کے قائل ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا تسویہ کے معنی اُجزا کے متساوی کرنے کے ہیں، جو خاص جسم میں سے ہے، اس کے بعد ہی نفخ روح کے ذکر سے ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم نہیں، چنانچہ امام غزالیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن جمہور نے جسم لطیف کہا ہے، تو ان دونوں بیانات میں کوئی تناقض نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے مجرد کا تعلق بدن کے ساتھ اسی جسم لطیف کے واسطے سے ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۸۴)

ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰

تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے؟ ۱۳ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے ہی کے منکر ہیں ۱۴

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

آپ کہہ دیجئے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے، جو تم پر متعین کر دیا گیا ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۱۵

۱۳ منکرین قیامت کا ذکر ہے کہ وہ استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی کہیں ممکن ہے کہ جب ہمارے جسم خاک میں رل مل جائیں۔ خاک میں مل کر خود بھی خاک بن جائیں، تو وہ جسم دوبارہ زندگی پائے؟--- مادیین کا جو مذہب شروع سے چلا آ رہا ہے، اس کے پاس بڑی دلیل یہی ہے۔ عناصر جسم کی ترکیب و ترتیب جب ایک بار فنا ہو گئی، تو دوبارہ وہ کیوں کر موجود ہو سکتی ہے؟

أ إنّا۔ انکار میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔

المراد تاکید الانکار. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۲۵)

۱۴ مطلب یہ ہے کہ محض حیرت و استعجاب ہی نہیں، ان منکرین کو تو عقیدۂ حشر سے سرے سے انکار بھی ہے اور وہ سلسلۂ جزا و سزا ہی کے قائل نہیں۔

۱۵ سابقہ تم کو اللہ ہی سے آ کر پڑے گا۔

مَلَكُ...... بکم۔ فرشتۂ موت کوئی فاعل مختار نہیں، محض ایک درمیانی واسطہ ہے، اور اللہ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس میں ان مشرک جاہلی قوموں کا رد آ گیا جن کے یہاں موت کا دیوتا، ایک مستقل و متصرف حاکم ہے۔

اسی مضمون کی تائید میں ابن کثیرؒ نے ایک طویل حدیث ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کی ہے، اس میں ملک الموت خود رسول اللہؐ سے کہتے ہیں:

واللہ یا محمد لو انی أردت أن أقبض روح بعوضة ما قدرت علی ذلک حتی یکون اللہ ھو الآمر بقبضھا. (ابن کثیر، ج ۳/ص: ۴۲۸)

قسم ہے اللہ کی کہ اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا، جب تک اللہ ہی کے یہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں کہ جب کہ مجرم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اے ہمارے پروردگار! (بس اب) ہمارے آنکھ کان ہوگئے ۱۶

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ

تو تو ہم کو پھر بھیج دے، ہم نیک کام کیا کریں گے اور ہم کو پورا یقین آگیا ۱۷ اور اگر ہم کو (بھی) منظور ہوتا تو ہم ہر ایک کو اس کی

هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

(راہ) ہدایت دے ہی دیتے ۱۸ لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں دوزخ کو بھر کر رہوں گا جنات اور انسان سب سے ۱۹

اللہ اللہ! اسلام نے شرک کی جڑ کس کس طرح کاٹی ہے!

اِلٰى ربكم۔ واپسی اور آخری پیشی تمہارے رب کے سامنے ہوگی، جو صفت ربوبیت کا مظہر ہے---- اس ایک لفظ نے کیسی ڈھارس بندھا دی! کسی کو بھی وہ ہمدردی تمہارے ساتھ ہوسکتی ہے، جو رب کو اپنے مربوب کے ساتھ ہوگی!

۱۶ (اور پیمبروں کے قول کی پوری تصدیق ہوگئی)

ناکسوا...... ربھم۔ یہ سرغایت انفعال سے جھکے ہوئے ہوں گے، اضطراراً و کرہاً۔

۱۷ یعنی اب ہم کو اپنی آنکھوں مشاہدہ ہوگیا۔ اب ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے تو ہم ضرور ہی ایمان لے آئیں گے---- ایمان مشاہدے کے بعد تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا، اس لیے درخواست قدرۃً غیر مقبول رہے گی۔

۱۸ (اور یہ عالم عالمِ ابتلا رکھا ہی نہ جاتا۔ ہر ایک ہدایت پر مضطر و مجبول ہی ہوتا)

ولو شاء۔ یعنی اگر ہماری مشیت ہی یہ ہوتی۔

۱۹ یعنی اگر ہم کو ہر ایک کو خواہ مخواہ راہ پر لے آنا ہی تکوینی حیثیت سے مطلوب ہوتا، تو یہ درخواست منظور بھی ہوسکتی تھی، بلکہ اس کی نوبت ہی کیوں آتی، شروع ہی سے ہر شخص کو ہدایت اضطراراً مل ہی نہ جاتی؟ لیکن ہماری مشیت تکوینی کو تو ہدایت کو ارادے و اختیار پر مرتب کرانا مقصود ہے، اس لیے مشاہدے کے بعد اضطراراً ایمان لانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ جو ارادۃً راہ کفر و ضلال اختیار کریں گے، انھیں نتائج بھی بھگتنے ہوں گے۔

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ إِنَّا نَسِينَاكُمْ ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ

سو لو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے تھے، ہم نے تمہیں بھلا دیا ۲۰ اور اپنے کرتوتوں کے

الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا

بدلے ابدی عذاب کا مزہ چکھو، ہماری آیتوں پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہیں

سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ

تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں، اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے، ان کے پہلو خوابگاہوں

عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٦﴾

سے علیحدہ رہتے ہیں، اپنے پروردگار کو وہ پکارتے رہتے ہیں خوف سے اور امید سے، اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ۲۱

ف ۲۰ یعنی اپنی رحمت سے تمہیں محروم کر دیا۔

نسیتم۔ نسینکم۔ نسیان پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۷۔ آیت کریمہ ولا تنسوا الفضل بینکم پر گزر چکا ہے۔ نسیان کے ایک کھلے ہوئے معنی ترک کے ہیں، اور وہی یہاں دونوں جگہ مراد ہیں۔ یعنی تم جو یوم آخرت کو قصداً بھلائے رہے اور اس کی یاد کو ترک کیے رہے، تو اس کی سزا آج چکھو اور آج ہم بھی تمہاری طرف سے بے التفاتی رکھیں گے۔

ماکان سببه عن تعمد منهم، وتركه على طريق الاستهانة. (تاج، ج ۲۰/ص: ۲۴۰)

قال ثعلب: لاينسى الله عزوجل إنما معناه تركوا الله فتركهم. (تاج، ج ۲۰/ص ۲۴۰)

النسيان: الترك. (لسان، ج ۱۴/ص: ۱۳۲)

نیز ملاحظہ ہو سورۂ جاثیہ آیت ۳۴ کا حاشیہ۔

ف ۲۱ (اللہ کی رضا جوئی کے کاموں میں)

الغ دو آیتوں کے اندر ایمان اور کمال ایمان دونوں کے صفات بیان کر دیے ہیں۔

تتجافی ...... المضاجع۔ پہلوؤں کے خوابگاہوں سے علیحدہ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ راتوں کو اپنے بستر چھوڑ چھوڑ عبادتوں میں لگے رہتے ہیں۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٧﴾

سو کسی کو علم نہیں جو جو (سامان) آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے یہ صلہ ہے ان کے (نیک) اعمال کا ٢٢

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ ﴿١٨﴾ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

تو کیا جو کوئی مومن ہے وہ اس جیسا ہے جو نافرمان ہے؟ (نہیں) یکساں نہیں ہو سکتے ٢٣ جو لوگ ایمان لائے

یدعون......طمعاً۔ یہ لوگ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں، خوف عذاب کی راہ سے بھی اور امید وثواب کی راہ سے بھی----- نفس کے محرکات اعظم یہی دو ہیں، اور قرآن مجید نے بھی ان دونوں یعنی ترغیب وترہیب کی رعایت پوری رکھی ہے۔

ممارزقنٰھم ینفقون۔ پھر یاد دلا دیا ہے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو، یہ آخر دیا ہوا کس کا ہے؟ اسے لائے کہاں سے ہو؟ سب ہمارا ہی تو دیا ہوا ہے----بس یہ اگر یاد رہ جائے تو انسان زیادہ اسراف کی جرأت ہی کبھی نہ کرے۔

٢٢ حقیقۃً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے یہ جو حدیث قدسی مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے کہ قال اللہ عددت لعبادی الصلحین مالاعین رأت ولا أذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور جو نہ کسی انسان کے دل میں گزری ہیں۔ وہ گویا ٹھیک اسی آیت کی تفسیر ہے۔

جزاء بما کانوا یعملون۔ یہ کہہ کر یہ انتہائی نعمتیں صلہ ہیں اعمال حسنہ کا۔ خاص ترغیب ان اعمال حسنہ کی دلائی ہے۔

٢٣ مؤمن اور فاسق کے تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق یہاں اصطلاح فقہی میں نہیں، بلکہ لغوی معنی میں آیا ہے، اور مراد اس سے کافر مکذب ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۚ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے، سو ان کے لیے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال پر بطور مہمان داری کے ہیں ۲۴

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ

اور جو لوگ نافرمان، رہے سو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی وہ لوگ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے

اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾

اسی میں ڈھکیل دیے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم انھیں قریب کا عذاب بھی علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

باز ہی آجائیں ۲۵ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ جسے اس کے پروردگار کی نشانیاں یاد دلا دی جائیں

أفهذا الكافر المكذب بوعد الله. (ابن جرير، ج ۲۰/ص:۱۸۷)

أى خارجاً عن طاعة ربه، مكذباً لرسل الله اليه. (ابن كثير، ج ۳/ص:۴۳۱)

مؤمناً...... فاسقاً۔ دونوں سے مراد طبقۂ مومنین وطبقۂ کفار ہے، نہ کہ کوئی فرد۔

إنما أريد به جميع الفساق وجميع المؤمنين (ابن جرير، ج ۲۰/ص:۱۸۷)

۲۴ حسن اعمال کی ترغیب وتشویق ابھی جزاء بما كانوا يعملون سے ہو چکی ہے، اب نزلاً لا کر اہل جنت کا مزید اعزاز واکرام کیا گیا ہے، یعنی اشارہ اِدھر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو حق تعالیٰ کے مہمان ہوں گے، اور انھیں نعمتیں جو بھی ملیں گی، اعزاز واکرام وقدر کے ساتھ ملیں گی، نہ کہ ناقدری وبے وقعتی کے ساتھ، جیسے کہ سائل ومحتاج کو دی جاتی ہیں۔

۲۵ (اپنے کفر وشرک سے)

لعلهم۔ متعلق ہے لنذيقنهم سے۔ گویا مقصود اس عذاب الأدنىٰ سے ان کافروں کی اصلاح ہی ہے۔

ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى

اور پھر وہ ان سے منھ پھیرے رہے، ہم مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے۔ ۲۵ (الف) اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو بھی

عذاب الأدنیٰ سے مراد اسی دنیا کا عذاب ہے۔ مثلاً قحط، قتل، قید، شکست، وبا وغیرہ، جو کہ مشرکین مکہ کے حق میں تو بالکل پورا اترا۔

أی بلاء الدنیا. (ابن جریر عن ابن عباسؓ، ج ۲۰/ص: ۱۸۹)

عذاب الأدنیٰ کی تفسیر عذاب الأصغر یا ہلکے عذاب سے بھی کی گئی ہے۔

وقیل: الأقل. (روح، ج ۲۱/ص: ۱۳٤)

اور ظاہر ہے کہ دنیا کا عذاب ہر صورت میں عذاب آخرت سے ہلکا ہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں ذکر دو مختلف عذابوں کا ہے: ایک عذاب الأدنیٰ، دوسرا عذاب الأکبر، لیکن تقابل کے لیے ہم وزن الفاظ یا تو عذاب الأصغر، عذاب الأکبر ہونے تھے، اور یا پھر عذاب الأدنیٰ وعذاب الأقصیٰ۔ پھر آخر قرآن مجید نے بجائے ان کے مقابلے کے لیے ایک طرف صفت أدنیٰ (بہ معنی قریب) اور دوسری طرف صفت اکبر کو کیوں رکھا؟

امام رازیؒ نے سوال پیدا کر کے حسب معمول نکتہ سنجی سے جواب دیا کہ ذکر عذاب سے مقصود تخویف ہے، اور یہ اثر پیدا نہیں ہو سکتا ہے، اگر دنیا کے عذاب کو ''ہلکا عذاب'' یا آخرت کے عذاب کو ''دور کا عذاب'' کہہ کر پیش کیا جائے کہ اس صورت میں ایک عذاب کا ہلکا پن اور دوسرے عذاب کی دوری، گہرے اثرِ تخویف کے منافی ہیں، اس لیے قرآن نے بکمال بلاغت دونوں عذابوں کے وہی خصوصیات بیان کیے، جو اثر تخویف کو بڑھانے والے ہیں، یعنی دنیوی عذاب گو نسبتاً ہلکا ہو لیکن قریب کتنا ہے، اسے بس آیا ہوا ہی سمجھو۔ اسی طرح عذاب آخرت گو بجائے آج کے ''کل'' آئے گا، لیکن وہ ہے کس قدر شدید! ایک میں خیال قرب کا رکھو، دوسرے میں شدت کا۔ (کبیر ج ۲۵/ص: ۱۶۰)

۲۵ (الف) خدائے اسلام ارادی مجرموں اور سرکشوں کے مقابلے میں، بے اختیار اور بے چارہ نہیں، انھیں پوری سزا دینے پر ہر طرح قادر ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں بار بار بیان ہو چکی ہے۔

دون۔ دون کے معنی قبل کے بھی کیے گئے ہیں۔

الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

کتاب دی تھی، سوآپ اس (کتاب) کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے ۲۶ اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ذریعۂ ہدایت بنایا تھا ۲۷

أی قبل العذاب الأکبر۔(ابن جریر، ج ۲۰/ص:۱۹۱)

یعنی قبل عذاب الآخرۃ۔(کبیر، ج۲۵/ص:۱۶۰)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ کے نزدیک، عذاب ادنیٰ سے مراد حرصِ دنیوی ہے اور عذاب اکبر سے اس حرص کی سزا۔(تھانوی، ج۲/ص:۲۸۹)

۲۶ (بلکہ ان کی نظیر سے، اور انھیں راہِ تبلیغ واشاعت دین میں جو جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں، ان سے صبر کا سبق حاصل کیجئے)

لقائہ۔ ضمیر "ہ" الکتاب کی طرف ہے۔

أی من لقاء ك الکتاب(بیضاوی، ج ٤/ص:١٥٧)

أی لقائك ذلك الجنس (روح، ج ٢١/ص:١٣٧)

الکتب سے مراد جنس کتاب ہے۔

أی جنس الکتاب(روح، ج ٢١/ص:١٣٧)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص شاید اس لیے ہو کہ ہمارے رسولؐ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بہت سے وجوہ مشابہت جمع تھے۔

فلاتکن............لقائہ۔ یہ کتاب الٰہی کا نزول کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں، آخر آپ سے قبل موسیٰ علیہ السلام کو مل ہی چکی ہے۔۔نظیر سے مزید اطمینان پیمبر تک کو حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۷ (اسی طرح آپ کی کتاب سے ابتداءً اور اصلاً قوم عرب کی اصلاح ہوگی، اور پھر بتدریج سارے عالم کی)

جعلنہ۔ ضمیر سے مراد کتاب ہے۔ بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات بھی مراد لی ہے۔

یعنی موسیٰ أو الکتاب. (جلالین، ص:٥٤٧)

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور ہم نے ان میں جب کہ انھوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے ۲۸

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

بے شک آپ کا پروردگار ان (سب) کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ان امور میں کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہتے تھے ۲۹

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

کیا یہ ان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ

اس کے اندر (صاف) نشانیاں ہیں، تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں؟ ۳۰ کیا انھوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی

۲۸ (اور اسی لیے ان کی اشاعت اور خلق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے)

منہم میں ضمیر کا انبیائے بنی اسرائیل کی طرف ہونا ظاہر ہے۔ ان کے دینی پیشوا بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

المراد الأنبياء عليهم السلام قال قتادة، وقيل المراد الفقهاء والعلماء. (قرطبی، ج ١٤/ص: ١٠٩)

"اس میں مومنین کی تسلی ہے کہ تم لوگ صبر کرو، اور جب تم صاحب یقین ہو، اور یقین کا مقتضا صبر کرنا ہے، تو تم کو صبر ضرور ہے۔ اس وقت ہم تم کو ائمۂ دین بنا دیں گے"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۸۸)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں شیخ کامل کی علامتیں ہیں، اور جو بغیر ان علامتوں کے مرشد ہونے کا مدعی ہو وہ ضال اور مضل ہے۔ (تھانوی ۲/۲۸۹)

۲۹ قیامت کے روز کے فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے، ورنہ دلائل و شواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ (جیسا کہ پہلے ہی کئی بار گزر چکا ہے) اس وقت بھی موجود ہے۔ وہ عملی فیصلہ یہی ہو گا کہ مومن جنت میں بھیج دیے جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔

۳۰ (جو وہ زبان حال سے سناتے رہتے ہیں)

اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۚ

پہنچاتے رہتے ہیں، پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کردیتے ہیں، جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی،

اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ

تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ ۱۳۱ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ فیصلہ کب ہوگا؟

ان مبغوض وہلاک شدہ قوموں کے قصوں اور تذکروں کو جو معروف ومشہور ہیں، اور تاریخوں میں مذکور۔

یمشون فی مساکنھم۔ یعنی یہ عرب اپنے ششماہی سفر شام ویمن کے سلسلے میں ان مغضوب قوموں، عاد، ثمود، وغیرہ کے عبرت زار کھنڈروں سے گزرتے ہیں، اور پھر بھی عبرت نہیں حاصل کرتے۔

إن فی ذلك لآیات۔ یعنی جس طرح اپنے زمانے کی یہ بڑی ''ترقی یافتہ ومہذب'' قومیں قہر خدا سے نیست ونابود ہوگئیں، وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قومیں گمراہ اور مغضوب تھیں۔

ذلك۔ یعنی ان گمراہ قوموں کی ہلاکت میں۔

أی فی ذھاب اولئك القوم و دمارھم وماحل بھم بسبب تکذیبھم الرسل. (ابن کثیر، ج۳/ص:۴۳۳)

أی فی ما ذکر من اھلاکنا للأمم الخالیة العاتیة. (روح، ج۲۱/ص:۱۳۹)

۱۳۱ (ہماری ربوبیت، خالقیت، مالکیت، اور احیائے اموات کی ان ہر روز پیش آنے والی مثالوں کو)

قرآن مجید آثار تاریخی، جغرافی اور روزمرہ کے تصرفات تکوینی، سب سے سبق وہی توحید ہی کا دینا چاہتا ہے۔

أفلا تبصرون۔ ربوبیت ورزاقیت کے ان سارے مظاہر کو دیکھ کر، کہ یوں بادل اٹھایا گیا، یوں پانی برسایا گیا، یوں زمین خشک کو پھر سے شاداب وسرسبز کیا گیا، یوں غلہ، سبزی وغیرہ کی پیدائش ہوئی، اور یوں بالآخر ان سے غذا انسان کو بھی حاصل ہوئی، اور اس کے مویشیوں کو بھی۔ ان منکروں نے کوئی سبق ہدایت کا نہ حاصل کیا؟

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ

اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو ۳۲ آپ کہہ دیجئے (اس) فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا (ذرا بھی) نفع نہ دے گا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝

اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی ۳۳ سو آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ انتظار کیجئے، یہ بھی منتظر ہیں ۳۴

ع ۳ / ۱۶

۳۲ منکر قیامت مشرکین، قیامت کی خبریں سن سن کر مسلمانوں سے بطور انکار، استہزاء، واستبعاد پوچھتے تھے کہ آخر وہ دن کبھی آ بھی چکے گا؟

۳۳ ایمان مقبول ونافع صرف وہی ہے، جو اس دنیا میں عالم ناسوت میں لایا جائے، کہ یہ خود اختیاری ہے، ورنہ قیامت کے دن کشف حقائق کے وقت تو ایمان لانے پر بڑے سے بڑا کافر معاند بھی مجبور ومضطر ہو جائے گا۔

ولاھم ینظرون ۔ یعنی نہ انھیں اس کی مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں بھیج کر ان کا ایمان قبول کیا جائے۔

لا یمھلون بالإعادة إلى الدنیا لیؤمنوا (کبیر، ج ۲۵/ص: ۱۶۳)

۳۴ (اس تکذیب کے وبال کے، خواہ غیر شعوری طور پر سہی)

یعنی آپ ان پر وبال پڑنے کا انتظار کریں، اور یہ تو غیر شعوری طور پر اس وقت کے منتظر ہی ہیں۔

اعراض ۔ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلیہ کے لیے ہے، منکروں اور کافروں کی دل آزار باتوں کا خیال کرتے رہنے سے خواہ مخواہ غم ہی بڑھتا تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو لوگ عارفین اور سالکین کے کمالات کے منکر ہوں، اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوں، جب انھیں فہمائش نافع نہ ہو تو ان سے اعراض مناسب ہے، اور انتظار کرے کہ ان پر وبال نازل ہونے والا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۸۹)

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور یہ کرنے والے ہم تھے ۔ نتلے

(۲) اظہار امر حق بہ مصلحت شرعی کبھی واجب ہو جاتا ہے، اور کبھی مستحب۔

(۳) ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

(۴) ایک مجتہد کو چاہئے کہ اپنے فیصلہ سے رجوع کرلے، جب اسے دوسرا فیصلہ اپنے فیصلہ سے ارجح نظر آئے۔

نتلے (ان عجائب واقعات کے نہ کہ کوئی اور۔ تو پھر ان کے واقع ہوتے میں کوئی تعجب کیوں کرے!)

یسبحن ۔ یہ پہاڑوں کی تسبیح کس نوعیت وکیفیت کی تھی، اس کے جاننے کے نہ ہم مکلف نہ اس کے علم کا کوئی ذریعہ۔ بہرحال جس کیفیت کے ساتھ اور جس نوعیت کی بھی ہو قرآن مجید نے اسے بیان کردیا، اس لئے اس پر ایمان رکھنا واجب۔ گو ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے اور یہ بعض اگلوں سے منقول چلی آتی ہے کہ پہاڑوں کی یہ تسبیح نطق و صدا سے نہ تھی، بلکہ دلالت حال سے تھی ـــ حالانکہ دلالت حال تو ایک طبعی کیفیت کا نام ہے۔ اور ایک تاویل بعض ائمہ معتزلہ سے منسوب یہ چلی آرہی ہے کہ یسبحن مشتق ہے سباحۃ سے اور اس کے معنی چلنے کے ہیں، گویا پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے تھے۔

الجبال ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے حدود مملکت میں پہاڑی حصہ اچھا خاصہ شامل تھا ـــ ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ جبال سے مراد اہل جبال ہیں۔ اور یہ پہاڑی قومیں بھی آپ کے ساتھ ہی تسبیح الٰہی کرتی تھیں۔

سب سے آسان وبے تکلف تفسیر وہ ہے جو وہب تابعی سے منقول ہے کہ آپ اللہ کے ترانے گاتے ہوئے پہاڑوں سے گزرتے تھے، اور پہاڑ اپنی گونج سے گویا جوابی تسبیح خوانی کرتے تھے۔

قال وھب کان داؤد یمر بالجبال مسبحا والجبال تجاوبہ بالتسبیح۔ (قرطبی)

قیل کان یمر بالجبال مسبحا وھی تجاوبہ۔ (بحر)

اور اسی کو بڑی خوش اسلوبی سے ابن کثیر نے اپنا لیا ہے۔

وکان اذا ترنم بہ تقف الطیر فی الھواء فتجاوبہ وترد علیہ الجبال تاویبا۔ (ابن کثیر)

مع ۔ تسخیر سے مراد محض تبعیت واقتدائی التسبیح ہے نہ یہ کہ ان کے فرمانے سے تسبیح کرتے تھے گو ممکن یہ بھی ہے مگر محتاج دلیل ہے۔" (تھانوی)

یہ نکتہ اکثر مفسرین کی نظر سے اوجھل رہ گیا کہ مع داؤد ہے نہ کہ لداؤد۔

والطیر ۔ عطف الجبال پر ہے۔ یعنی پہاڑ ہی کی طرح پرندے بھی مسخر تھے۔ اور پرندوں کی تسخیر یہ ہے کہ جیسا ابن کثیر سے ابھی نقل ہوا ہے، آپ کے ترانوں کو سن کر یہ ہوا ہی میں رک جاتے۔

والطیر عطف علی الجبال (روح)

وذلک لطیب صوتہ بتلاوۃ کتابہ الزبور۔ (ابن کثیر)

(۳۳)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ

سورۃ احزاب مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہئے [۱] اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے [۲] بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے

[۱] (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہیں)

یہ حکم جب پیمبر کو مل رہا ہے، جس کی غفلت اور نڈری کا امکان ہی کیا ہے تو عام امتیوں کے لیے اس کی اشدیت ظاہر ہی ہے۔

جو اللہ سے ڈرے گا، وہ مخلوق کے ڈراوے دھمکیوں سے یقیناً بے نیاز و غیر متاثر رہے گا۔

یاأیها النبی ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم علم کے اس اسم وصفی سے مخاطب کرنا رسول کی عظمت واکرام کے اظہار کے لیے ہے۔

ناداه جلّ وعلا بوصفه علیه الصلاة والسلام دون اسمه تعظیماً له وتفخیماً.

(روح،ج۲۱/ص:۱٤۲)

جعل نداءه بالنبیّ والرسول کرامةً له وتشریفاً. (کشاف،ج۳/ص:۵۰۳)

إنّما لم یقل یامحمد کما قال: یا آدم، یا موسیٰ تشریفاً له وتنویهاً بفضله.

(مدارك،ص:۹۳۰)

[۲] (جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا ہے)

کافر تو دین کے خلاف مشورے کھلم کھلا دیتے ہی رہتے تھے، اور منافقین در پردہ انھی کے ہم

حَكِيْمًا ﴿١﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بڑا حکمت والا ہے ۳ اور آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجئے، بے شک تم لوگ جو کچھ کرتے رہتے

خَبِيْرًا ﴿٢﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٣﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ

ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ۴ اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کارسازی کے لیے کافی ہے ۵ اللہ نے کسی مرد کے

رائے ہو جاتے تھے --- اصطلاح فرقان میں الکافرین کھلے ہوئے کافروں کے لیے آتا ہے اور المنافقین چھپے ہوئے کافروں کے لیے۔ عقائد کفر کے لحاظ سے دونوں یکساں و ہم سطح --- پیمبر بہر حال بشر ہی ہوتا ہے، اور طبع بشر میں جور، رجحانات اور میلانات ہوتے ہیں، ان کے بارے میں احتیاطی احکام اس کے لیے بھی ضروری ہوتے ہیں --- فرشتوں میں چونکہ نفس نہیں ہوتا، اور خیر و شر کے درمیان انتخاب کی آزادی انھیں دی ہی نہیں گئی ہے، اس لیے ایسے احکام اور ایسی تاکیدیں ان کے لیے غیر ضروری ہیں۔

آیت سے یہ بھی نکل آیا کہ تقویٰ الٰہی اور کفر و نفاق سے ہم آہنگی کے درمیان تضاد ہے۔

۳ اور اس لیے اس کا ہر حکم حکمتوں اور مصلحتوں ہی پر شامل ہوتا ہے۔ کسی انسان کا یہ مشورہ دینا کہ فلاں حکم الٰہی خلاف مصلحت ہے، خود اپنے جہل و سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ اللہ کا علم بھی کامل، اللہ کی حکمت بھی کامل، اس لیے اس کے کسی حکم، کسی قول میں غلطی کا امکان ہی نہیں۔

۴ (اس لیے پیغمبر کی مخالفت و مزاحمت میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں، خبردار رہیں کہ سب اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے)

واتبع ...... من ربك۔ یعنی نص کے موجود ہونے پر نہ خود رائی سے کام لیجئے، نہ کسی اور کے مشوروں پر کان دھریئے۔ حکم دونوں صورتوں کا جامع ہے، اور خطاب نبی اور امت دونوں سے ہے۔

وفيه دليل على ترك اتباع الآراء مع وجود النص، والخطاب له ولأمته. (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۱۱۵)

بما تعملون۔ سارے مخاطبین مراد ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کامل کسی حال میں بھی ایسے مقام پر نہیں پہنچ سکتا کہ تکلیفات شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۸۹)

۵ یہاں یہ بتا دیا کہ کافر ہو یا منافق، کسی کی بھی پیمبر سے تدبیر مخالفت اللہ کے

مِنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـىِٔۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ

سینے میں دو دل نہیں بنائے ہیں ۶ اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو، تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے،

وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ

اور نہ تمہارے منھ بولے بیٹوں کو تمہارا (واقعی) بیٹا بنا دیا، یہ صرف تمہارے منھ سے کہنے کی بات ہے ۷ اور اللہ حق بات کہتا ہے

مقابلے میں چل نہیں سکتی۔

شریعت نے جس توکل کا حکم دیا ہے، وہ ذاتی سعی و جہد کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس میں معین ہے، مراد صرف یہ ہے کہ اسباب ظاہری کی رعایت کے ساتھ اعتماد اسباب ظاہری پر نہیں، بلکہ مسبب الاسباب اور مؤثر حقیقی پر رکھے۔

۶ عرف عام میں یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کے ایک نہیں دو زبانیں ہیں، تو اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ واقعۃً اس کے منہ کے جوف کے اندر دو زبانیں ہیں، اسی طرح زبان کے اس مجاز و استعارے کا کہ فلاں کا دل ایک نہیں دو ہیں، یہ مطلب کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ اس کے جوف صدر کے اندر دو مضغۂ گوشت قلب کے نام سے موجود ہیں --- اسی طرح کسی کو مجازاً بیٹا کہہ دینے یا سمجھ لینے سے یہ کیوں لازم آجائے کہ اس کے حقوق بھی صلبی بیٹوں کی ہی طرح قائم ہو جائیں۔

آیت میں کوئی مسئلہ تشریح الابدان (اناٹومی) کا نہیں بیان ہو رہا ہے، صرف یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ زبان میں جو مجاز مستعمل رہتے ہیں، انھیں لفظی معنی میں واقعیت پر مبنی سمجھنے لگنا، جہل و نادانی ہے --- اس لیے اگر واقعی کہیں کسی انسان کے سینے میں دو قلب نکل آئیں، تو یہ کسی قرآنی بیان کے بھی معارض نہ ہوگا۔ قرآن ول تو کلیہ نہیں، اکثریہ بیان کر رہا ہے، اور وہ بھی تشریح جسمانی سے ہٹ کر ایک بالکل دوسرے سیاق میں۔

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے صوفیہ کے اس قول کی اصل نکل آئی کہ نفس ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں کرتا، یہ بھی فرمایا کہ اس سے اس شخص کا کذب ظاہر ہو گیا، جو تسبیح پھراتا جاتا ہے اور باتیں کرتا جاتا ہے، اور دعوی کرتا ہے کہ میں عین گفتگو کے وقت بھی ذکر میں مشغول رہتا ہوں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۸۹)

۷ (یہ واقعہ کے مطابق نہیں، بلکہ خلاف واقعہ ہے)

تظهرون منهن ۔ظہار اسے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کی مثال اپنے ماں کے کسی عضو مستور سے دے دی جائے، مثلاً یہ کہ تو میرے لیے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت، أنتِ عليّ كظهر أمي.

بس ایسے فقرے بول کر مرد اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا۔

وماجعل أدعياء كم أبناء كم۔ ہر جاہلی قوم کی طرح عرب جاہلی بھی طرح طرح کی وہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں ان کی خانگی زندگی سے متعلق دو ریت رسموں کا ذکر ہے: ایک یہ کہ وہ منھ بولے لڑکے یا لے پالک (متبنیٰ) کو اپنے حقیقی یا صلبی فرزند کی طرح سمجھنے لگتے، اور اس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح میں ان کے یہاں ایسی ہی بدنامی ہوتی، جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے میں۔ تبنیت کی یہ اہمیت کیتھولک مسیحیوں اور ہندوؤں میں بھی مشترک ہے۔ اسلام نے اس رسم پر ضرب لگائی، اور بتایا کہ متبنیٰ کی بیوی کو صلبی بیٹے کی بیوی پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں اور نہ اس سے نکاح کرنا کسی طرح موجب طعن ---- عرب میں یہ رسم اس درجہ پھیل چکی تھی، اور اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی تھیں کہ اس قوم کی اصلاح کے لیے اس کی بیخ کنی ضروری ہو گئی تھی، اور یہ لازم ہو گیا تھا کہ مصلح امت، اصلاح کا عملی قدم اپنی ذات خاص سے اٹھائے۔

وماجعل .... أمهتكم۔ دوسرا رواج یہ تھا کہ بیوی کو اشارہ و کنایہ میں ماں کہہ دیتے، اور اتنی سی بنا پر اسے اپنے نکاح سے خارج سمجھنے لگتے، اس کے حقوق زوجیت ذرا بھی نہ ادا کرتے، لیکن ساتھ ہی اسے اپنے سے جدا اور آزاد بھی نہ کرتے کہ وہ جس سے چاہے دوسرا نکاح کر لے، قید میں اپنے پہلے شوہر ہی کے بدستور رہتی، گویا ایک ہی وقت میں مطلقہ بھی اور معلقہ بھی۔ اسلام نے آکر اس ظالمانہ دستور کا بھی خاتمہ کیا، اور بتایا کہ کوئی بیاہتا بیوی اس قسم کے فقروں سے ماں نہیں بن جایا کرتی۔

كانوا يظاهرون من نسائهم فيقولون أنت عليّ كظهر أمي، فأخبر الله تعالىٰ انها لاتصير بمنزلة أمه في التحريم. (جصاص، ج۳/ص: ۳۵۴)

بأفواهكم میں اشارہ ہے کہ تم صرف زبان سے یہ کہہ رہے ہو، ورنہ دل تمہارے بھی اس پر نہیں جمتے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ کلام انسانی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ کلام جو دل سے نکلے۔ دوسرے وہ جنھیں انسان محض زبان سے بک دے، ایسے خرافاتی اقوال کے موقع پر قرآن بھی یہی

الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ اُدْعُوهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ج

اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔ انھیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے ۸

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ط وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (آخر) وہ تمہارے دین کے بھائی تو ہیں ہی اور تمہارے دوست ۹ تمہارے اوپر اس کا

لفظ لاتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ مسیحیوں کے قول مسیح کی ابن اللہیت سے متعلق ہے:

قالت النصارىٰ المسيح ابن الله ذلك قولهم بأفواههم. (کبیر، ج ۲۵/ص:۱٦٧)

يعني أنه لا حكم له وإنما هو قول لا معنى له ولا حقيقة. (حصاص، ج ۳/ص: ۳٥٤)

۸ چنانچہ اسی آیت کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام جنھیں اب تک عرب اپنے مذاق ومحاورے کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت ورحمت دیکھ کر زید بن محمدؐ کہتے تھے، اب زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔

عرب جاہلیت میں دو رواج چل رہے تھے، دونوں کی تردید آیت میں آگئی۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ کسی کی حقیقی ماں دو نہیں ہوسکتیں، ایک ہی ہوگی، اس لیے بیوی یا کسی اور کو ماں کہہ دینے سے اس سے حرمت نکاح وغیرہ لازم نہیں آئے گی، اور اسی طرح حقیقی بیٹا دو مایوں کا نہیں ہوسکتا، باپ تو اس کا ایک ہی رہے گا، کوئی دوسرا اگر اسے زبان سے بیٹا کہہ دے تو اس سے حقیقی حقوق فرزندی وغیرہ ہرگز لازم نہیں آئیں گے--- اور ان دو جاہلی رواجوں کے ابطال کے ساتھ ہی ایسی رسم کا بھی بطلان کردیا کہ کسی کے دل دو بھی ہوتے ہیں، جیسا کہ یہ وہم بھی عرب جاہلی میں پھیلا ہوا تھا۔

ھو یھدی السبیل ۔ وہی سیدھا راستہ دکھاتا اور ہر جہل سے نکالتا ہے--- اور اس ہدایت سبیل کے تحت میں ہر قسم کی عملی، اخلاقی ہدایتیں آگئیں۔

۹ (تو انھیں پکارنے کے لیے یا ان کے تعارف کے واسطے یہ بھائی اور دوست کے رشتے کیا کچھ کم ہیں؟)

جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ

کوئی گناہ نہیں جو تم سے بھول چوک ہوجائے، ہاں (گناہ تو اس پر ہے) جو تم دل سے ارادہ کر کے کہو،

وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ ٱلنَّبِىُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۰ نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ

اخوانکم فی الدین ۔یعنی وہ تمہارے بھائی دینی اعتبار سے ہوں گے، نسبی حیثیت سے نہیں کہ میراث وغیرہ جاری ہو سکے۔

یہ دینی برادری کا حکم اسلام میں عام ہے چھوٹا بڑا اہر نو مسلم بھی اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی سے بھائی کا رشتہ لے لینے میں مضائقہ نہیں، لیکن باپ کا رشتہ لینے میں تاوقتیکہ نسب ہی مقصود نہ ہو، مضائقہ ہے۔

فیہ اباحۃ اطلاق اسم الاخوۃ وحظر اطلاق اسم الأبوۃ من غیر جھۃ النسب.

(جصاص، ج ۳/ص: ۳۵٤)

فإن لم تعلموا آباء ھم ۔فقہاء نے بہ اقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو چھوٹا بچہ پڑا ملے یا دارالاسلام میں اسیر ہو کر آ جائے وہ مومن سمجھا جائے گا۔

۱۰ (اس لیے اگر ایسا قصداً کہہ ڈالنے کے بعد بھی استغفار کرلو، تو وہ غفور معاف کردے گا، اور وہ رحیم اپنی شفقت برقرار رکھے گا۔

ممانعت کسی کو متبنّٰی بنانے اور کہنے کی صرف ان اثراتِ مخصوص کے لحاظ سے ہے جو جاہلیت میں مرتب ہوتے تھے۔ باقی اگر کسی کو محض مجازاً و شفقۃً بیٹا کہا جائے، یا جاہلیت کے آثار مخصوصہ کے ترتب کے بغیر کسی کو فرزندی میں لے لیا، اور اسے جائداد بھی ساری کی ساری بطور ہبہ دے دی جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔

وأما ما رسمہ أھل زماننا حیث یقیمون شخصا مقامھم ویعطونہ مالا ویجعلونہ وارثاً فلیس ذلك بطریق الارث حقیقۃً بل بطریق الھبۃ وھو مشروع جداً.

(احمدی، ص: ٦١٢)

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ

تعلق رکھتے ہیں ۱۱ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں ۱۲ اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں

ماتعمدت قلوبکم۔ کے تحت میں فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ نامحرم سے گفتگو کرنے میں نیت فاسد رکھنا یا اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا یہ سب داخل معصیت ہے۔

۱۱ کیا انتہا ہے اس شفقت وتعلق کی جو ہمارے نبی کو اپنی تمام امت کے ساتھ ہے! انسان خود اپنا دشمن و بدخواہ تو ہو بھی سکتا ہے، اور بعض اوقات جہل وغباوت کی بنا پر ہو بھی جاتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو جن پر خفی سے خفی مصالح ومنافع روشن ہیں کسی حال میں بھی بدخواہی کا امکان نہیں۔

فإنه لا يأمرهم ولا يرضىٰ منهم إلا بما فيه صلاحهم ونجاحهم بخلاف النفس فلذلك أطلق. (بيضاوى، ج٤/ص:١٥٨)

آیت سے ثابت ہے کہ آپ کی اطاعت مطلق، وتعظیم بدرجۂ کمال واجب ہے، اور اس کے اندر تمام احکام ومعاملات آگئے۔

أى أولى بهم فى الحكم عليهم ولزومهم اتباعه وطاعته (جصاص، ج٣/ص:٣٥٥)

۱۲ (وجوب تعظیم کے لحاظ سے)

"ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے، اور تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے، اس لیے تحریم بھی واقع ہوئی، قال تعالىٰ: ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبداً، اور بے حجابی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ احتجاب أقرب الى التعظيم ہے۔ اس لیے ان احکام یعنی جواز خلوت ونظر ومس وأمثالها میں اموميت ثابت نہیں" (تھانوی، ج۲/ص۲۸۹)

فيه وجهان أحدهما أنهنّ كأمهاتهم لهم فى وجوب الاجلال والتعظيم، والثانى تحريم نكاحهن، وليس المراد أنهم كالأمهات فى كل شيئ. (جصاص، ج٣/ص:٣٥٥)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ

بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے ۱۳؎ مگر ہاں تم اپنے دوستوں سے کچھ (سلوک) کرنا چاہو (تو وہ جائز ہے) ۱۴؎ یہ بات

فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ

نوشتہ (الٰہی) میں لکھی جا چکی تھی ۱۵؎ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے (اپنے تمام) پیمبروں سے ان کا اقرار لیا ۱۶؎ اور آپ سے بھی

أی فی التحریم واستحقاق التعظیم لافی ماعداه. (احمدی، ص:٦١٤)

أی أمهات المؤمنین فی تعظیم حقهن وتحریم نکاحهن علی التأبید، لا فی النظر إلیهن والخلوة بهن. (معالم، ج٣/ص:٦٠٩)

۱۳؎ (باعتبار ترکہ و میراث کے)

أولو الأرحام۔ یعنی وہ رشتہ دار جس سے خون ملا ہو۔

فی کتاب اللہ۔ یعنی شریعتِ الٰہی میں۔

فی مافرض اللہ (بیضاوی، ج٤/ص:١٥٩)

أی فی حکم اللہ (ابن کثیر، ج٣/ص:٤٣٧)

۱۴؎ یعنی اصل میراث میں تو حق متوفی کے عزیزوں ہی کا ہوتا ہے اور عامہ مہاجرین و مومنین کو جو اس میں حق دار بنا دیا گیا تھا وہ انتظام عارضی تھا۔ ہاں ان کے ساتھ کوئی حسنِ سلوک کرنا چاہے تو وصیت جو حق دار کے ایک ثلث پر جاری ہو سکتی ہے، اس میں گنجایش اب بھی باقی ہے۔

۱۵؎ (کہ شریعت اسلامی میں قانونِ میراث، عزیزوں ہی سے متعلق ہوگا)

فی الکتب۔ کتب سے مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔

أی فی اللوح المحفوظ. (ابن جریر، ج٢٠/ص:٢١٢)

أی فی اللوح (بیضاوی، ج٤/ص:١٥٩)

۱۶؎ (احکام کے اتباع و تبلیغ کا)

میثاق انبیاء پر حاشیہ سورۂ آل عمران، آیت ۸۰ پر گزر چکا۔

وَمِنْ نُّوحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ

اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

پختہ اقرار لیا ١٧ تاکہ ان سچوں سے ان کے سچ کی بابت سوال کرے ١٨ اور کافروں کے لیے اللہ نے

١٧ ان انبیاء کے ناموں کی تخصیص کی وجہ عجب نہیں کہ یہ ہو کہ یہ صاحب شریعت انبیاء تھے واللہ اعلم۔ ان سب انبیاء پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

عیسی بن مریم۔ یہ آخر کیا بات ہے کہ اور کسی نبی کے ساتھ، قرآن مجید ولدیت کا ذکر نہیں کرتا، لیکن حضرت عیسیٰ یا المسیح کے نام کے ساتھ اس کثرت سے ان کی والدہ کا نام بھی لے آتا ہے؟ یہ اگر (جیسا کہ امام رازیؒ نے بھی اس مقام پر لکھا ہے) ان کی بے باپ کی پیدائش کی طرف اشارہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اسی لیے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ قرآن مجید نے اگرچہ حضرت مسیحؑ کے بن باپ ہونے کی صراحت نہیں کی ہے، لیکن قرائن و اشارات سے قریب بصراحت پہنچا دیا ہے۔

غلیظاً...... لفظ میثاق کے ساتھ غلیظ کے اضافے سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ عہد و پیمان کو حلف یا دوسرے قیود کے ساتھ مؤکد کرنا اولیٰ ہے۔

١٨ (قیامت کے دن)

الصادقین۔ سچوں سے یعنی انبیاء و مرسلین سے۔

المبلغين المؤدين من الرسل. (ابن جرير، ج ٢٠/ص: ٢١٤)

المراد بالصادقين النبيون الذين أخذ ميثاقهم. (روح، ج ٢١/ص: ١٥٥)

لفظ الصادقین لا کر یہ خود بتا دیا کہ انبیاء نے اپنا عہد پورا کیا، اور اپنے اقرار میں سچے تھے۔

لیسئل۔ میں ل۔ کَیْ کے مرادف ہے۔

صدقھم۔ یعنی تبلیغ رسالت کے باب میں۔

أي عن تبليغهم الرسالة (معالم، ج ٣/ص: ٦١١)

اور بھی معنی لیے گئے ہیں، لیکن حاصل سب کا یہی ہے۔

عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۸﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ۱۹ اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا

جب تم پر (کئی کئی) لشکر چڑھ آئے ۲۰ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی

۱۹ (قیامت کے دن)

الکافرین۔ اس کے عموم میں ہر قسم ونوع کے لوگ آ گئے، جو صاحب وحی کی اتباع سے منکر ہیں۔

الیما۔ عذاب الٰہی یوں ہی کم کیا ہے، چہ جائے کہ صفت ''دردناک'' کے ساتھ متصف ہو!

۲۰ (یعنی قریش مکہ کا لشکر، قبیلۂ غطفان اور بنی اسد و بنی عامر وغیرہ کے لشکر اور یہود بنی قریظہ کے لشکر)

شوال ۵ھ مطابق اپریل ۶۲۷ء کا واقعہ ہے کہ اسلام کے مخالفین نے ایکا کر کے مدینہ پر دھاوا بول دیا، اور شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تاریخ میں اس کا نام جنگ احزاب ہے۔ چار ہزار کی تعداد میں تو قریش ہی کا لشکر تھا، جس میں تین سو سوار، اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے، مجموعی تعداد ان لشکروں کی کم از کم سات ہزار کی تھی۔ بعض تخمینے دس اور بارہ ہزار، بلکہ بعض پندرہ ہزار کے بھی ہیں، افسر اعلیٰ صخر بن حرب قریشی اموی تھا، جس کا مشہور نام ابوسفیان ہے، اور جو جنگ احد میں مشرکین مکہ کے کماندار کی حیثیت سے سامنے آ چکا تھا، اور اب مکہ کے سرداروں میں شاید سب سے زیادہ معمر و تجربہ کار وہی تھا، عرب نے اتنی بڑی فوج کشی کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار کی تھی، حضرت سلمان فارسی صحابیؓ کے مشورے پر لشکر اسلام کے سالار اعظم ؐ نے خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ شہر کے گرد، جس جس رخ سے دشمن کا داخلہ ممکن ہے، خندق کھود دی جائے۔ چنانچہ شہر کے شمال اور کسی قدر غربی رخ پر بھی ایک خندق تقریباً ساڑھے تین میل لمبی کھود دی گئی، اور یہ کام تین ہزار رضا کاروں کی دس دس کی ٹولیوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی اسی بنا پر کہتے ہیں ـــــ عرب کے لیے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی، اور قریش اس پر دنگ رہ گئے۔

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ

اور ایسے لشکر جو تم کو دکھائی نہیں دیتے ۲۱

محاصرہ طول کھینچتا گیا، یہاں تک کہ شوال ختم ہونے پر آ گیا، اور ذی قعدہ شروع ہونے لگا، جسے قبائل عرب صلح و امن کا مہینہ مانتے تھے، اور اس درمیان میں خود سپہ سالار اسلامؐ ہی کے حسن تدبیر سے دشمن حلیفوں میں آپس میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ سردار ابوسفیان بددل ہو ہی چلا تھا کہ حکم قضا سے ایک روز ایک طوفان آندھی اور بارش کا، زور شور کا آیا، اور اس کی پوری زد لشکر کفار پر پڑی، خیمے اکھڑ گئے، برتن لڑھک گئے، روشنیاں بجھ گئیں، غرض ابتری ہر طرح پھیل گئی۔ قریش کا لیڈر اس غیبی گولے کی تاب اور بھی نہ لا سکا، میدانِ جنگ چھوڑ چل دیا، اور پھر اور سارے لیڈر بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، یوں بھی شوال کا مہینہ ختم ہو کر اب ذی قعدہ شروع ہونے کو تھا، اور قریش اس مقدس مہینے (شہر حرام) میں لڑنے سے جی چرا رہے تھے۔

مؤرخ غزوات نبی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی ثم فرانسوی کا بیان ہے کہ یہ جنگ یہودیوں کی تحریک پر شروع ہوئی تھی، اور اس کے لیے مخالفین نے تیاریاں دو برس تک پوری مستعدی سے کی تھیں، یہ خندق گہری اور چوڑی کتنی تھی اس کے جواب میں ڈاکٹر موصوف نے قرائن کی بنا پر لکھتے ہیں کہ "کوئی تعجب نہیں جو ۰ اگز چوڑی اور اتنی ہی گہری خندق کھودی گئی ہو"۔ "یہ کھدائی بعض بیانوں کے مطابق کوئی تین ہفتے جاری رہی.......... شہر کے مغرب میں بھی کوئی دو ڈھائی میل کی خندق کھد گئی، اس کے علاوہ بعض آطام کے گرد خندق کھود لی گئی"۔ (عہد نبوی کے میدان جنگ، ص: ۶۱ تا ۷۱ ملخصاً)

۲۱ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کے الفاظ ہیں:۔

محاصرے کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے، دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آ گیا، خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں، کھانے کے دیگچے چولہوں پر الٹ الٹ جاتے تھے، اس واقعے نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ (سیرۃ النبی، ج ۱/ص: ۴۴۵)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ

اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا ۲۲ جب کہ وہ لوگ تم پر آچڑھے تھے، تمہارے اوپر کی طرف سے بھی

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ

اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی ۲۳ اور جب کہ آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے ۲۴ اور تم لوگ اللہ کے ساتھ

جنودا لم تروھا۔ مراد فرشتوں کی فوج ہے۔

وھم الملائکۃ۔ (ابن کثیر، ج ۳/ص: ۴۳۹۔ معالم، ج ۳/ص: ۶۱۱)

بعض صحابہ (مثلاً حضرت حذیفہؓ) کا جو فرشتوں کو دیکھنا حدیث میں مروی ہے یہ لم تروھا کے منافی نہیں۔ لم تروھا سے مراد صرف اس قدر ہے کہ فرشتے عام طور پر غیر مرئی تھے۔ بطور کرامت وخرق عادت کسی خاص صحابی پر ان کا مکشوف ہو جانا اس عام قاعدہ عدم مرئیت کے معارض نہیں۔

۲۲ (خصوصاً تمہاری ہمت، ثبات واستقلال، مستعدی، کارگزاری کو)

قرآن مجید کے ایسے ٹکڑوں سے معاصر مومنین کی جیسی ہمت افزائی ہوتی تھی، ظاہر ہے۔

۲۳ یعنی کچھ فوجیں آکر وادی مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ انداز ہوگئی تھیں، اور کچھ بالائی حصہ میں، مدینہ کی شرقی سمت اونچی ہے اور غربی سمت نیچی، قبیلۂ بنی اسد، اور قبیلۂ غطفان کا لشکر سمت مشرق سے آیا تھا، اور قریش وبنی کنانہ کی فوجیں سمت مغرب سے۔

۲۴ (مارے دہشت وہیبت کے)

محاصرۂ جنگ کی شدت کا بیان ہو رہا ہے۔ آنکھیں پھٹی رہ جانا، اور کلیجہ منہ کو آنے لگنا، انتہائی خوف ودہشت کی علامتیں ہیں۔

بلغت القلوب الحناجر۔ کے لفظی معنی مراد نہیں، مقصود عربی محاورے کے مطابق شدت خوف کو بیان کرنا ہے۔ ایسے محاورے ہر زبانوں میں عام ہیں۔

أی حافت خوفا شدیداً وفزعت فزعاً عظیماً ... فالکلام علی المبالغۃ. (روح ۱۵۷/۲۱)

کنایۃ عن غایۃ الشدۃ. (کبیر، ۱۷۲/۲۵)

تاریخ کا بیان ہے کہ کافروں کی یورش اب کی معمولی نہ تھی، بلکہ ان کا حملہ کیفیت اور کمیت، کثرت تعداد اور ساز وسامان ہر لحاظ سے غیر معمولی تھا، چار ہزار کی تعداد میں تو اکیلا لشکر قریش ہی تھا، ابوسفیان کی کمانداری میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے، مدینہ سے جو یہود جلاوطن ہو چکے تھے ان کے سرداروں نے پروپیگنڈہ میں اب کی نمایاں حصہ لیا، ایک ایک کو خوب اُکسایا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کر ڈالنے کا یہ بہترین موقع ہے، قبیلہ بنی غطفان جو لڑنے بھڑنے میں مشہور تھا، راستے سے وہ بھی ساتھ ہولیا، پھر جب قافلہ مرّ الظہر ان پہنچا تو قبیلہ بنی سُلیم بھی آ کر مل گیا، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے، بنی اسد، فزارہ، اشجع، بنو مرہ بھی آ آ کر شامل ہوتے گئے، چنانچہ سارے کافروں کی تعداد دس ہزار منقول ہے۔ ایک بڑے مخلص و جہاں دیدہ صحابی، سلمان فارسیؓ کی رائے مشورے سے یہ قرار پایا کہ حفاظت شہر کے لیے ارد گرد ایک خندق کھودی جائے، چنانچہ شہر کے پورب میں جو کوہ سلع واقع تھا، اس کے آگے یہ کھدائی شروع ہوئی، لیکن اس وقت سفر مینا کی کوئی پلٹنیں کہاں تھیں، جو کھدائی کا کام کرتی، اور نہ مزدوروں اور غلاموں کی ٹولیاں موجود تھیں، اور نہ رسد کا کوئی محکمہ قائم تھا، سارا کام خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر المومنین کے اور جانباز صحابیوں نے شروع کیا، کام کی وسعت و عظمت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ نصف دائرے کی شکل میں یہ خندق کھودنا پڑی، اس کا طول تقریباً ساڑھے تین میل کا تھا، اور گہرائی ۱۵ فٹ کی، اور چوڑائی ۳۰ فٹ کی۔ اس کھدائی کا کام دنوں کا نہیں، ہفتوں کا تھا، چنانچہ روایتوں میں کھدائی کی مدت پندرہ دن سے لے کر ایک مہینے تک کی آئی ہے، اور راشن کی نایابی کا یہ عالم تھا کہ غذا دن میں کئی بار تو کیا آتی، بعض دفعہ مسلسل تین تین دن کا فاقہ ہو جاتا تھا، اور رسول خدا کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے، کھدائی کے ساتھ ساتھ مٹی بھی اپنے سروں پر خود ہی سب کو ڈھونا تھی۔ مسلمان لشکریوں کی کل تعداد تین ہزار تھی۔

کافروں کا ایک لشکر اگر ایک طرف سے آیا، تو دوسرا دوسری طرف سے، بچوں اور عورتوں کو حفاظت کے خیال سے بلند مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا، اور گھڑی گھڑی یہ خبریں آ رہی تھیں کہ جو قبیلے اب تک مسلمانوں کے حلیف تھے، وہ بھی معاہدہ توڑ کر بدعہدی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ غرض مسلمانوں پر عجیب افراتفری کا عالم طاری تھا، اور یہ بالکل قدرتی تھا کہ اچھے اچھوں کے اوسان خطا ہو جائیں۔

بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ۝ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۝

طرح طرح کے گمان کررہے تھے ۲۵ اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا اور وہ سخت زلزلے میں ڈالے گئے

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ

اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے، یوں کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ

وَرَسُوْلُہٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے ہی کا وعدہ کررکھا ہے ۲۶

۲۵ اور موقع شدت پر وسوسوں کا طبعی طور پر پیدا ہونا ایمان کیا معنی کمال ایمان کے بھی منافی نہیں۔۔۔ موقع تھا ہی ایسا سخت کہ ہراس و دہشت زدگی بالکل قدرتی تھی۔

۲۶ اہل ایمان کی پختگی واستقامت کی یہ پوری اور سخت آزمائش تھی۔ سردی خوب پڑرہی تھی، غلہ کی گرانی وکمیابی تھی، صحابہ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ اس پر بھی ہمت واستقلال کا یہ عالم تھا کہ سنگلاخ زمین کی کھدائی بغیر کسی ''سفرمینا'' کی پلٹن کے، بغیر (Sappers and Miners) کے کسی دستے کے بغیر انجینیروں اور شہریوں کی مدد کے اپنے ہاتھ سے جاری تھی۔

ظاہری مغلوبیت و بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک میں کدال لے کر ایک پتھر پر جو ضرب لگائی تو آگ کے شرارے پیدا ہوئے، اور ایسا تین بار ہر ہر ضرب پر ہوا۔ اس روشنی میں آپ کی نگاہ کشفی کو ایران اور شام اور یمن کے محل دکھائے گئے، اور آپ نے اپنے رفیقوں کو بشارت دی کہ یہ سب ملک میری امت کو دے دیے گئے ہیں، کچے اور کمزور ایمان والے تو دودلے ہو ہی رہے تھے اور اپنی جان کی خیر منارہے تھے، منافقین نے طنز واستہزاء سے کہنا شروع کیا کہ ''یہ لیجیے حالت تو یہ ہورہی ہے، اور خواب دیکھ رہے ہیں ایران وروم کے شاہی محلوں کے''۔

ھنالک ابتلی الخ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بلاؤں کا پیش آنا اور انھی میں قبض وغیرہ

وَإِذْ قَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ج

اور یہ (اس وقت ہوا) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا ۲۷ اے یثرب کے لوگو! تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں، سو (اپنے گھروں کو) واپس جاؤ ۲۸

وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ

اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں،

إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا

یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں ۲۹ اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر کافروں کا) آگھسے

مکروہات باطنی بھی داخل ہیں، کبھی امتحان صدق کے لیے بھی ہوتا ہے۔ بس سالک کو چاہیے کہ ان حالات میں صبر سے کام لے، اور طاعت پر جما رہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص ۲۹۵)

۲۷ یعنی جب انھی منافقین میں سے بعض لوگوں نے دوسروں کو مخاطب کر کے جنگ کے مورچوں پر کہا۔

منهم ۔ ضمیر انھی لوگوں کی طرف ہے، جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے، المنافقون والذين في قلوبهم مرض۔

۲۸ (کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے)

یثرب ۔ مدینہ کا پرانا نام ہے، مدینة النبی تو ہجرت نبوی کے بعد نام پڑا۔ ملاحظہ ہو لفظ "مدینہ" کے حاشیے۔

۲۹ بعض کچ دلے اور منافق، سالار اعظم کی خدمت میں آکر طرح طرح کے بہانے تراشتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ آئے، اور صرف عورتیں بچے ہیں، چوروں، ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ یہ عذرات ان کے گڑھے ہوئے ہیں، ان کے گھر خود ان کے خیال میں بھی غیر محفوظ نہیں، اور نہ ان کی جانے سے یہ نیت ہے کہ انتظام کر کے پھر چلے آئیں گے۔ یہ تو بس جنگ سے بھاگنا ہی چاہتے ہیں۔

عورة ۔ یہاں ذات عورة کے معنی میں ہے، یعنی شگاف زدہ جس کے اندر داخلہ ممکن ہو۔

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوْا

پھران سے فساد کی درخواست کی جائے ۳۰ تو یہ اسے منظور کرلیں اور (ان گھروں میں) بس برائے نام ہی ٹھہریں، ۳۱ درآں حالیکہ

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

یہی لوگ پیشتر اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے ۳۲ اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے

والعورة: ذات العورة. (کشاف، ج۳/ص:۵۱۲)

أی متخرِّقة ممكنة لمن أرادها (راغب، ص:۲۸٤)

وماهی بعورة۔ قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے، اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔ مثلاً وماهم بمؤمنين (ان میں ایمان ذرا بھی نہیں) وماربك بظلام للعبيد (آپ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے)

۳۰ یعنی مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرائی، اور اس میں ان کی شرکت کی، یا کفر کی۔

أی الردة ومقاتلة المسلمين (بیضاوی، ج٤/ص:۱٦۰)

وهی الدخول فی الكفر (ابن کثیر، ج۳/ص:٤٤۲)

أی القتال كما قال الضحاك (روح، ج۲۱/ص:۱٦۱)

۳۱ مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں کافروں کا لشکر مدینہ میں داخل ہو جائے، اور ان منافقوں سے کہے، کہ آؤ، ہم تم مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں، تو یہ لوگ بلا تامل آمادہ ہو جائیں، مسلمانوں کی لوٹ مار پر اٹھ کھڑے ہوں، اور اس وقت ذرا نہ خیال کریں کہ آخر اب غیر محفوظ گھروں کی کون حفاظت کرے گا --- یہ سب ان کی انتہائی مذمت میں ارشاد ہو رہا ہے۔

وهذا ذمّ لهم فی غاية الذم (ابن کثیر، ج۳/ص:٤٤۲)

وما تلبثوا بها۔ ضمیر ھا بیوت کی طرف ہے۔

الضمير على كل تقدير للبيوت (روح، ج۲۱/ص:۱٦۱)

۳۲ بدر کے بعد جب بعض مخلص مسلمان حسرت کر رہے تھے کہ افسوس، ہم شرکت سے محروم رہ گئے، تو بعض منافقین بھی اس گفتگو میں شامل ہو گئے، اور کہنے لگے اب جو موقع آیا، تو ہم

مَسْـُٔوۡلًا ﴿۱۵﴾ قُلۡ لَّنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡفِرَارُ اِنۡ فَرَرۡتُمۡ مِّنَ الۡمَوۡتِ اَوِ الۡقَتۡلِ

اس کی باز پرس ہوگی ۳۳ؑ آپ کہہ دیجئے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا، اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۶﴾ قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَعۡصِمُكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ

اور اس سے تمتع بھی نہیں حاصل کر سکتے بجز چند روز کے ۳۴ؑ آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے

اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ رَحۡمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اگر (اللہ) تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا (اسے روک سکے جب) وہ تمہارے ساتھ فضل کرنا چاہے ۳۵ؑ اور وہ لوگ اللہ کے سوا

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ

نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار ۳۶ؑ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں

وَالۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ۚ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۸﴾

اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ ۳۷ؑ اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں

کسی سے پیچھے نہیں رہنے کے۔

۳۳ؑ قرآن مجید کا یہ ایک عام حکیمانہ اسلوب ہے کہ معین، مشخص واقعات کا ذکر کرتے کرتے عام اصول شریعت واخلاق بھی سنا دیتا ہے۔

۳۴ؑ اور اس چند روز سے مراد عمر مقدر کا بقیہ حصہ ہے کہ یہ جو تم بھاگے بھاگے پھرتے ہو، اس سے عمر مقدر تو بڑھ نہیں سکتی۔

اِذًا ۔ یعنی اگر فرار کر سکے تو بھی۔

اذًا المعنی لاتمتعون علی تقدیر الفرار الّا متاعاً قلیلاً۔ (روح، ج ۲۱/ص: ۱۶۶۲)

۳۵ؑ برائی مثلاً یہی کہ وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون تمہیں بچا سکتا ہے؟ فضل مثلاً یہ کہ وہ تمہیں زندہ رکھنا چاہے تو کون اس میں مانع ہو سکتا ہے۔

۳۶ؑ ولی یا حمایتی وہ جو نفع پہنچا سکے، نصیر یا مددگار وہ جو ضرر سے بچا سکے۔

۳۷ؑ (تو تمہاری جان بچ جائے گی اور تم چین اور سکھ سے زندگی بسر کر سکو گے)

اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ

تمہارے حق میں بخیل (ہوکر) ۳۸ پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں

كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ

چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے

حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ

طعنہ دیتے ہیں مال (غنیمت) پر حرص لیے ہوئے ۳۹ یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے، چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بے کار کر رکھے ہیں ۴۰

اخوانھم سے مراد وطنی یا قومی بھائی ہیں۔

اخوت کا اطلاق ہر صفت مشترک پر ہو جاتا ہے۔

والمراد بالاخوة التشارك فى الصفة......والصحبة والجوار وسكنى المدينة وعلى القول الثانى۔ (روح،ج ۲۱/ص:۱۶۳)

۳۸ یعنی یہ اپنی کم ہمتی اور ضعف ایمان کی بنا پر لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں، اور اگر محض نام کرنے کے لیے شریک ہو بھی گئے تو یہ انہیں گوارا نہیں ہوتا کہ مالِ غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔

أى بخلاء عليكم بالنفقة والنصرة على ماروى عن مجاهد وقتادة......وقيل بالغنيمة عند القسم۔ (روح،ج ۲۱/ص:۱۶٤)

عن قتادة أشحة عليكم فى الغنيمة. (ابن جرير،ج ۲۰/ص:۲۳۱)

۳۹ یعنی مال غنیمت لینے کی خاطر مسلمانوں سے دل خراش باتیں کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ ہماری ہی مدد سے تمہیں یہ فتح میسر ہوئی۔ آیت میں منافقوں کی بزدلی اور حرص دونوں کا پورا بیان آ گیا۔

الخیر۔ خیر۔ مراد یہاں مال ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد موقعوں پر بھی ہے۔

المال والغنيمة (مدارك،ص:۹۳۶)

قيل الخير المال. (كبير،ج ۲۵/ص:۱۷۵)

۴۰ یعنی ان میں ایمان تو پہلے ہی سے نہ تھا، اور اسی لیے تو ان کے کسی عمل اور ظاہری طاعت کا اجر نہیں۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ج

اور یہ بات اللہ کے لیے (بالکل) آسان ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر (ابھی تک) گئے نہیں ۴۱

وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ

اور اگر (یہ) لشکر آپڑیں تو یہ لوگ یہ چاہیں گے کاش! ہم دیہاتیوں کے (شہر سے) باہر جارہتے،

يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

(اور وہیں سے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے ۴۲ اور اگر تم ہی میں رہیں جب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لیے یعنی اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ

وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ لا

اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو ۴۳ اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا

لم یؤمنوا ۔ یہ منافق صرف زبان سے دعوائے اسلام کرتے تھے، حقیقۃً ایمان سے بالکل خالی تھے۔

۴۱ یہ ان کی بزدلی کی انتہا ہے کہ فوجیں چلی بھی گئیں، اور یہ اب تک ان کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔

۴۲ منافقوں کی انتہائی اور ضرب المثل بزدلی کا ایک اور نقشہ۔ ان میں ہمت اتنی بھی نہیں کہ ان جگر دوز معرکوں کے دیکھنے کی تاب بھی لاسکیں۔ چاہتے ہیں کہیں دور دیہات میں چلے جائیں اور وہیں سے بس خبریں سن لیا کریں۔

۴۳ (زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو میں، خصوصاً ثبات اور استقامت میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تو اور مومنین پر چھوٹے بڑے ہر امر میں واجب ہے، اور آپ کی زندگی انسان کے لیے انفرادی واجتماعی، خانگی وملی، معاشرتی واخلاقی، ہر ہر گوشے میں شمع ہدایت ہے، لیکن یہاں اشارہ خصوصی معرکۂ جنگ میں ثبات واستقامت سے متعلق ہے۔

قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز وَمَازَادَهُمْ

تو کہنے لگے یہی وہ (موقع) ہے جس کی ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی تھی، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور (اس سے)

اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج

ان کے ایمان وطاعت میں ترقی ہی ہوئی، اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے ۴۴

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ صلے

سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ اُن میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں ۴۵

فی رسول اللہ ۔ اس لفظ نے صاف کر دیا کہ یہ مقتدائی آپ کے رسول ہونے کے اعتبار سے ہوگی، آپ کے بشر ہونے یا عرب ہونے یا کسی اور وصف کے اعتبار سے نہیں۔

رسول اللہ میں لفظ اللہ سے یہ نکتہ پیدا کیا گیا ہے کہ رسول کے کمالات آپ کی ذات کی جانب نہیں، بلکہ براہ راست حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب ہیں۔

لمن............ کثیراً یعنی مومن کامل کے لیے۔

۴۴ ''مراد اِن معاہدین سے حضرت انس بن النضر اور ان کے رفقا ہیں، یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہونے پائے تھے، تو ان کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کے کوئی جہاد ہو، تو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جائے گی--- مطلب یہ تھا کہ منہ نہ موڑیں گے گو مارے جائیں''۔

ماعاھدوا اللّٰہ علیہ ۔ کو اگر وسیع و عام معنی میں لیا جائے تو اس میں وہ تمام امور آجائیں گے جنھیں ہم نے بہ ضمن ایمان اجمالاً اور قرآن و حدیث سے تفصیلاً قبول کیا ہے، اور اس معنی میں اس کی مصداق ساری امت محمدیؐ ہوگی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کاملین کے لیے کبھی امور مکروہہ بھی اور انھی میں قبض بھی شامل ہے، زیادتِ معارف کا سبب بن جاتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۹۵)

۴۵ (شوق کے ساتھ، اس نذر کے پورے ہونے کا)

وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ

اور انھوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا ۴۶ (یہ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو صلہ دے ان کی سچائی کا، اور منافقین کو

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

اگر چاہے سزا دے یا (چاہے تو) اُن کو توبہ کی توفیق دے دے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۴۷

وسیع معنی میں تمام زندہ مومنین صادقین اس میں داخل ہیں۔

من قضیٰ نحبہ۔ یعنی شہید ہو گئے اور آخر تک ثبات میں فرق نہ آنے دیا۔

نحب کے لفظی معنی نذر کے ہیں، اور قضی نحبہ کے معنی یہ ہے کہ اس نے اپنی نذر اتاری۔

النحب النذر المحكوم بوجوبه، يقال قضى فلان نحبه أى وفّى بنذره.

(راغب، ص:۵۳۹)

النحب: النذر والعهد. (قرطبی، ج۱۴/ص:۱۵۸)

کنایہ وفات پا جانے یا قتل ہو جانے، صحابیوں میں سے جنھوں نے یہ نذر مانی تھی کہ آیندہ جہاد میں اپنی جانیں تک پیش کر دیں گے، چنانچہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

ويعبر بذلك عمن مات. (راغب، ص:۵۳۹)

قال الحسن مات على ماعاهد عليه. (جصاص، ج۳/ص:۳۵۶)

أى قُتل وأصل النحب: النذر. (ابن قتيبة: غريب القرآن، ص:۲۹۹)

وقيل النحب الموت. (قرطبی، ج۱۴/ص:۱۹۰)

۴۶ (اپنے اس عزم راسخ میں، بلکہ اس پر بدستور ثابت ہیں)

تبدیلاً۔ میں تنوین تصغیر کے لیے ہے یعنی کسی نوع، کسی قسم کی ادنیٰ تبدیلی ان میں نہیں ہوئی۔

۴۷ (اور اس غفور و رحیم وسیع رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ منافقین کو مخلص بنا کر قابل مغفرت بنا دے)

اس میں ترغیب آ گئی توبہ و رجوع کی۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اللہ نے کافروں کو انہیں غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا ۴۸ اور جنگ میں اللہ اہل ایمان کے لیے

الصادقین۔ سے مراد ظاہر ہے کہ سچے مسلمان ہیں۔

لیجزی۔ ل تعلیل کا ہے۔

والظاهر اللام لتعليل (روح، ج ۲۱/ص: ۱۷۳)

لیجزی علیھم۔ آیت سے یہ ظاہر ہے کہ مومن صادق کی نجات یقینی ہے، بخلاف اس کے منافق کی سزا مشروط ہے مصلحت تکوینی کے ساتھ۔

أو یتوب علیهم۔ یعنی اگر اس کی مشیت یہی ہوئی تو منافقین کو بھی آخرت میں سزا نہ ملے گی، ان کی تعذیب و مغفرت دونوں حق تعالیٰ کی مشیت پر معلق ہیں۔

أى فلا يعذبهم بل يرحمهم سبحانه إن شاء وظاهره أن كلا من التعذيب والرحمة للمنافقين يوم القيامة ولو ماتوا على النفاق معلق بمشيئة تعالىٰ.
(روح، ج ۲۱/ص: ۱۷۲)

آیت، مسلک خارجیت قدیم و جدید دونوں کی تردید کے لیے بالکل کافی ہے۔ منافقین حقیقۃً کافر ہی ہوتے ہیں، ایمان رمق بھر بھی ان میں نہیں ہوتا، اس پر بھی حکم ان کے معذب ہونے کا قطعی طور پر نہیں صادر ہوتا، بلکہ ان کی مغفرت و مغفوریت کی بھی گنجایش رکھ لی جاتی ہے، اور اس پہلو کو زوردار بنانے کے لیے اعلان عام غفوریت و رحیمیت کا بھی ساتھ ساتھ کر دیا جاتا ہے ---- کہاں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ گنجایش اور وسعتیں، اور کہاں بعض نافہم بندوں کی یہ تنگیاں اور سختیاں کہ پختہ پختہ مسلمان بھی قابلِ نجات نہیں، اس لیے کہ ان سے فلاں فلاں لغزشیں بھی تو سرزد ہو چکی ہیں!

۴۸ (اور انہیں محاصرۂ مدینہ سے ناکام، ناشاد، نامراد واپس جانا پڑا)

خیراً۔ یعنی جو بھلائی ان کے خیال کے مطابق ہے، مراد فتح و کامیابی سے ہے۔

أى ظفراً وسمّاه خيراً بزعمهم. (مدارك، ص: ۹۳۸)

الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ

کافی ہوگیا ۴۹ اور اللہ تو ہے ہی بڑا قوت والا بڑا زبردست ۵۰ اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی

مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

(اللہ نے) انھیں ان کے قلعوں سے اتار دیا، اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب بٹھا دیا،

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ

(پھر) بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا ۵۱ اور تمہیں مالک بنادیا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا

۴۹ (کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے انہیں نجات دلادی)

جہاد فقہی واصطلاحی کے لیے قرآن مجید میں لفظ قتال آیا ہے۔

محمدؐ بن عبداللہ (روحی فداہ) جس طرح حالت امن میں بہترین مدبر و بہترین منتظم تھے، اسی طرح حالت جنگ میں بہترین جنرل بھی تھے۔ ترتیب صفوف، مورچہ بندی وغیرہ تمام مسائل فنِ حرب میں بے مثال بصیرت رکھنے والے، لیکن باوجود اس سب کے، قرآن مجید آپؐ کے لشکروں کے فتح وظفر کو آپؐ کے کمالات سپہ سالاری کی جانب نہیں، بلکہ اپنی ہی قدرت وحکمت کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے---اور قرآن کا مقصود ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں بندے کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ ہی سے جڑا رہے۔

۵۰ (اس کے لیے ایسا کر دینا مشکل ہی کیا تھا)

۵۱ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جو حوالی مدینہ میں اپنے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں اور گڑھیوں میں قلعہ بند رہا کرتے تھے، اور اس وقت تک مسلمانوں سے معاہدہ کیے ہوئے ان کے حلیف تھے، بعد کو عہد شکنی کر کے قتل واسارت دونوں کے مستحق قرار پائے۔ جنگ احزاب میں انھی نے پوری طرح ساتھ مشرک قبائل معاندین اسلام کا دیا تھا، بلکہ دراصل انھی نے انھیں جنگ پر آمادہ بھی کیا تھا---انجام قریظہ کی سرگذشت مورخ شبلی کے قلم سے سننے کے لائق ہے:

”قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت کی، اور شکست کھا کر ہٹ آئے، تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو ساتھ لائے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ

وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

اوران کے مال کا، اوراس زمین کا بھی جس پر تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے ۵۲ع اور اللہ تو ہر چیز پر

کیا جائے۔ آنحضرتؐ نے احزاب سے فارغ ہوکر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔ قریظہ اگر صلح وآشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انھوں نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں۔ غرض ان کا محاصرہ کرلیا گیا اور تقریباً ایک مہینے کا محاصرہ رہا، بالآخر انھوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے''۔ (سیرۃ النبی، ج ۱/ص: ۲۴۸)

حضرت سعد بن معاذؓ اوران کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرتؐ نے ان کی درخواست منظور کی۔

اورانہوں نے خود توریت (استثناء، ۲۰: ۱۰) کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کردیے جائیں، اوران کی عورتیں اور بچے اسیر ہوکر آئیں۔

صیاصیهم۔ یعنی ان کے مضبوط مضبوط قلعے اور گڑھیاں۔

قیل فی الصیاصی انها الحصون التی کانوا یمتـ ـون بها (حصاص، ج ۳/ ص: ۳۵۶)

دوسرے یہود مدینہ کی طرح بنی قریظہ کو بھی بڑا ناز اپنی قلعہ بندی پر تھا۔

۵۲ یعنی ابھی تم ان مقامات تک پہنچے نہیں ہو، لیکن اس نے تو اپنے علم ازل میں تمہیں اس کا مالک کردیا---- اشارہ ہے قبائل یہود کی ساری زمینوں اور جائدادوں کی طرف جو بالآخر کچھ روز بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

أرضالم تطؤها۔ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، قیامت تک جو علاقہ بھی کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، سب اس میں داخل ہے۔

قَدِيرًا ﴿٢٧﴾ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا

قادر ہی ہے ۵۲(الف) اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی

وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ

اور اس کی بہار مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کردوں ۵۳ اور اگر تم مقصود رکھتی ہو

قيل كل ما يؤخذ إلى يوم القيامة. (كبير، ج۲۵/ص:۱۷۸)

وهي مكة أو فارس والروم أو خيبر أو كل أرض تفتح إلى يوم القيامة. (مدارك، ص:۹۳۹)

قيل كل أرض تفتح إلى يوم القيامة (بيضاوى، ج٤/ص:۱٦۲)

وعد صادق في فتح البلاد كالعراق والشام واليمن ومكة وسائر فتوح المسلمين. (بحر، ج۷/ص:۲۲۵)

۵۲ (الف) تو اس کی عطا بخشش پر کوئی حیرت کیوں کرے)

۵۳ یعنی باقاعدہ طلاق دے دوں کہ جہاں چاہو آزادی سے رہ کر دنیا حاصل کرو۔

فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو مالی وسعت اچھی خاصی حاصل ہوگئی، تو ازواج مطہرات کو، جو ظاہر ہے کہ نبی اور صاحب وحی نہ تھیں، محض امتی تھیں، قدرۃً یہ خیال گزرا کہ اب ہمارے نفقہ میں بھی معقول اضافہ ہونا چاہئے، اس خواہش کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور ذرا تقاضے کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صاحب وحی کے قلب مبارک کی اذیت کے لیے دنیا طلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی۔ یہ آیتیں اسی پر نازل ہوئیں ---- یہ اختیار دیئے کو تو مل گیا، لیکن اس کے مل جانے کے بعد حضرت عائشہؓ سے لے کر کسی ایک بیوی صاحبہ تک نے عیش دنیا کو ترجیح نہ دی۔ سب کی سب بدستور اللہ اور رسول ہی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ ازواج نبی سارے بشری تقاضوں کے باوجود آخر ازواج نبی تھیں۔

تعالین۔ اس کے لفظی معنی ''آؤ'' مراد نہیں۔ صرف یہ مراد ہے کہ ''ادھر متوجہ ہو'' ''یہ بات سنو'' جیسا کہ اردو محاورے میں بھی بولتے ہیں۔

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا

اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو ۵۴ تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لیے اجر

عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا

عظیم تیار کر رکھا ہے ۵۵ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی تو اسے دوہری

الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ

سزا دی جائے گی ۵۶

ومعنیٰ تعالین: أقبلن بإرادتکن واختیارکن لأحد الأمرین (مدارك، ص: ۹۳۹)

تردن الحیوۃ الدنیا وزینتها ۔ تردن کا لفظ بہت اہم ہے، دنیوی زندگی اور اس کے جائز عیش ہرگز ممنوع نہیں، ممنوع و مذموم انھیں مقصود بنالینا ہے، تردن اسی مفہوم کا ترجمان ہے ---- ساتھ ہی یہ بھی مستحضر رہے کہ عیش دنیا جس حد تک جائز اور داخل مباحات ہے، وہ بھی مقربین الٰہی کے درجہ کے منافی ہے، جیسا کہ آیت میں "حیات دنیا" اور "اللہ و رسول، دار آخرت" کے تقابل سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیا اور اس کی زینتوں کی محبت، اللہ و رسول سے بُعد کا سبب ہے۔
(تھانوی، ج ۲/ص: ۳۰۰)

۵۴ یعنی اگر تم عالم آخرت کے ان مدارج عالی کو دوست رکھتی ہو، جو زوجیت رسول پر مرتب ہونے والے ہیں، اور رسول کی زوجیت میں اس دنیا میں صبر و قناعت کے ساتھ بسر کرنے پر تیار ہو۔

۵۵ (اور محسنات تو سب ہی ہیں یہ نہیں کہ بعض ہوں بعض نہ ہوں)

مراد وہ درجات عالیہ جنت میں جو زوجات نبوی کے لیے مخصوص ہیں۔

منكنّ ۔ من بیانیہ ہے، تبعیضیہ نہیں۔

من للبیان لا للتبعیض (کشاف، ج ۳/ص: ۵۱۹ ۔ مدارك، ص: ۵۳۹)

من للتبیین. (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٦٢)

۵۶ (آخرت میں)

مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۞

باقی رہ جائے ۶؎ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ

اور (اس وقت کو بھی یاد کیجئے) جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے ۷؎ جس پر اللہ نے بھی فضل کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر عنایت کی ہے ۸؎ کہ اپنی بیوی کو

۶؎ حکم کا اطلاق عموی ظاہر ہے۔ اس اعلان عام کے علاوہ اشارہ ایک واقعہ خاص کی جانب بھی ہے۔ زینبؓ بنت جحش خاندان بنی اسد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حسن صورت میں ممتاز لیکن ساتھ ہی مزاج کی بھی تیز، آپؐ نے ان کا نکاح زید بن حارثہؓ صحابی سے کر دینا چاہا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خصوصی تھے، یہاں تک کہ مدتوں عوام میں زید بن محمد کر کے مشہور رہے، لیکن ایک زمانے میں نصرانی غلام رہ چکے تھے، اور پھر صورت کے لحاظ سے بھی کچھ ممتاز نہ تھے۔ زینبؓ اور ان کے بھائی کو نکاح اپنے شرف نسب کی بنا پر، ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ پسند نہ آیا۔ تامل کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب رسول ایک امر کا فیصلہ کر چکے تو اب کسی امتی کو چون وچرا کی گنجایش ہی کہاں باقی رہی۔ آیت کی اس تنبیہ شدید کو سن کر حضرت زینبؓ نے نکاح، انھی زید بن حارثہؓ کے ساتھ منظور کر لیا۔ آیت سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے جو احکام ہوتے ہیں وہ واجب التعمیل ہی ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ ان کی تعمیل وعدم تعمیل اپنی خوشی پر ہو۔

فيه الدلالة على أن أوامر الله تعالىٰ وأوامر رسوله على الوجوب لأنه قد نفى بالآية أن تكون لنا الخيرة في ترك أوامر الله وأوامر الرسول صلى الله عليه وسلم. (جصاص، ج۳/ص:۳۶۰)

دل ذلك على أن الأمر للوجوب. (مدارك، ص:۹۴۲)

۷؎ (بطور فہمایش ومشورہ، نہ بطور حکم وجوبی)

أي أمر ندب (بحر، ج۷/ص:۲۳۴)

۸؎ مراد وہی حضرت زید صحابی ہیں۔ اللہ کا انعام تو ظاہر ہے کہ اسلام وایمان کی توفیق دی، جو سب سے بڑی دینی نعمت ہے، اور پھر غلامی سے نجات دلائی جو سب سے بڑی دنیوی نعمت

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

اور یہ اللہ کے لیے (بالکل) آسان ہے۔ ۵۷

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا

اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی اور عمل صالح کرتی رہے گی تو ہم اس کا اجر

مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

دوہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لیے ایک (مخصوص) عمدہ نعمت تیار کر رکھی ہے۔ ۵۸ اے نبی کی بیویو!

بضعف.......ضعفین ۔ فقہاء نے لکھا ہے خواص وعلماء پر، بمقابلہ عوام امت کے گرفت زیادہ سخت ہوگی، اور اسی طرح ان کا اجر وثواب بھی عوام سے کہیں زیادہ ہے۔

لأن النعمة كلما عظمت كان كفرانها أعظم في مايستحق به من العقاب إذ كان استحقاق العقاب على حسب كفران النعمة (جصاص، ج٣/ص:٣٥٩)

ولذا كان الذم للعاصي العالم أشد من العاصي الجاهل، لأن المعصية من العالم أقبح (مدارك، ص:٩٤٠)

وسبب تضعيف العذاب أن الذنب منهن أقبح فإن زيادة قبحه تابعة لزيادة فضل المذنب والنعمة عليه (روح، ج٢١/ص:١٨٤)

۵۷ یعنی یہ نہیں کہ اللہ کسی کی وجاہت سے متاثر ہو کر، یا کسی کی مروت یا دباؤ میں آکر اپنی سزا کے نفاذ میں ترمیم کردے، جیسا کہ دنیوی ملوک وسلاطین کے درباروں میں ہوا کرتا ہے۔

۵۸ یہ صلہ جنت میں ازواج نبی کے لیے مخصوص ہوگا۔

رزقاً۔ رزق پر حاشیہ کہیں پہلے گزر چکا ہے کہ اس سے مراد محض کھانے پینے ہی کی نہیں، بلکہ ہر قسم کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

أجرها مرتين۔ ''اہل خصوصیت کا عصیان بھی اوروں کے عصیان سے اشد ہوتا ہے اسی طرح ان کی طاعت بھی اوروں کی طاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے، پس وعدہ و وعید دونوں میں وہ

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جب کہ تم تقویٰ اختیار کر رکھو ۵۹ تو تم بولی میں نزاکت مت اختیار کرو

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے ۶۰

دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور خصوصاً مقام کلام میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرات امہات المومنین سے خدمت واطاعت کا صدور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو راحت افزا زیادہ ہوگا، اور اسی طرح اس کے خلاف کا صدور آپؐ کے لیے کلفت افزا زیادہ ہوگا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۰۱)

أعتدنا۔ میں اضافت تشریفی ہے یعنی خود ہم نے تیار کیا ہے۔

منکن۔ من یہاں بھی بیانیہ ہے، تبعیضیہ نہیں۔

وہ رزق کریم کیا ہے؟ اس کا تعین حد انسانی سے ماورا ہے۔ بہر حال کوئی ایسا صلہ ہوگا جو دوسرے عطیوں سے ممتاز تر ہے۔

۵۹ ازواجِ نبی رضی اللہ عنہن کا مرتبہ وشرف امت کی عام عورتوں سے یقیناً کہیں زائد ہے، لیکن یہ شرط بہر حال ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے کہ جادۂ تقویٰ سے قدم نہ ہٹنے پائے۔

یا حرف خطاب جلب توجہ مزید کے لیے ہے۔

کاحد من النساء۔ یعنی تم میں صرف انسانیت ہی نہیں، بلکہ دوسرے اوصاف فاضلہ بھی ہیں، جن سے مساوات ومماثلت ممکن نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تینوں آیتوں کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ جس کی فضیلت زیادہ ہے اس کا عصیان واطاعت دونوں اوروں سے اشد واکمل ہیں، اور یہی اصل ہے۔ ''نزدیکاں رابیش بود حیرانی'' کی۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۰۰)

۶۰ عورت کی آواز میں .جو قدرتی نرمی اور لوچ ہوتا ہے، اس کو بڑا دخل مرد کی خواہش نفسانی کے اُبھارنے میں ہے۔ چنانچہ جدید نفسیتین نے بھی اس کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اور قاعدے کے موافق بات کہا کرو ۶۱

اسلام کے ہمہ داں، ہمہ بیں، شارع عزّ وجل نے نفس کے اس محرک کو بھی اجزائے احکام میں پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ اس کی ہدایت امت کی ہر عورت کے لیے ہے کہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے، اور ازواج نبی کے لیے ان کے شرف واحترام کی مناسبت سے اس کا اور زیادہ اہتمام ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اسباب فتنہ سے بچنے کا اشارہ ہے، اگرچہ اسباب بعید ہی ہوں خصوصاً عورتوں کے باب میں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۰۰)

عرب کی تہذیب جاہلی میں آج کل کی جاہلی تہذیبوں کی طرح یہ دستور تھا کہ لیڈیاں تصنع کے بڑے بڑے طریقوں سے آواز اور لب ولہجہ میں طرح طرح کی رعنائی، نزاکت اور دل فریبی پیدا کرتی تھیں۔ یہ ہنر وہاں کی فیشن ایبل سوسائٹی میں داخل تھا، اس لیے اس کی ممانعت خاص طور پر ہوئی۔

کما کانت الحال علیه فی نساء العرب من مکالمة الرجال بترخیم الصوت ولینه، مثل کلام المریبات والمؤمسات۔ (قرطبی، ج ١٤ ص: ١٧٧)

اور جب مطلق گفتگو کے باب میں یہ اہتمام ہے تو نغمہ وموسیقی ظاہر ہے کہ عورت کے حلق ودہن سے نکلا ہوا نامحرم کے حق میں کیا حکم رکھے گا۔

۶۱ یعنی حیاء عزت وآبرو کے جو قاعدے شرفاء میں چلے ہوتے ہیں، اپنا لب ولہجہ ان کے مطابق رکھو، تاکہ کسی بدکردار فاسد المزاج کو آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ پڑے۔ اس حکم کی جو اہمیت مدینے کی ناموافق فضا میں تھی، وہی اہمیت عام مومنات کے لیے آج کی غیر صالح فاسقانہ فاجرانہ فضا میں بھی ہے۔---ہاں مضبوط شریفانہ لہجہ اور ہے اور دل شکن اور دل آزار لہجہ اور۔

فقہاء نے اس پر قیاس کرکے لکھا ہے کہ اسی طرح مردوں کو بھی تلذذ فاسقانہ کی باتیں کرنا حرام ہیں، اور خود مردوں مردوں، عورتوں عورتوں کے درمیان بھی۔ اور فقہائے حنفیہ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد مسئلے ذکر کیے ہیں: مثلاً یہ کہ عورت کے لیے اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنی درست نہیں جسے مرد سُنیں۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو ٦٢

وفيه الدلالة علىٰ أن الأحسن بالمرأة أن لا ترفع صوتها بحيث يسمعها الرجال۔ (جصاص، ج۳/ص:۳۵۹)

اور یہ بھی کہ عورت کے لیے اذان دینا ناجائز ہے۔

وفيه الدلالة علىٰ أن المرأة منهية عن الأذان۔ (جصاص، ج۳/ص:۳۵۹)

اور یہ بھی کہ جب عورت کے پیر کے زیوروں کی آواز ممنوع ہے تو جوان عورت کے کلام کی آواز تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ٹھہرے گی۔

وكذلك قال أصحابنا وقال الله تعالىٰ في آية أخرىٰ ولا يضربن بأرجلهن الخ فإذا كانت منهية عن السماع صوت خلخالها فكلامها إذا كانت شابة تخشىٰ من قبلها الفتنة أولىٰ بالنهي عنه۔ (جصاص، ج۳/ص:۳۵۹)

٦٢ یعنی بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو، اور مردوں سے اختلاط کے مواقع نہ آنے دو۔ شرعی یا دنیوی ضرورتوں سے، بہ پابندیٔ ستر وحجاب باہر نکلنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

فيلزمن البيوت، فإن مست الحاجة إلى الخروج فليكن علىٰ تبذل وتستر تام.
(قرطبی، ج۱٤/ص:۱۸۰)

مقصود اس حکم سے اختیار عفت و پارسائی ہے، پس اگر کوئی عورت فاحشہ باوجود فحش کاری پردہ کرتی ہے تو وہ بھی اس حکم کی عاصی ہی کہی جائے گی۔

وقرن کو بعض مفسرین نے وقار سے مشتق قرار دیا ہے۔

أي كن أهل وقارٍ وهدوءٍ وسكينةٍ۔ (جصاص، ج۳/۳٦۰)

مقصود اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔

وفيه الدلالة علىٰ أن النسآء مأمورات بلزوم البيوت منهيات من الخروج۔ (جصاص، ج۳/۳٦۰)

وَلَاتَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡاُوۡلٰى وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ

اور جاہلیت قدیم کے مطابق اپنے کو دکھاتی مت پھرو ۶۳ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیا کرو

وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ

اور اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو ۶۴ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبیؐ کے) گھر والو تم سے آلودگی کو

أی لاتخرجن منها ولازمن الاقامة فيها. (احمدی، ص:۶۱۸)

أی الزمن بيوتكن فلاتخرجن لغير حاجة. (ابن كثير، ج۳/ ۴۵۰)

۶۳ اس میں قانون ستر وحجاب کو توڑ کر باہر آزادانہ گھومنے پھرنے کی قطعی ممانعت ہے-----ستر وحجاب کی اتنی تاکید وپابندی کے بعد بھی عورت کی ''آزادی'' کے دلائل قرآن مجید سے ڈھونڈے جانا جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے!

الجاهلية الأولىٰ۔ نظام جاہلی، ہر نظام غیر اسلامی ہے۔ جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ مشرکانہ تہذیب وتمدن ہے، جو اسلام سے قبل، دنیا خصوصاً عرب میں یونانی ورومی تمدن کے اثر سے رائج تھی۔ مکہ ومدینہ میں عورتیں بن ٹھن کر اس طرح باہر آزادانہ گھوما پھرا کرتی تھیں، جس طرح آج فرنگی قوموں میں دستور ہے----اور یہ لفظ اولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب (الجاهلية الاخرىٰ) کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیش نظر رہا ہے۔

تبرج الجاهلية کی شرح سب نے یہی لکھی ہے کہ اس تہذیب کی عورتیں آزادی سے مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی، بیٹھتی بولتی رہتی تھیں، اور یہاں ممانعت اسی سے آئی ہے۔

عن مجاهد قال كانت المرأة تمشي بين أيدي القوم فذلك تبرج الجاهلية. (جصاص، ج۳/ص:۳۶۰)

عن قتادة قال كانت لهن مشية وتكسر وتغنج فنهاهنّ الله عن ذلك. (جصاص، ج۳/ ۳۶۰)

وقيل هو اظهار المحاسن للرجال. (جصاص، ج۳/ص: ۳۶۰)

۶۴ (اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں)

ترتیب کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عورت پر حیاداری، حفظ وناموس کی تاکید نماز وزکوٰۃ کے حکم سے بھی مقدم رکھی گئی ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب ازواج نبی سے ہے، لیکن جو تعلیم دی گئی ہے وہ ساری امت کی عورتوں کے لیے ہے۔

فھٰذه الأمور كلها مما أدب اللّٰه تعالىٰ به نساء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صیانة لهن وسائر نساء المؤمنین مرادات بها. (جصاص، ج۳/ص: ۳۶۰)

فقیہ مالکی قاضی ابوبکر عبداللہ بن العربی اندلسی (متوفی ۵۴۲ھ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی سیاحی میں کوئی ایک ہزار مقامات دیکھ ڈالے۔ نابلوس کی عورتوں سے بڑھ کر پاک دامن کہیں اور کی نہیں پائیں۔ ان کے درمیان میں مہینوں ٹھہرا رہا۔ شہر میں یہ کبھی چلتی پھرتی نظر نہ آئیں، بس صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے نکلتی تھیں اور بعد نماز اپنے گھروں میں پھر داخل ہوجاتی تھیں، اور پردہ داری اور باعصمتی کی یہی کیفیت میں نے مسجد اقصیٰ کی معتکف عورتوں میں بھی پائی، ورنہ اور جگہ میں نے جہاں جہاں عورتوں کو بے پردہ چلتے پھرتے پایا، طرح طرح کی برائیوں اور فتنوں ہی میں مبتلا دیکھا۔

ولقد دخلت نيفاً علىٰ ألف قرية من برية، فما رأيت أصون عيالاً ولا أعف نساء من نسآء نابلس" التی رُمی فیها الخلیل علیه السلام بالنار، فإنی أقمت فیها أشهراً فما رأیت امرأة فی طریق، نهاراً إلا یوم الجمعة فإنهن یخرجن إلیها حتىٰ یمتلئ المسجد منهن فإذا قضیت الصلاة وانقلبن إلىٰ منازلهن لم تقع عینی علىٰ واحدةٍ منهن إلى الجمعة الاخرىٰ وسائر القرىٰ ترى نسآء ها متبرّجات بزينة وعطلة، متفرقات في كل فتنة وعضلة، وقد رأيت بالمسجد الأقصىٰ عفائف ماخرجن من معتكفهن حتى استشهدن فيه. (ابن العربی، ج۳/ص: ۵۶۹)

یہ حال ۵۴۲ھ سے قبل کا ہے تو ظاہر ہے کہ آج ۱۳۶۹ھ میں کوئی غیرت مند مومن قاہرہ اور اسکندریہ، طہران وانقرہ، بغداد ودمشق، کراچی ولاہور، دہلی ولکھنؤ کی کھلم کھلا بے حیائیاں دیکھنے کی تاب کہاں سے لاسکتا ہے، نابلوس آج جس قدیم شہر کا نام ہے، وہ فلسطین میں بیت القدس کے شمال میں واقع ہے۔ توریت میں اس کا ذکر سیکم (Si-Chem) کے نام سے آیا ہے۔ اب خدا معلوم شیخ ابن العربی کی مراد اسی شہر سے تھی یا کسی اور سے!

اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۞ وَاذۡكُرۡنَ مَا يُتۡلٰى فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ

دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے ٦٥ اور تم اللہ کی ان آیتوں اور اس علم کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں

٦٥ یعنی معصیت و نافرمانی کی آلودگی سے پاک کر کے عقیدہ، عمل، ظاہر، باطن ہر چیز میں خوب جلا پیدا کر دے ---- شریعت الٰہی نے انسان کی آزادی پر جو بھی قیود و حدود عائد کیے ہیں سب کا منشا بس یہی ہے کہ انسان کو بہتر انسان بنا دے، جسم، روح، عقل ہر اعتبار سے پاک صاف ہو، نہ یہ کہ اس کی راہ کو خواہ مخواہ سخت و تنگ بنا دے۔

إنما يريد الله۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ جب اللہ نے ارادہ کر لیا تو وہ اپنے ارادے کو پورا کر کے بھی رہا۔

سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ اھل بیت سے مراد ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور یہی مفہوم سلف سے منقول بھی ہے۔

نزلت فی نسآء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خاصةً ۔ (ابن جریر۔عن عکرمة)

أراد بأهل البیت نساء النبی۔نزلت فی نسآء النبی خاصة (ابن کثیر عن ابن عباسؓ، ج۳/ص:٤٥١)

اہل سنت کا اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آیت کا سبب نزول ازواج النبی ہی ہیں اور اہل بیت سے اولاً وہی مراد ہیں، البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ان کے علاوہ بھی کوئی مراد ہے؟ سو محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ازواج نبی کے علاوہ بھی ہستیاں داخل ہیں۔

قال عکرمة إنها نزلت فی شأن نساء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فإن کان المراد أنهن کن سبب النزول دون غیرهن فصحیح، وإن أرید أنهن المراد فقط دون غیرهن ففی هذا نظر، فإنه قد وردت أحادیث تدل علیٰ أن المراد، عم من ذلك. (ابن کثیر، ج۳/ص:٤٥١)

والذی یظهر من الآیة أنها عامة فی جمیع أهل البیت من الأزواج وغیرهن. (قرطبی، ج١٤/ص:١٨٣)

مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا

پڑھ کر سنائے جاتے رہتے ہیں ٦٦ بے شک اللہ بڑا باریک بیں ہے

اہل بیت کے جو متعارف معنی اردو میں چلے ہوئے ہیں وہ بھی حدیث سے نکلتے ہیں، لیکن یہاں ذکر صرف اصطلاح قرآنی کا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیمبر کی زوجۂ محترمہ ہی کے لیے آیا ہے۔ (ہود۔ ع ۷)

رجس۔ معنی گندگی۔ گناہ۔ سوء خلق دونوں پر شامل ہے۔

یطھّر۔ اوّل تو باب تفعیل ہے خود بھی مبالغہ کے لیے۔ مبالغہ، پھر تاکید مزید کے لیے تطھیراً یعنی خوب ہی پاک وصاف کردے اور طہارت کا درجہ کامل واعلیٰ نصیب کردے، جیسا کہ ازواجِ نبی کی شان رفیع کا مقتضا ہے پوری آیت رسول اللہ کے گھر والوں کے مزید شرف واحترام کے اظہار کے لیے ہے۔

٦٦ (اور خود بھی اس پر عمل کرو، اور دوسروں تک بھی اسے پہنچاؤ)

أمر الله أزواج رسوله بأن يخبرن بما أنزل الله من القرآن فى بيوتهن، وماير ين من أفعال النبى صلى الله عليه وسلم وأقواله فيهن حتى يبلغ ذلك إلى الناس فيعملوا بما فيه ويقتدوا به. (ابن العربى، ج ۳/ص: ۵۷۲)

اور یہیں سے بعض نکتہ رس فقہاء نے مسائل دین میں خبر واحد کے قبول کا جواز نکالا ہے۔

وهذا يدل علىٰ جواز قبول خبر الواحد من الرجال والنساء فى الدين۔ (ابن العربى، ج ۳/ص: ۵۷۲) .

فی بیوتکن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی الگ مستقل مکان حجرات ازواج کے علاوہ تو تھا نہیں، یہاں بیوتکن لاکر بیوی صاحبان کو اس شرف وفضیلت کی یاد دلائی گئی ہے کہ نزول وحی وحکمت خاص تمہارے ہی گھروں میں تو ہوتا ہے۔ تم سے بڑھ کر ان علوم وحقائق وشرائع کا حامل اور کون ہوگا۔

آیات اللہ۔ یعنی قرآن مجید۔

أى القرآن (مدارك، ص: ۹۴۱)

الحكمة۔ یعنی احکام شریعت وفہم قرآنی۔

خَبِيرًا ۝ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

پورا خبردار ہے۔ ۶۷ بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں ۶۸ اور ایمان والے اور ایمان والیاں ۶۹

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں ۷۰ اور صادق مرد اور صادق عورتیں ۷۱ اور صابر مرد اور صابر عورتیں ۷۲

أی السنة أو بیان معانی القرآن. (مدارك،ص:۹٤۱)

۶۷ (اس لیے اس کے احکام کی تعمیل کا اہتمام نہایت درجہ واجب ہے)

لطیفاً۔ لطیف وہ جو احوال قلوب کو بھی خوب جانتا ہے۔

خبیراً۔ خبیر وہ جس پر اعمال پوشیدہ سے پوشیدہ بھی روشن ہیں۔

۶۸ یعنی وہ مرد و زن جو اسلام کے اعمال ظاہری، نماز، روزہ وغیرہ پر قائم ہوں---

الفاظ کا رخ اقرار و اعمال اسلامی کی طرف ہے۔

۶۹ یعنی وہ مرد و زن جو عقائد صحیح کے پابند ہوں----الفاظ کا اشارہ عقائد اسلامی کی جانب ہے۔

۷۰ اعمال و عقائد دونوں کا ذکر اوپر آچکا، اب یہاں زور فرماں برداری پر ہے، یعنی یہ جو کچھ کررہے ہیں براہِ انقیاد، بلا کراہت و پس و پیش کر رہے ہیں۔

المداومین علی الطاعات القائمین بها. (روح،ج۲۲/ص:۲۱)

۷۱ یہ صدق جامع ہے صدق قول، صدق عمل، صدق نیت، صدق ایمان، ہر قسم کے صدق کا۔

قیل فی القول والعمل۔(روح،ج۲۲/ص:۲۱)

۷۲ صبر یعنی ثبات و استقامت، اپنے سارے عنوانات کے ساتھ۔ یعنی طاعتوں پر بھی، معاصی کی طرف سے بھی، مصائب پر بھی۔

علی المکارہ وعلی العبادات ومن المعاصی۔(روح،ج۲۲/ص:۲۱)

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ

اور خشوع والے اور خشوع والیاں ۳؎ اور تصدق کرنے والے اور تصدق کرنے والیاں ۴؎ اور روزہ رکھنے والے

وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے

وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

اور یاد کرنے والیاں، ان (سب) کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ۵؎ اور کسی مومن

وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

یا مومنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار

۳؎ یہ خشوع شامل ہے عبادات میں توجہ قلب پر اور عادات میں تواضع پر بھی۔

۴؎ تصدق میں زکوٰۃ وصدقہ نفل وغیرہ سب آ گئے۔

۵؎ آیت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی تصریح برابر ہوتی چلی گئی ہے، حالانکہ قرآن کا عام دستور ہے کہ مردوں کے ذکر میں عورتیں ضمناً وتبعاً شامل ہی سمجھ لی جاتی ہیں۔ اہل تفسیر نے توجیہ یہ کی ہے کہ یہاں اصلاً ومستقلاً مدح ازواج پیمبر ہی کی مقصود تھی، اور جو مقصود ہو، اسے ضمناً وتبعاً نہیں پیش کیا جاتا۔

مردوں کے لیے الحافظین فروجھم اور عورتوں کے لیے صرف الحافظات گویا مردوں کے لیے تصریح اور عورتوں کے لیے کنایہ۔ اہل تفسیر نے اس کی بھی توجیہ دو طرح پر کی ہے: ایک یہ کہ اس میں عورتوں کو تعلیم ہے حیائے ذکری کی۔ وہ سمجھیں کہ اللہ ان کی تعلیم تک میں کنایہ پر کفایت کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد کے لیے صرف اعضائے مردانہ کا تحفظ کافی ہے۔ بخلاف اس کے عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے اپنے حفظ کے لیے احتیاط اپنے رفتار وگفتار، لباس وآواز ہر چیز میں رکھنا لازمی ہے۔

بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ

پیٹ کی چیزیں اور کھالیں۔ ۲۷؎ اور ان کے (مارنے کے) لئے گرز ہوں گے لوہے کے۔ وہ لوگ

اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

جب کبھی گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں ڈھکیل دیئے جائیں گے۔ (اب) جلنے کا عذاب

الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

چکھتے رہو ۲۸؎ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

باغوں میں داخل کرے گا کہ ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں وہاں ان کو کنگن سونے

مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا

کے اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور وہاں ان کی ریشم کی پوشاک ہوگی۔ ۲۹؎ اور ان کو

اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

ہدایت ہو گئی تھی کلمۂ طیبہ کی طرف اور انہیں ہدایت ہو گئی تھی (خدائے) لائق حمد کے راستہ کی جانب ۳۰؎

۲۷؎ غرض یہ کہ تعذیب کی جو ہولناک ترین صورتیں ہیں، سب ان بدنصیبوں کو پیش آکر رہیں گی۔ توریت کا تو خیر ذکر ہی نہیں، انجیل جو عام طور پر تمام تر رحم و کرم، شفقت و رحمانیت ہی کی کتاب کہی جاتی ہے، اس میں بھی دوزخ کے ہولناک مناظر بار بار پیش کئے گئے ہیں۔ حوالے پیشتر گزر چکے۔

مافی بطونھم۔ یعنی انتڑیاں وغیرہ۔

۲۸؎ (ہمیشہ کے لئے۔ اور تمہیں کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا)

یہ فرشتے اہل دوزخ سے کہیں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے وقیل لھم ذوقوا۔

منھا۔ فیھا۔ دونوں جگہ ضمیر ھا۔ النار کی طرف ہے۔

۲۹؎ زیور اور ریشم اس دار العمل میں مردوں کے لئے ناجائز ہیں۔ جنت میں جو صرف دار الجزاء ہے اور اس کے قانون اور ضابطے دار العمل سے بالکل مختلف ہوں گے، وہاں بالکل جائز ہو جائیں گے۔

۳۰؎ (اسی دنیا میں۔ اور یہ جنت کا انعام و اکرام سب اسی ہدایت کا نتیجہ ہے)

الطیب من القول۔ طیب کا اطلاق ہر پاکیزہ و نافع چیز پر ہو سکتا ہے یہاں مراد ہے

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ

اپنی (زوجیت میں) رہنے دے اور اللہ سے ڈر ۷۹ اور آپ اپنے دل میں وہ چھپاتے رہے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا

وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ

اور آپ لوگوں (کی طرف) سے اندیشہ کر رہے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے ۸۰

ہے۔ اور رسول کی طرف سے انعام یہ ہے کہ آپ نے امور دین کی تعلیم فرمائی، غلامی سے آزاد کیا، اپنی قریبی رشتے کی بہن سے نکاح کرا دیا۔ حدیث میں ان کے لیے الفاظ آئے ہیں: کان من أحب الناس إلیّ "میرے محبوب ترین انسانوں میں ہیں۔

۷۹ یعنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو۔

واتق الله فی معاشرتها. (بحر، ج ۷/ص: ۲۳۴)

زوجك۔ یہ بیوی صاحبہ وہی حضرت زینب تھیں۔ آخر ان شوہر کو بھی راضی نہ رکھ سکیں۔ حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فہمائش کی کہ جہاں تک بن پڑے نباہ کرو۔

اتق الله۔ قرآن مجید نے یہ ایک ایسی جامع ہدایت کر دی کہ خانگی زندگی کو خوش گوار بنانے اور رکھنے کے لیے پھر اس کے بعد کسی اور ہدایت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ تقویٰ الٰہی پر اگر عمل ہو، تو ازدواجی زندگی بلکہ خانگی زندگی ہی پر کیا موقوف ہے، ہر شعبۂ زندگی کی تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

۸۰ جب شکایتیں اور رنجش حد سے بڑھ گئیں اور آپ کو خواہ وحی سے خواہ قرائن سے اور دونوں سے یقین ہو گیا کہ اب یہ تعلق ازدواج نبھ نہیں سکتا، تو قدرۃً آپ کو بڑی فکر اس کی پیدا ہوئی کہ اب آیندہ کے لیے انتظام کیا ہو۔ زینبؓ کی ایک دل شکنی تو پہلے ہو چکی تھی، جب اُن کا عقد اُن کی عالی نسبی کے باوجود ایک آزاد شدہ غلام سے کرایا گیا تھا۔ دوسرا داغ اس سے بڑھ کر ان کی عزت عرفی اور نیک نامی پر یہ لگ رہا تھا کہ نباہ ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ بھی نہ ہو سکا! طلاق ان سے بھی مل رہی ہے اور اب ساری زندگی ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ ہی کہلا کر بسر کرنا ہو گی! یہ ننگ و رنگ جس قدر شاق ہوا ہو گا ظاہر ہے۔

اس موقع پر اشک شوئی اور دل شکنی کے تدارک کی صورت یہی تھی کہ سردار اسلامؐ زینبؓ کو خود اپنے نکاح میں لا کر اُن کی دل جوئی اور قدر افزائی کریں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ قوم عرب جو منھ بولے بیٹے کے ساتھ نکاح کو اتنا معیوب سمجھ رہی ہے وہ کیا کہے گی، آپ اسی فکر و تردد میں تھے کہ حکم الٰہی ملا کہ طعن خلق سے بے پروا ہو کر نکاح کر لیجئے۔ زینب کی اشک شوئی و دل دہی جو تھی، وہ تو تھی ہی، اصلاح عامہ کی طرف بھی کتنا بڑا قدم اس طرح اُٹھ گیا کہ متبنیٰ کی زوجہ سے نکاح کا جواز خود فعل رسول سے ثابت ہو گیا۔

وتخفی.........مبدیه۔ یعنی یہی ارادۂ نکاح بغرض اشک شوئی و دل دہی جس کا اظہار حق تعالیٰ نے کلام مجید کے ذریعہ سے کر دیا۔

يعني من نكاحك لها (ابن العربی، ج۳/ص:۵۷۸)

والمراد بالموصول...... ماأوحى الله تعالىٰ به إليه أن زينب رضي الله عنها سيطلقها زيد ويتزوجها بعد عليه الصلوٰة والسلام وإلىٰ هذا ذهب أهل التحقيق من المفسرين. (روح، ج۲۲/ص:۲٤)

وتخشى الناس۔ یعنی وہی عرف عام و رواج کے خلاف ہونے کی بنا پر اہل قوم و قبیلہ طرح طرح کے طنز کریں گے کہ دیکھئے منھ بولی بہو کے ساتھ نکاح کر لیا، اور آپ کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا۔

أن يتكلموا فيك (ابن العربی، ج۳/ص:۵۷٦)

یہاں بعض اہل تفسیر کے قلم کو لغزش ہو گئی ہے، اور بعض ایسے قصے درج کر دیے ہیں، جو ایک طرف تو نقلاً بے سند ہیں، اور دوسری طرف عقلاً بے سروپا اور شان رسالت کے منافی، یعنی نا قابل قبول نہ روایۃً نہ درایۃً، محققین مفسرین نے اسی لیے ایسے قصوں کی بلا نقل کیے بھی تردید و تکذیب کر دی ہے۔

ولبعض المفسرين كلام في الآية يقتضي النقص من منصب النبوة ضربنا عنه صفحاً. (بحر، ج۷/ص:۲۳٤)

أحببنا أن نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها. (ابن كثير، ج۳/ص:٤۵۸)

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

پھر جب زید کا دل اس (عورت) سے بھر گیا ۸۱

وللقصاص فی ھذہ القصۃ کلام لاینبغی أن یجعل فی حیز القبول (روح، ج ۲۲/ص: ۲٤)

ما اللہ مبدیہ۔ کی تفسیر محبت وغیرہ سے کرنا جیسا بعض اقوال شاذہ غیر مستند الی الدلیل الصحیح میں ہے، صحیح نہیں، کیوں کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ابداء کہاں کیا۔ بخلاف تفسیر انکاح کے کہ زوجنکھا میں بھی ابداء ہوا ہے (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۰۹)

مسیحی اہل قلم نے خوب خوب اس موقع پر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے، لیکن خدا کی شان ایک ممتاز برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ (Boswortesmite) نے ٹھیک اس کے برعکس نتیجہ حضورؐ کے کمال اخلاص کا اسی سورت سے نکالا ہے۔ ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

آیت سے معلوم ہوا کہ طعن عوام سے اندیشہ ایک امر طبعی ہے، اور منافی مرتبۂ رسالت نہیں۔ پھر منافی کمالات ولایت تو اور بھی نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس فعل میں کوئی دینی مصلحت ہو جیسے اس قصے میں مصلحت تھی، اس میں ملامت کی پروا نہ کرنی چاہئے، اور یہ مصلحت وہ تھی جو لکی لایکون علی المؤمنین حرج میں مذکور ہوئی، البتہ جس میں بجائے مصلحت کے عام مومنین کے لیے کوئی مفسدہ ومضرت ہو، اس میں احتیاط کرنا چاہئے، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصۂ حطیم میں کیا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۰۷)

۸۱ (اور کوئی واسطہ اس سے باقی نہ رہا)

یعنی جب زید نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی۔ قضاء وطر کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی بھی واسطہ فریقین میں باقی نہ رہ جائے، اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب طلاق پر مدت عدت بھی گزر جائے۔

والمعنی فلما لم یبق لزید فیھا حاجۃ وتقاصرت عنھا ھمتہ وطابت عنھا نفسہ وطلقھا وانقضت عدتھا (کشاف، ج ۳/ص: ٥٢٦)

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ

تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا ۸۲ تا کہ اہل ایمان پر اپنے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں

اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ

کچھ تنگی نہ رہے، جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں ۸۳

أی طلقها كما روی عن قتادة (روح، ج ۲۲/ص: ۲۵)

أی لما طلقها زيد وانقضت عدتها (كبير، ج ۲۵/ص: ۱۸۳)

قيل: إن قضاء الوطر يشعر بانقضاء العدة. (روح، ج ۲۲/ص: ۲۶)

تمام صحابیوں میں یہ شرف حضرت زیدؓ ہی کو حاصل ہے کہ ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔۔۔۔۔اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے حضرت زیدؓ کو افضل الصحابہ قرار دیا ہے۔

۸۲ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب عدّت ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیغام بھی حضرت زیدؓ ہی کی معرفت بھیجا، ضیافتِ ولیمہ بڑے پیمانے پر ہوئی۔ حضرت انسؓ ہی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کسی بیوی صاحبہ کا ولیمہ اس پیمانے پر اور اتنا اچھا نہیں کیا۔ (مسلم، رقم: ۱۴۲۸)

زَوَّجْنٰكَهَا کے روشن ترین اعلان نکاح کے بعد حقیقۃً اب کسی ظاہری عقد نکاح کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی تھی، لیکن اس کے باوجود اس عالم ظاہری میں بھی نکاح ہوا۔ یہ نکاح خود حضرت زینبؓ کے بھائی ابو احمد بن جحش نے پڑھایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر چار سو درہم کا رکھا۔

زوجه إياها أخوها أبو أحمد بن جحش وأصدقها رسول الله صلى الله عليه وسلم أربع مائة درهم. (ابن هشام، ج ٤/ص: ٤٩٧)

لفظ زَوَّجْنٰكَ سے بعض فقہاء نے مسئلہ ولایت نکاح کا استنباط کیا ہے۔

دليل على ثبوت الولی فی النكاح (قرطبی، ج ١٤/ص: ١٩٥)

۸۳ لِكَیْ .... اَدْعِیَآىِٕهِمْ۔ مطلب یہ ہوا کہ اس عالم تشریع کا اعلان تو ہمیں مقصود ہی تھا۔۔۔۔فقہاء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو احکام تشریعی نبی کے لیے ہیں (جب

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ

اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا تھا ۸۴ نبی کے لیے اللہ نے جو کچھ مقرر کر دیا تھا ۸۵ ان پر اس باب میں کوئی الزام نہیں

لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿٣٨﴾

اللہ کا یہی معمول (رہا) ہے ان (پیمبروں) کے بارے میں جو (آپ سے) پیشتر ہو چکے ہیں ۸۶ اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے ۸۷

تک ان کی خصوصیت کی تصریح نہ کر دی جائے) وہی ساری امت کے لیے بھی ہوتے ہیں۔

الأمة مساوية للنبي صلى الله عليه وسلم في الحكم إلا ما خصه الله تعالىٰ به لأنه أخبر انه أحل ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم ليكون المؤمنون مساوين له. (جصاص،ج٣/ص:٣٦١)

واستدل بهذا علىٰ ان ماثبت له صلى الله عليه وسلم من الأحكام ثابت لأمته إلا ماعلم أنه من خصوصياته عليه الصلوٰة والسلام بدليل. (روح،ج٢٢/ص:٢٦)

۸۴ (کہ حکمت تکوینی مقتضی ہی اس کی تھی)

۸۵ (تکوینا خواہ تشریعا)

یہاں مراد اسی نکاح زینب سے ہے۔

أي في ماأحل له وأمره به من تزويج زينب رضى الله عنها. (ابن کثیر،ج٣/ص:٤٥٩)

۸۶ یعنی انبیائے سابقین کا یہی دستور رہا ہے کہ انہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، اسے بلا تأمل کر گزرتے ہیں، اور اس میں مورد طعن و ملامت نہیں ہو سکتے۔

الذين خلوا من قبل۔ سے مراد انبیائے سابقین ہیں، جیسا کہ آئندہ آیت میں تصریح سے آرہا ہے: الذين يبلغون رسٰلت الله.

أي من قبلك من الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام. (روح،ج٢٢/ص:٢٧)

۸۷ یعنی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل دنیوی حکمرانوں کے احکام کی طرح فوری مقصد و ضرورت پر مبنی نہیں۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے ۸۸ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۸۹

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

البتہ اللہ کے رسول ہیں ۹۰ اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں ۹۱

۸۸ (چنانچہ آج جو آپ پر طعن کرنے والے ہیں وہ بھی کل حساب سے بچے نہ رہیں گے)

یبلغون رسٰلت اللہ۔ تبلیغ پیام الٰہی عام ہے قولی اور فعلی ہر قسم کی تبلیغ کے لیے انبیائے گذشتہ کے قصے محض آپ کی تقویت قلب کے لیے ہیں، ورنہ آپ تو یوں بھی کبھی غیر اللہ کے خوف کو خاطر میں نہ لائے۔

۸۹ (اور جب ان کے کوئی بیٹا ہی نہیں تو بہو کے ساتھ نکاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)

اسم پاک محمد پر حاشیہ سورۂ آل عمران: ۱۴۴ میں گزر چکا۔ وما محمد الا رسول کے تحت میں۔

۹۰ (اور اسی طرح ساری امت کے روحانی مربی)

اس میں یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ آپ کو امت کے ایک ایک فرد کے ساتھ جو تعلق شفقت ورحمت ہے وہ طبعی نہیں، ماتحت رضائے الٰہی ہے۔

۹۱ (اس لیے آپ کی تربیت روحانی بھی غیر موقوف وغیر منقطع ہے)

ختم نبوت کی یہ تصریح نہ ہوتی جب بھی دوسری آیات۔ مثلاً الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی وغیرہ اس عقیدے کی بنیاد بننے کے لیے کافی تھیں۔ جب کوئی درجہ مزید

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ

اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ۹۲ اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے

ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ

یاد کرو ۹۳ اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو ۹۴ وہ ایسا ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے اوپر

وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝

رحمت بھیجتے رہتے ہیں ۹۵ تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے ۹۶ اور وہ مومنین کے حق میں تو رحیم ہی ہے

وأجمعت عليه الأمة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان أصر. (روح، ج ۲۲/ص ۴۱)

یہ ختم نبوت کا دعویٰ بھی اسلام کے امتیازی خصوصیات میں سے ہے پیمبر اور ہادیان مذہب قرآن سے قبل بے شمار آچکے تھے۔ کتابیں بھی نازل ہو چکی تھیں، مگر یہ دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا تھا کہ میں آخری پیمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیمبر نہ آئے گا۔

۹۲ (سو اس نے کسی مصلحت ہی سے رسول کو اس نکاح کا حکم دیا)

۹۳ طاعتیں اور عبادتیں جتنی بھی ہیں، سب ذکر الٰہی ہی کی فرد ہیں۔

كل طاعة و كل خير من جملة الذكر (كشاف، ج ۳/ص: ۵۲۹)

۹۴ یعنی اس کے ذکر و طاعت پر دوام رکھو۔

بكرة وأصيلا إشارة على المداومة. (كبير، ج ۲۵/ص: ۱۸۶)

أى كافة الأوقات (كشاف، ج ۳/ص: ۵۲۹)

۹۵ (اسی کے حکم سے)

اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دعا کرنا ہے۔

۹۶ (کہ اللہ کی رحمت اور ملائکہ کی دعا کی برکت سے یہ نعمت تمہیں برابر حاصل ہوتی رہے)

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۞ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ

جس روز وہ اس سے ملیں گے انھیں دعا (دی جائے گی) سلام سے ۹۷ اور اس نے ان کے لیے معزز صلہ تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی!

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۞ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے بطور گواہ ۹۸ اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے

بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۞ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

بلانے والے کے ۹۹ اور بطور ایک روشن چراغ کے ۱۰۰ آپ بشارت دیجئے ایمان والوں کو کہ ان پر اللہ کی طرف سے

الظلمٰت۔ سے مراد جہل وضلالت کی تاریکیاں ہیں۔

النور۔ سے مراد علم وہدایت کا نور ہے۔

۹۷ اللہ اپنے بندوں کو خود سلام کرے، جنت میں مومنین کے اعزاز واکرام کی یہ انتہا ہوگی۔

وتحیة اللّٰہ لھم یقول للمؤمنین السلام علیکم مرحبا بعبادی الذین أرضونی (بحر، ج ۷/ص: ۲۳۷)

یہی سلام اہل جنت کا آپس میں اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوگا۔

۹۸ اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا، جب آپ کی شہادت پر آپ کی امت کا فیصلہ ہوگا۔

شاھداً۔ کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپ تمام امتوں کے رسولوں پر بطور شاہد پیش ہوں گے کہ وہ ادائے رسالت کر چکے۔

قیل: المراد شاھداً علی جمیع الأمم یوم القیامة بأن أنبیاء ھم قد بلغوھم الرسالة. (روح، ج ۲۲/ص: ۴۵)

اور مولانائے رومیؒ نے تو یہ پہلو لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بندوں کے مختلف مراتب ومنازل سے مطلع کر رکھا ہے ع

درنظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

۹۹ داعیاً إلی اللّٰہ۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۱۰۰ (سرتاپا نمونۂ ہدایت ہونے کے لحاظ سے)

فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ

بڑا ہی فضل ہے ۱۰۱ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجیے، ۱۰۲ اور ان کی اذیت رسانی کا خیال نہ کیجیے ۱۰۳

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ۱۰۴ اے ایمان والو!

مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ بجائے آفتاب کے چراغ سے آپ کے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ ہے کہ نورِ آفتاب گو تیز و قوی ہوتا ہے لیکن اس کا فیضان ضعیف ہے اپنا سا کسی کو نہیں بنا سکتا، بخلاف اس کے چراغ سے صدہا ہزارہا چراغ جلتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ امت میں فیضان رسول سے قیامت تک اولیاء و ابرار ہوتے رہیں گے۔

''احقر کے نزدیک چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک رسائی آسان ہے، پھر چراغ سے ہر وقت نور حاصل کرنا ممکن ہے۔ پھر سہل الحصول ہے۔ پھر اس سے نور حاصل کرنے میں اکتساب اور قصد کو بھی دخل ہے۔ پھر صحیح المزاج اور صحیح البدن انسان کو اس سے ناگواری کسی وقت نہیں ہوتی۔ پھر اس میں شان انیس ہونے کی بھی ہے اور ان سب صفات کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۱۱)

۱۰۱ (آپ کے واسطے سے)

یعنی دنیا میں غلبہ و نصرت اور آخرت میں عفو و مغفرت پھر ہر نعمت اخروی میں دوام و بقا۔

۱۰۲ یعنی ایسا نہ ہو کہ ان کے طعن پیہم سے آزردہ ہو کر ان پر تبلیغ ہی ترک کر دیجیے یہ تو نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے عین انھی کی رائے کا اتباع ہو گیا۔

۱۰۳ (جیسا کہ اس واقعہ نکاح میں کہ آپ کی طرف سے تبلیغ فعلی تھی، ان کی طرف سے سخت اذیت قولی آپ کو پہنچی)

۱۰۴ (اور آپ کو ہر ضرر سے بچا لے گا)

اللہ کی کارسازی کا مراقبہ خود ہر تلخی کو شیرینی میں تبدیل کر دینے کے لیے کافی ہے۔

إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ

تم جب مؤمن عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم انھیں طلاق دے دو، قبل اس کے کہ تم نے انھیں ہاتھ لگایا ہو

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۚ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ

تو تمہارے لیے ان کے بارے میں کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرنے لگو ۱۰۵ تو انھیں کچھ مال دے دو، اور انھیں خوبی کے ساتھ

سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوٰجَكَ الّٰتِيٓ

رخصت کردو ۱۰۶ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی (یہ) بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ

۱۰۵ (اوراس لیے انھیں فوری نکاح ثانی سے کوئی مدت عدت مانع نہیں، درآں حالیکہ مدخولہ کی طلاق کے بعد عدت واجب ہو جاتی ہے)

نکحتم ۔نکاح کے لغوی معنی تو صحبت یا جماع کے ہیں، مگر قرآن مجید میں عموماً عقد نکاح کے معنی میں آیا ہے۔

تمسوھن۔ ہاتھ لگانا کنایہ صحبت سے ہے، حقیقۃً یا حکماً مثل خلوت صحیحہ کے۔ پس دونوں سے عدت واجب ہے (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۱۲)

والخلوة الصحيحة كالمس (مدارك، ص: ۹٤٥)

إذا نكحتم المؤمنات۔ الفاظ آیت سے فقہائے مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ نکاح گو جائز کتابیہ عورتوں سے بھی ہے، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ مومنات کے ساتھ کیا جائے۔

وفی تخصيص المؤمنات مع أن الكتابيات تساوی المؤمنات فی هذا الحكم إشارة إلىٰ أن الأولىٰ بالمؤمن أن ينكح مؤمنة (مدارك، ص: ۹٤٥)

لکم۔ کی ضمیر مذکر سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ عدت حق زوج ہے، جیسا کہ ولد حق والد ہے۔

فيه دليل علىٰ أن العدة تجب على النساء للرجال (مدارك، ص: ۹٤٥)

۱۰۶ نکاح ہو، یا طلاق، رفاقت ہو یا افتراق، قرآن خوبی وخوش اسلوبی کی شرط ہر جگہ لگائے ہوئے ہے۔ جو کچھ بھی ہو سراحاً جمیلاً ہو، بالمعروف ہو، یعنی شریفانہ طرز پر ہو، حفظِ وضع وپاسِ ناموس کے ساتھ ہو۔ تفضیح وبدنمائی کی صورت بہرحال نہ پیدا ہونے پائے۔

اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

ان کے مہر دے چکے ہیں ۱۰۷ اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے ۱۰۸

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں ۱۰۹ اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں ۱۱۰

الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ

جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ۱۱۱ اور اس مسلمان عورت کو (بھی) جو (بلا عوض) اپنے کو نبی کو دے دے ۱۱۲

۱۰۷ (باوجود اس کے کہ وہ چار کے جائز عدد سے زائد ہیں)

پیمبر کے شرف و امتیاز نیز آپ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ کی ازدواجی زندگی سے متعلق اب بعض مخصوص احکام کا بیان ہو رہا ہے۔

۱۰۸ (کنیز شرعی کی حیثیت سے)

یعنی ان سب کے رکھنے کی آپ کو اللہ کی طرف سے اجازت ہے۔

أفاء الله عليك۔ کی قید سے زر خرید باندیاں اس حکم اجازت سے نکل گئیں۔

۱۰۹ دونوں کا خلاصہ یہ کہ آپ کے والد کے خاندان کی بیٹیاں۔

۱۱۰ دونوں کا حاصل یہ کہ آپ کی والدہ کے خاندان کی بیٹیاں۔

۱۱۱ یعنی داد ھیالی اور نانہالی خاندانوں کی بھی سب عورتیں نہیں، بلکہ وہی جنھوں نے عمل ہجرت میں موافقت کی ہو، غیر مہاجر بیویاں اس قید سے نکل گئیں۔

معك۔ میں قید معیت زمانی کی نہیں، مراد صرف عمل مہاجرت میں موافقت سے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وأسلمت مع سليمان۔

ومع ليس للقران بل لوجودها. (مدارك، ص: ٩٤٦)

المعيّة هنا الاشتراك فى الهجرة لافى الصحبة فيها (قرطبى، ج ١٤/ص: ٢٠٨)

۱۱۲ یعنی وہ زن مؤمنہ جو بلا مہر اپنے کو آپؐ کے نکاح میں لے آنا چاہے---- یہ اجازت آپؐ کے لیے مخصوص تھی، جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ

بشرطیکہ نبی (بھی) اسے نکاح میں لانا چاہیں۔ (یہ حکم) آپ کے لیے مخصوص ہے نہ کہ (اور) مومنین کے لیے

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

ہم کو وہ (احکام) معلوم ہیں جو ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی باندیوں کے بارے میں ان پر مقرر کیے ہیں ۱۱۳

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ

تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ (واقع) ہو ۱۱۴

خالصۃ لك من دون المؤمنین۔ آپ کو یہ اجازت تھی، لیکن کبھی آپ نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا، یعنی کوئی نکاح بلا ذکر مہر نہیں کیا۔

ان یستنکحھا۔ استنکاح۔ نکاح کے معنی میں بھی آتا ہے اور طلب نکاح کے معنی میں بھی۔

ای ینکحھا، یقال: نکح واستنکح مثل عجب واستعجب، ویجوز أن یرد الاستنکاح بمعنی طلب النکاح (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۲۱۳)

۱۱۳ (اور جو ہم نے دوسری آیتوں یا روایتوں کے ذریعہ سے بندوں کو بھی معلوم کرادیے ہیں)

خالصۃ لك من دون المؤمنین۔ رسولؐ کے لیے حکم مخصوص (جس میں امت شریک نہیں) یہی تھا کہ آپؐ بلا مہر بھی بیویوں کو اپنے نکاح میں لے سکتے تھے۔ آیت کے اس جزء سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ یہ خاص حکم آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ اور احکام مذکورۂ بالا آپؐ میں اور امت میں مشترک ہیں۔

أخبر أنه مخصوص بذلك دون أمته وأنه وأمته سواء فی من تقدم ذکرھن۔ (جصاص، ج ۳/ص: ۳۶۵)

۱۱۴ یعنی یہ عام مؤمنین کے احکام سے آپؐ کے حق میں بعض امتیازات وتخصیصات آپ کی مخصوص مصلحتوں کے لحاظ سے ہیں تاکہ آپؐ کے مقاصد پیمبرانہ ومصالح میں ہرج واقع نہ ہو۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْٓ اِلَيْكَ

اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۱۵ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں، اور جس کو چاہیں

مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى

اپنے نزدیک رکھیں ۱۱۶ اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا ان میں سے کسی کو پھر طلب کر لیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں، اس (انتظام) میں زیادہ توقع ہے

اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اس کی کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ انہیں دے دیں گے ۱۱۷ اور اللہ خوب جانتا ہے

أخبر تعالیٰ بتوسعته علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی ما أباحه لهٗ وعلی المؤمنین فی ما أطلقه لهم. (جصاص، ج ۲/ص: ۳۶۷)

لکیلا یکون علیك حرج کا ربط نحوی قد علمنا ما فرضنا علیهم فی أزواجهم سے ہے وما ملکت أیمانهم درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ہے۔

۱۱۵ چنانچہ رحیمیت کی بنا پر احکام میں بڑی سہولتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ پھر اگر سہل احکام کی تعمیل میں بھی غفلت ہو جائے تو غفوریت کی بنا پر جب چاہے معاف بھی کر دیتا ہے۔

۱۱۶ یعنی جس کو جتنی مدت تک چاہیں اسے باری نہ دیں اور اپنے سے الگ رکھیں، اور جس کو جتنی مدت تک چاہیں، باری دیتے رہیں اور اپنے پاس ہی رکھیں، یہ آپؐ ہی کی صواب دید و مصلحت پر ہے۔ اس باب میں آپ پر وہ پابندیاں نہیں، جو عام امت پر ہیں۔

ھٰذہ الآیة تدل علی أن القسم بینهن لم یکن واجباً علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وانه کان مخیراً فی القسم لمن شاء منهن وترك من شاء منهن. (جصاص، ج ۳/۳۶۸)

منهن۔ ضمیر ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی جانب ہے ذکر انہی کا ہو رہا ہے۔

۱۱۷ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر ادائے حقوق زوجیت کے باب میں وہ متعدد پابندیاں عائد نہیں، جو عام مسلمین کے لیے ہیں۔ اور بیویوں کو بہت سے معاملات میں آپؐ پر کوئی دعویٰ یا حق ہی نہیں، یہ محض آپ کی خوشی و مصلحت پر ہے کہ آپ فلاں فلاں امور میں ان کی دل جوئی

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ

اے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حلم والا ہے ۱۱۸ ان عورتوں کے بعد آپ کے لیے کوئی

مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ

جائز نہیں ۱۱۹ اور نہ یہی کہ آپ ان بیویوں کی جگہ

درعایت کرتے رہیں، تو جب ازواج مطہرات کا استحقاق ہی باقی نہ رہا تو قدرۃً انھیں رنج بھی بہت کم ہوگا۔ عموماً و عادتاً تو رنج کی بنیاد یہی استحقاق ہی ہوتا ہے---- جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ انتظامات حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں، تو اب بجائے رنج کے تعمیل احکام میں اور مسرت ہوگی۔

لأنهن إذا علمن أن هذا التفويض من عند الله اطمأنت نفوسهن و ذهب التغاير وحصل الرضا (مدارك، ص:۹٤۷)

ذلك۔ یعنی یہی انتظامی سہولتیں اور رعایتیں جو آپ کے حق میں اوپر مذکور ہوئیں---- یا یہ کہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا حکم۔

أى التفويض إلىٰ مشيئتك. (مدارك، ص:۹٤۷)

۱۱۸ وہ اپنے علم کامل سے ہر ایک کی بدگمانیوں اور گستاخانہ خیالات پر بھی مطلع ہے جس کی جب چاہے گرفت کرے، لیکن اپنے کمال حلم سے فوراً گرفت نہیں کرتا۔ سب کو موقع و مہلت دے رہا ہے۔

۱۱۹ (چنانچہ اہل قرابت میں سے غیر مہاجر بیویاں حلال نہیں، اور دوسری عورتوں میں سے غیر مؤمنات حلال نہیں)

من بعد۔ یعنی ان بیویوں کے علاوہ جن کے اوصاف ابھی بیان ہو چکے۔

قال عكرمة والضحاك: معنى الآية لايحل لك النساء إلا اللاتى أحللنا لك بالصفة التى تقدم ذكرها. (معالم، ج۳/ص:٦٥٤)

أى من بعد الأصناف التى سميت قاله أبى بن كعب وعكرمة وأبو رزين وهواختيار محمد بن جرير. (قرطبى، ج١٤/ص:۳۲۰)

مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ

دوسری کرلیں ۱۲۰ چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے، مگر ہاں بجز ان کے کہ جو آپ کی باندیاں ہیں،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا

اور اللہ ہر شے کا (پورا) نگراں ہیں۔ ۱۲۱ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو

۱۲۰ ''اس طرح سے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور بجائے ان کے دوسری کرلیں، اور یوں بدون ان کے طلاق دیے ہوئے اگر کسی سے نکاح کرلیں تو اس کی ممانعت نہیں۔ اسی طرح اگر بلا قصد تبدل کسی کو طلاق دیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ لفظ تبدل اس مجموعہ کی ممانعت پر دال ہے، پس یہ تبدل ممنوع ہے''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۱۴)

عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ شوہر شوہر اپنی بیویوں کا تبادلہ آپس میں کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے آیت کے تحت میں اس رواج جاہلیت کا بھی ذکر کیا ہے۔

كانت العرب في الجاهلية يتبادلون بأزواجهم، يقول الرجل للرجل: بادلني بامرأتك وأبادلك بامرأتي (معالم، ج ۳/ص: ۶۵۴)

قال ابن زيد: هذا شيء كانت العرب تفعله يقول أحدهم خذ زوجتي وأعطني زوجتك. (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۲۲۰)

۱۲۱ (تو اس کو اس کی بھی پوری خبر رہتی ہے کہ کون کس کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اور اس سے تاثیر میں قصد و اختیار کو کتنا دخل ہے)

إلا ما ملكت يمينك۔ اس استثناء نے باندیوں میں تبدل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز کردیا۔

ولو أعجبك حسنهن۔ قرآن مجید نے اول تو اسے محض بطور احتمال فرض کیا ہے۔ اور احتمالات اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر بھی فرض کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے فرض کیے بھی ہیں، لیکن اگر تحقق واقعۃً بھی کبھی ہو جاتا، جب بھی محض اتنے میں کہ کسی نامحرم کے چہرے پر نظر

بُيُوتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ

بجز اس وقت کے جب تمہیں کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے (اور جب بھی) ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، البتہ

اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ

جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو ۱۲۲ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو

پڑ گئی، اور اس چہرے کی زیبائی ادراک میں بھی آگئی، کوئی قباحت شرعی نہیں، یہ تو ایک امر غیر اختیاری ہوا۔ مذموم جو کچھ ہے وہ بالقصد نظر کرنا اور بالقصد اس سے لذت حاصل کرنا ہے۔

فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ نامحرم کے چہرے پر نظر کرنی جائز ہے، جب کہ اس سے یہ تاثر حسن نہ پیدا ہوتا ہو۔

يدل على جواز النظر إلى وجه المرأة الأجنبية إذ لا يعجبه حسنها. (جصاص، ج ۳/ص: ۳٦۹)

فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کا دیکھنا جائز ہے۔

في هذه الآية دليل على جواز أن ينظر الرجل إلى من يريد زواجها. (قرطبی، ج ١٤/ص: ٢٢٢)

اور بعض نے اجازت سے بڑھ کر اس کو ارشاد کے معنی میں لیا ہے۔

الأمر بالنظر إلى المخطوبة إنما هو على جهة الإرشاد إلى المصلحة. (قرطبی، ج ١٤/ص: ٢٢٢)

۱۲۲ مطلب یہ ہے کہ اوّل تو بے دعوت جاؤ مت، اور دعوت پر جاؤ، جب بھی اتنا قبل سے مت پہنچ جاؤ۔

بعض لوگ خدمت رسول میں کھانا کھانے کے لیے جاتے اور بہت قبل سے جا کر بیٹھ جاتے اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہتے، آپؐ مروّت کی بنا پر زبان سے تو کچھ نہ فرماتے، لیکن طبعاً گرانی ضرور ہی محسوس فرماتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تہذیب مجلسی و آئین منزلی شریعت اسلامی کے اہم مقاصد میں سے ہے، قرآن کو اس باب میں ہدایات دینا ضرور تھا۔

فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ گو نزول آیت آداب نبوی میں سے ہے مگر حکم عام ہے۔

وهذا الحكم وإن نزل خاصاً فى النبى صلى الله عليه وسلم وأزواجه فالمعنى عام فيه وفى غيره. (جصاص، ج ۳/ص: ۳۷۰)

''یہ بتصریح علماء سرکار نبوی کے ساتھ خاص نہیں، یعنی اس قسم کی جو بات کسی کو گراں و ناگوار ہو، وہ ناجائز ہے''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۱۸)

إلا أن يوذن لكم۔ گھر میں کسی کے بھی بے اذن نہ جانا چاہئے، اور آستانہ نبویؐ پر اذن کی اہمیت تو بدرجۂ اولی ہے۔ کسی کے کھانے میں نظر لگانا اور بے بلائے دعوت میں طفیلی بن کر جانا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی کے گھر میں بے ضرورت اور خلاف اذن دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں۔

حقوق جس طرح مہمان کے ہیں، میزبان کے بھی ہیں۔ کسی مہمان کو یہ حق نہیں کہ اپنے کسی قول و فعل سے صاحب خانہ کو ایذا پہنچائے۔

بیوت النبی۔ بیوت کی اضافت نبی کی جانب کی گئی ہے۔ حالانکہ چند ہی آیتیں قبل واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن میں بیوت کی اضافت ازواج نبی کی جانب کی گئی تھی۔ دونوں اضافتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ وہ گھر رسول اللہ کے بھی تھے، اس معنی میں کہ آپ ہی ان گھروں کے مالک تھے اور وہ گھر بیوی صاحبوں کے بھی تھے، اس معنی میں کہ مسکن انھی کے تھے۔

إضافة البيوت إلى النبى إضافة ملك، وإضافة البيوت إلى الأزواج إضافة محل.

(ابن العربی، ج ۳/ص: ۶۱۲)

بدليل أنه جعل فيها الإذن للنبى صلى الله عليه وسلم والإذن إنما يكون للمالك. (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۲۲۵)

اس سے قطع نظر ایک فرق کھلا ہوا ہے۔ وہاں مقصود تو ازواج کرام کو ان کے مسکنوں کے شرف و احترام کی یاددہانی تھی اس لیے رسولؐ کے گھر کو ان بیویوں ہی کا گھر کہنا مناسب و موزوں تھا۔ اس کے برعکس یہاں لوگ جس گھر میں جمع ہو رہے تھے وہ رسولؐ ہی کے گھر کی حیثیت سے جمع ہو رہے تھے اس لیے یہاں رسول ہی کا گھر کہنا مناسب تھا۔

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي

اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں ۱۲۳ اور اللہ صاف بات کہنے سے (کسی کا)

مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ

لحاظ نہیں کرتا۔ ۱۲۴ اور جب تم اُن (رسول کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردے کے باہر سے مانگا کرو ۱۲۵

نظرین انہ۔انی۔ کے معنی وقت کے ہیں،اور ناظر وہ ہے۔جس کا دل کھانے کی طرف اٹکا ہے۔

معناه غير منتظرين وقته، والناظر هو المنتظر، والإني هو الوقت. (ابن العربی، ج۳/ص:٦١٤)

۱۲۳ (اس لیے صاف صاف نہیں کہتے)

آیت سے رسول اللہ کا کمال ذی مروت ہونا ظاہر ہے، امتی ظاہر ہے کہ سب آپؐ سے چھوٹے اور کتنا چھوٹے تھے، ان تک کا آپ اتنا لحاظ فرماتے رہتے تھے۔

۱۲۴ (اس لیے تم سے صاف صاف کہا جارہا ہے)

اس سے یہ شبہ نہ گزرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اعلان حق سے مروت مانع ہوجاتی تھی۔ ’’اصل یہ ہے کہ جس حق کا اظہار واجب ہے وہ حق للہ ہے اور جس سے آپ کا استحیا واقع ہوا وہ حق للنفس تھا کہ اپنے اوپر کلفت اٹھائی۔اس سے حکم شرعی کا اخفا لازم نہیں آتا کہ منشا وسوسہ ہو‘‘۔(تھانوی، ج۲/ص:۳۱۸)

۱۲۵ یعنی اتنا پردہ تو ضرورت کے وقت بھی رہنا چاہئے اور بلا ضرورت تو اس کا اہتمام اور اشد ہے۔

المراة كلها عورة، بدنها وصوتها كما تقدم، فلايجوز كشف ذلك إلالحاجة كالشهادة عليها، أوداء يكون ببدنها أوسوالها عما يعرض وتعين عندها. (قرطبی،ج ١٤/ص:٢٢٧)

یہ حکم بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں۔حجاب ہر نامحرم سے لازم ہے۔

ويدخل في ذلك جميع النساء بالمعنى(قرطبی،ج ١٤/ص:٢٢٧)

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا

یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے ۱۲۶ اور تمہیں جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو (کسی طرح بھی)

رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ

تکلیف پہنچاؤ ۱۲۷ اور نہ یہ کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو ۱۲۸ بے شک یہ

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے ۱۲۹ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے (دل میں) پوشیدہ رکھو گے، تو اللہ

كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآئِهِنَّ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۱۳۰ اُن (رسول کی ازواج) پر کوئی گناہ نہیں (سامنے آنے میں) اپنے باپوں کے، اپنے بیٹوں کے

۱۲۶ (جیسا کہ اب تک بھی جانبین کے دل پاک رہے ہیں)

لفظ اطھر سے یہ نکتہ بھی نکالا گیا ہے کہ نفس طہارت تو تقویٰ ہی سے پیدا ہو جاتی ہے لیکن طہارت مزید یعنی خطرات قلب بھی دور ہو جائیں اس کا ذریعہ نامحرموں سے حجاب ہے۔

۱۲۷ کوئی مسلمان دانستہ وارادۃً تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ایذا پہنچانے کا خیال بھی نہیں لا سکتا۔ حکم سے مراد یہ ہے کہ اس کا اہتمام خاص رکھو، یہ نہ ہو کہ اپنی بے خیالی، بے توجہی، کم غوری کی بنا پر اپنے کسی قول وفعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ناگواری وگرانی کے باعث بن جاؤ۔

۱۲۸ (کہ یہ بھی ایک فرد اسی نادانستہ ایذائے رسول کی ہے اور اس ممانعت میں رسول کے کمال شرف واحترام کا اظہار ہے)

۱۲۹ (کہ تم اپنی ماؤں، امت کی ماؤں سے متعلق سے ایسا خیال بھی دل میں لاؤ)

۱۳۰ (اور ہر شخص سے اپنے اسی علم محیط وکامل کے مطابق معاملہ کرے گا)

یہاں چیزوں کے ابدا واخفا دونوں کا تعلق ایذائے رسولؐ سے ہے یعنی کوئی بھی ایسی چیز کرو گے جس سے رسول اللہ کو اذیت ہو تو خواہ اسے کھلم کھلا کرو، خواہ پوشیدہ رکھو، حق تعالیٰ کو بہر حال اس کی اطلاع رہے گی۔

وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَـآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَـآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ

اور اپنے بھائیوں کے اور اپنے بھتیجوں کے اور اپنے بھانجوں کے اور اپنی (شریک دین) عورتوں کے

وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور نہ اپنی باندیوں کے اور اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر

شَهِيْدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

حاضر ناظر ہے۔ ۱۳۱ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو!

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ

تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو ۱۳۲ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو

۱۳۱ (اس لیے ان تمام احکام کی نگہداشت لازمی ہے)

اوپر ازواج رسولؐ کے حجاب کا حکم مذکور ہو چکا۔ اب بیان یہ ہوا کہ فلاں فلاں کے سامنے، بلا حجاب آجانا درست ہے لیکن حصر ان میں مقصود نہیں۔ محرموں کا ذکر سورۃ النور:۳۱ میں بھی آچکا ہے۔

۱۳۲ اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ بندوں یعنی فرشتوں اور انسانوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ انھیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اس رحمت خاص کی دعا کرتے، اور اسے ان کے حق میں طلب کرتے رہیں۔ اسی کو ہماری زبان میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔

الصلوٰة من الله هي الرحمة ومن العباد الدعاء (جصاص، ج۳/ص: ۳۷۰)

الصلوٰة من الله رحمته ورضوانه، ومن الملئكة الدعاء والاستغفار ومن الأمة الدعاء والتعظيم لأمره (قرطبی، ج۱۴/ص: ۲۳۲)

یصلون۔ صلوٰۃ سے یہاں مراد رحمت عام نہیں، رحمت خاص ہے، نبی کے شایان شان۔

یا...... تسلیماً۔ مومنین کو ذات رسالت کے ساتھ اس طریقہ پر جو ربط پیدا ہو سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ میں بھی ان دعاؤں سے ترقی و اضافہ ممکن ہے۔

''آپ پر سلام بھیجنے کے معنی مجموعہ دو امر کا ہے: ایک دعا ہے سلامت عن الآفات کی۔ دوسرے ثنا ہے، جو اس دعا کے لیے لازم ہے، کیوں کہ عرفاً یہ صیغہ مخصوص مستحق ثنا ہی کے لیے ہے جو اس دعا کے لیے لازم ہے۔ پس حالت حیات میں تو دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے، اور بعد وفات مجرد معنی ثانی رہ جاتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۱۹)

''چونکہ اس مقام کے مطالعہ کے وقت احتمال ہے کہ شاید ناظرین کو قصداً صلوٰۃ وسلام سے ذہول ہو جائے اس لیے ایک مختصر صیغہ عبارت میں لکھ دینا بھی مناسب ہے کہ کبھی ہوا تو ضرور ہی پڑھیں گے۔

"اللهم صلى على سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد وبارك وسلم" (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۱۹)

درود کے واجب ہونے پر تو ہر مذہب کے فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن فقہائے حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ عمر میں ایک بار بھی اگر پڑھ دیا تو فرض ادا ہو گیا۔

قد تضمن الأمر بالصلوٰة على النبی ﷺ وظاهره يقتضي الوجوب وهو فرض عندنا فمتىٰ فعلها الإنسان مرة واحدة فی صلاة أو غير صلاة فقد أدّى فرضه وهو مثل كلمة التوحيد والتصديق بالنبی ﷺ متى فعله الإنسان مرة واحدة فی عمره فقد أدّى فرضه (جصاص، ج ۳/ص: ۳۷۰)

لاخلاف للعلماء فی أن هذا الامر للوجوب وإنما الخلاف فی أوقاته وأعداده فعندمالك والطحاوی يجب فی العمر مرة والباقی مندوب (احمدی، ص: ۶۳۳)

ولاخلاف فی أن الصلاة عليه فرض فی العمر مرة (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۲۳۲)

علی النبی۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم ذات محمدؐ لانے کے، جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرات انبیاء کے معاملے میں ہے، اسم صفت النبی لانا آپؐ کے مزید اعزاز و اکرام کے لیے ہے۔

وعبر بالنبی دون اسمه ﷺ على خلاف الغالب فی حكايته تعالىٰ عن أنبيائه عليهم السلام اشعاراً بما اختص به ﷺ من مزيد الفخامة والكرامة وعلو القدر. (روح، ۲۲/ص: ۷۵)

رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾

ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ۱۳۳ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا

اور جو لوگ ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ایمان والوں کو اور ایمان والیوں کو بدون اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو، تو وہ لوگ بہتان

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اور صریح گناہ کا بار (اپنے اوپر) لیتے ہیں ۱۳۴ اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے

یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ

کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی ۱۳۵ اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی

۱۳۳ (قصداً) ظاہر ہے کہ قصد کے ساتھ رسول کو ایذا پہنچانا صرف کافروں اور منافقوں کا کام ہو سکتا ہے، چنانچہ آگے وعیدیں انھی کے حق میں ہیں، جو مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بے خیالی سے بلا ارادہ ایذائے رسول کا سبب بن جاتے تھے ان کا ذکر اوپر گزر چکا ---- یا یوں کہا جائے کہ مقصود کلام ایذائے رسول ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ عطف رسول کے اعزاز و اکرام کے لیے ہے۔

اللہ ورسولہ۔ ایذائے رسول کے ساتھ ایذائے الٰہی کو ضم کر دینا ایذائے رسول کی اہمیت و اشدیت کے اظہار کے لیے ہے۔ اللہ کو ایذا پہنچانا یہی ہے کہ اس کی مرضیات کے خلاف عمل کیے جائیں۔

أی یؤذون رسول اللّٰه وذکر اسم اللّٰه للتشریف (مدارك، ص: ۹۵۰)

أو عبر بإیذاء اللّٰه ورسوله عن فعل ما لا یرضیٰ به اللّٰه ورسوله كالكفر. (مدارك، ص: ۹۵۰)

۱۳۴ مسلمانوں کو اخلاق و اعلیٰ معاشرت کی تعلیم مل رہی ہے۔

بغیر ما اکتسبوا۔ یعنی بغیر اس کے کہ انھوں نے کوئی ایسی بات کی ہو جس سے سزا و ملامت کے واقعی مستحق ہو جائیں۔ اس قید کے لگ جانے سے تادیب و سیاست حسب قواعد شرعی کا جواز نکل آیا۔

۱۳۵ یعنی جب ضرورۃً باہر نکلنا ہو، تو اپنی چادریں اپنے اوپر سروں سے ذرا لٹکا لیا کریں، تاکہ چہرہ کے اطراف تو خوب ڈھک جائیں اور خود چہرہ کی ٹکیا بھی ایک حد تک۔ ہمارے ملک میں اسی کو گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں۔

فَلَا يُؤْذَيْنَ ط

اور اس لیے انھیں ستایا نہ جائے گا ۱۳۶

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ محل فتنہ پورا چہرہ مع اطراف وجوانب کے ہے نہ یہ کہ ملحقات چہرہ کو چھپا کر صرف چہرے کی ٹکیا کھلی رہنے دی جائے، کوئی عضو بجائے خود کیسا ہی حسین ہو، دوسروں کو متاثر جب ہی کر سکتا ہے جب وہ اپنے حسنِ تناسب کو ظاہر کر رہا ہو، اور اس حسن تناسب کا اظہار جبھی ممکن ہے جب اس عضو کے ملحقات بھی کھلے ہوں۔

من جلابیبھن۔ جلابیب جمع ہے جلباب کی اور جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کے ڈھانپنے کے کام آجائے۔

وھو ثوب أکبر من الخمار...... والصحیح أنه الثوب الذی یستر جمیع البدن.

(قرطبی، ج ١٤/ص: ٢٤٣)

اس قسم کے سارے احکام کا ماحصل عورت کے حجاب کامل کی تاکید ہے، بخلاف جاہلی تہذیبوں کے جہاں عورت کی نیم برہنگی ہی فیشن میں داخل رہی ہے اور آج بھی ہے۔ مفسرین نے آیت کے ذیل میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کی کچھ بیبیاں حاضر ہوئیں جو لباس بہت باریک پہنے ہوئے تھیں۔ حضرت صدیقہؓ نے انھیں ڈانٹا کہ کیسی مسلمان ہو، جو یہ نامسلموں کا لباس پہنے ہوئے ہو۔

ودخل نسوۃ من بنی تمیم علیٰ عائشة رضی اللہ عنھا علیھن ثیاب رقاق، فقالت: عائشة إن کنتن مؤمنات فلیس ھذا بلباس المؤمنات (قرطبی، ج ١٤/ص: ٢٤٤)

۱۳۶ یعنی اس شریفانہ لباس سے ہر شخص کو اول نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف عزت دار بیبیاں ہیں، بے حیا نہیں ہیں اور اس لیے ان سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت راہ چلتے ہوئے بدمعاشوں کو نہ ہوگی۔ عورت کی عصمت کے تحفظ میں بڑا دخل اس کی وضع ولباس کے وقار کو ہے جو عورت اپنے وضع وقطع وپوشش سے آوارہ معلوم ہوتی ہے اسے دیکھ کر محض لفنگوں اور بدمعاشوں ہی کے نہیں، بلکہ دوسروں کی طبیعتوں میں بھی گدگدی پیدا ہوتی ہے، بخلاف اس کے جس عورت کی وضع

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ

اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۳۷ اگر منافقین اور وہ لوگ نہ باز آئے جن کے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ

دلوں میں روگ ہے ۱۳۸ اور جو مدینہ میں افواہیں اُڑایا کرتے ہیں ۱۳۹ تو ہم ضرور آپ کو ان پر

قطع، چال ڈھال سنجیدہ، حیادارانہ وشریفانہ ہے اور وہ اپنا رکھ رکھاؤ قائم کیے ہوئے ہے اسے چھیڑنے کی ہمت بدمعاشوں کو بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔

فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ جوان عورت پر نامحرموں سے اپنے چہرے کا پردہ واجب ہے، اور یہ بھی واجب ہے کہ جب باہر نکلے تو پردے کا اہتمام کرے۔

فی هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين واظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا يطمع أهل الريب فيهن (حصاص، ج۳/ص:۳۷۲)

۱۳۷ (جو خواہ مخواہ اور بہت سختی سے گرفتیں نہیں کرتا رہتا)

چنانچہ اس سر اور چہرے کے ڈھانپنے کے حکم میں اگر بلا قصد کچھ کمی یا بے احتیاطی رہ جائے گی تو اسے معاف کردے گا۔

۱۳۸ (روگ آوارگی کا، یا تاک جھانک کا)

والذين في قلوبهم مرض۔ مرض سے مراد ایمان کی کمزوری ہے۔

وهو ضعف اليقين (حصاص، ج۳/ص:۳۷۲)

وهم قوم كان فيهم ضعف إيمان وقلة ثبات عليه (روح، ج۲۲/ص:۹۰)

یہ وہ لوگ تھے جو مسلم کنیزوں سے راستے اور گلی میں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، اور کبھی کبھی ان کے شبہ میں، مسلم معزز وشریف عورتوں سے بھی۔

۱۳۹ جھوٹی چھوٹی اور پریشان کرنے والی۔ مثلاً یہ کہ فلاں غنیم چڑھائی کرنے کو ہے ---آج کل کی اصطلاح میں، مسلم اسٹیٹ کو جنگ اعصابی میں مبتلا کرنے والے---یہ لوگ اپنے اس پروپیگنڈے سے مسلمانوں پر اہل کفر کی دہشت اور رعب خواہ مخواہ طاری کرتے رہتے تھے۔

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٦٠ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا

مسلط کریں گے ١٣٩ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے پائیں گے (اور وہ بھی) پھٹکار پڑے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل گئے

اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝٦١ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ

پکڑ لیے گئے اور ان کے ٹکڑے اڑا دیے گئے ١٤١ اللہ کا یہی دستور رہا ہے ان لوگوں میں بھی جو (ان سے) پیشتر گزر چکے ہیں اور آپ اللہ کے

وآخرون ممن لا بصيرة له فى الدين...... يرجفون باجتماع الكفار والمشركين وتعاضدهم ومسيرهم إلى المؤمنين فيعظمون شأن الكفار بذلك عندهم ويخوفونهم.

(جصاص، ج ٣/ص: ٣٧٢)

١٤٠ (کہ آپ ایسے نالائقوں سے اپنے شہر کو پاک کر کے رہیں) آیت کے اس ٹکڑے سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم کنیزوں اور باندیوں سے بھی چھیڑ چھاڑ ایسی چیز نہ تھی، جسے گوارا کر لیا گیا تھا، یا جس کا انتظام نظر انداز ہو گیا تھا۔

لنغرینک...... بهم۔ فقہاء نے کہا ہے کہ مومنین کے درمیان وحشتناک افواہیں اور مومنین کو تکلیف پہنچانے والی خبریں پھیلانا اس کا مستوجب ہے کہ اس کا مرتکب سزا پائے اور شہر بدر کیا جائے، جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔

وفى هذه الآية دلالة على أن الارجاف بالمؤمنين والاشاعة بما يغمهم ويؤذيهم يستحق به التعزير والنفى إذا اصرّ عليه ولم ينته عنه (جصاص، ج ٣/ص: ٣٧٢)

١٤١ نفاق کی حقیقت بھی کفر ہی ہے، اس پر صرف پردہ اسلام کا پڑا ہوتا ہے، اس لیے منافقوں کے ساتھ معاملہ اصلاً وہی ہونا چاہئے تھا جو کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پناہ تو صرف اظہار اسلام کی بنا پر حاصل رہتی ہے، جب علانیہ مخالفتیں کرنے لگے تو یہ مانع بھی اٹھ گیا، اور ان کے ساتھ معاملہ وہی ہوگا جو کفر کا مقتضائے اصلی ہے یعنی اخراج، قید، قتل سب جائز ہے۔ (تھانویؒ۔ ملخصاً، ج ٢/ص: ٣٢٣)

إلا قليلا۔ قدرے قلیل یعنی جب ان کے اخراج کا حکم ہوگا، تو اس کے لیے ایک مدت بھی متعین ہو جائے گی۔ اتنی مدت کے لیے بسبب معاہدے کے مامون رہیں گے، اس کے بعد جہاں ملیں گے، قید و قتل کی اجازت ہوگی (تھانویؒ ملخصاً، ج ٢/ص: ٣٢٣)

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا

دستور میں رد و بدل نہ پائیں گے ۱۴۲ (یہ) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں ۱۴۳ آپ کہہ دیجیے، اس کا علم

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

تو بس اللہ ہی کو ہے اور عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہو بے شک اللہ نے

لَعَنَ الْكٰفِرِينَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِينَ فِيهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُونَ

کافروں کو رحمت سے دور کر دیا ہے ۱۴۴ اور ان کے لیے دوزخ تیار کر دی ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، نہ کوئی یار پائیں گے

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ

اور نہ مددگار، جس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے، وہ یوں کہیں گے

يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا

کہ کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی، اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں

وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ

اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، سو انھوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا، اے ہمارے پروردگار! انھیں دُہرا عذاب دے

وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿۶۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ اٰذَوْا

اور ان پر بڑی ہی لعنت نازل کر ۱۴۵ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰ کو

---

۱۴۲ یعنی باغیوں، غداروں کے ساتھ یہی معاملت قدیم آسمانی شریعتوں میں بھی رہی ہے، آپ کو کوئی نیا حکم نہیں مل رہا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۱۴۳ (کہ کب آئے گی)

وقت قیامت سے متعلق یہ سوال، براہ طنز و اعتراض منکروں کی زبان سے ہو رہا تھا۔

۱۴۴ یعنی رحمت خاصہ سے، دنیا و آخرت دونوں میں۔ اور اسی لعنت ہی کا اثر دنیا میں قید و قتل ہے اور آخرت میں عذاب جہنم۔

۱۴۵ تینوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جب دوزخ میں کافر ڈالے جائیں گے اور گھسیٹے

مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ۶۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ایذا پہنچائی تھی ۱۴۶ سو اللہ نے انھیں بری ثابت کردیا ۱۴۷ اور اللہ کے نزدیک وہ بڑے معزز تھے۔ ۱۴۸ اے

جائیں گے جس سے ان کے چہرے الٹ پلٹ ہونے لگیں گے، تو کمال حسرت کا اظہار اپنے اسلام نہ لانے پر کریں گے اور کمال غضب کا اپنے گمراہ کرنے والے اکابر پر۔

یٰلیتنا .... الرسولا۔ آخرت میں کام آنے والی شے صرف اطاعت خدا و اطاعت رسول نکلے گی، باقی ہیچ۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بڑوں کی مطلقاً تقلید ہرگز کوئی عذر نہیں، اور آج کل کے بدعات اختیار کرنے والے اپنے مشائخ کے رسوم سے اکثر تمسک کیا کرتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۲۳)

۱۴۶ (طرح طرح کی تہمتیں لگا کر)

بنی اسرائیل کا معاملہ اپنے سردار و پیمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عجیب و غریب تھا۔ یہ لوگ طرح طرح انہیں چھیڑتے۔ ہر ہر طرح ان کی نافرمانی کرتے۔ عجیب عجیب طرح انہیں غضب میں لاتے۔ یہاں ممکن ہے کہ اشارہ کسی خاص واقعے کی جانب ہو، یا اسی عام مفسدانہ روش سے متعلق۔

آیت میں اشارہ نکلتا ہے ایذائے رسول اللہ کی حرمت کا، خواہ وہ ایذا براہ راست ذات رسول سے متعلق ہو یا بواسطۂ اصحاب و ازواج وغیرہ۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں عام مسلمانوں کو بھی ممانعت ہے، جو اولیائے متقین کو ایسے امور کی تہمت سے تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں، جن کی ان کو خبر بھی نہیں۔ (مسائل السلوک، ج ۲/ص: ۱۲۵)

۱۴۷ (ہر ہر الزام اور تہمت سے جو آپ پر لگاتے رہتے تھے)

چنانچہ نقصان آپ کو تو کچھ نہ پہنچا، مستحق عذاب وہی تہمت لگانے والے ٹھہرے۔

۱۴۸ (چنانچہ اللہ نے ان کی براءت ظاہر فرمادی، اور آج تک ان کا نام دنیا میں روشن چلا آرہا ہے)

وجیہاً۔ وجیہ کے معنی عربی میں بڑے معزز، صاحب منزلت کے آتے ہیں۔

الوجیه عندالعرب، العظیم القدر الرفیع المنزلة۔ (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۲۵۲)

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

ایمان والو! اللہ سے ڈرو ۱۴۹ اور راستی کی بات کہو ۱۵۰ (اللہ) تمہارے اعمال قبول کرے گا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور تمہارے گناہ معاف کردے گا ۱۵۱ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی

آپ کی وجاہت آخرت میں تو انشاءاللہ دوست و دشمن سب ہی کو نظر آجائے گی۔ باقی آج یہ حال ہے کہ ساری دنیا آپ کو ایک مقننِ اعظم (A Great Low giver) سمجھ رہی ہے اور دنیا کے تینوں کتابی مذاہب یہودیت، اسلام، مسیحیت آپ کے پیمبر برحق ہونے پر متفق ہیں۔

۱۴۹ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خوفِ خدا کو بطور حال اپنے اوپر طاری کرلو۔ خطاب ایمان والوں سے ہے۔ ایمان کی دولت تو انہیں حاصل ہی ہے، اب ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ مرتبۂ تقویٰ بھی حاصل کرو۔

۱۵۰ یعنی افراط وتفریط سے الگ اور عدل واعتدال کے مطابق بات جچی تلی اور پکی منھ سے نکالو۔ "قول سدید" تو خود بھی تقویٰ ہی کی ایک فرد ہے، خصوصیت کے ساتھ اس کے الگ بیان کرنے سے مقصود زبان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے۔ جہاں تک اعضاو جوارح کا تعلق ہے جو اہمیت ومرکزیت وہمہ جہتی زبان کو حاصل ہے، کسی اور عضو کو نصیب نہیں، اور یہ اگر قابو میں آگئی تو انسان گناہوں کی کتنی بڑی تعداد سے بچ سکتا ہے۔

۱۵۱ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ آیت وعدۂ الٰہی ہے کہ تقویٰ قول صادق پر اصلاح اعمال اور مغفرت ذنوب مرتب ہوگی، اور وعدۂ الٰہی میں تخلف محال ہے۔

وعد عزوجل بأنه يجازى على القول السديد بإصلاح الأعمال وغفران الذنوب، وحسبك بذلك درجة ورفعة منزلة. (قرطبی، ج۱۴/ص:۲۵۳)

انسان کی عادت اگر بات صحیح اور سچی، جچی تلی اور پکی کہنے کی پڑجائے تو اس کی برکت سے سارے ہی اعمال زندگی درست ہو جائیں گے، اور باقی جو رہ گئے، ان کی مغفرت بآسانی ہو جائے گی۔

فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا ۱۵۲ ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین

وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا

اور پہاڑوں پر پیش کی ۱۵۳ سوان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں

۱۵۲ دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کے کامیاب دستور العمل ہی کا نام شریعتِ اسلامی ہے۔ اسے چھوڑ کر اور کسی طریق پر کامیابی کی راہ ڈھونڈنا سعی بے حاصل میں پڑنا ہے۔

۱۵۳ (ان میں بقدر ضرورت شعور پیدا کرکے)

الأمانة۔ کے معنی میں اختلاف بہت کچھ منقول ہے، لیکن بیشتر اختلافات ایسے ہیں کہ ان کے درمیان تطبیق بآسانی ممکن ہے۔ مثلاً راغب ہی نے اپنی لغت میں دو مختلف معنی لکھے ہیں: ایک توحید کے، دوسرے عقل کے اور ترجیح دوسرے معنی کو دی ہے۔

قيل هى كلمة التوحيد، قيل العقل وهو صحيح.........وبه فضل على كثير ممن خلقه.

(راغب، ص:۳۳)

لیکن جس سیاق میں لفظ أمانة آیا ہے اس کے لحاظ سے توحید و عقل میں کوئی تضاد و تناقض نہیں۔ توحید الٰہی تو اصل فریضہ ہے، اور عقل اسی توحید کی معرفت و شناخت کا آلہ و معیار، عقل و قوت امتیاز ہی کی بنا پر تو احکام الٰہی انسان پر فرض ہوتے ہیں۔

اسی امانت کا بار اُٹھالینا ہی رحمت کا موجب ہے، اور اس کا ضائع کرنا ہی تعذیب کا سبب ہے۔ احکام کی تشبیہ امانت سے دینے سے غالباً مقصود اُن کی ادائی کا وجوب ہے۔ اور أمانة سے مراد طاعت ہی کا ہونا اکثر اہل تحقیق سے منقول ہے۔ یا پھر اصول و ارکان دین۔

يعنى بالأمانة الطاعة (ابن كثير۔ عن ابن عباس، ج۳/ص:۴۸۶)

قال مجاهد: الأمانة الفرائض وحدود الدين. (معالم، ج۳/ص:۶۶۸)

وقال أبو العالية ما أمروا به ونهوا عنه. (معالم، ج۳/ص:۶۶۸)

وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ

اور وہ اس سے ڈرے، ١٥٤ اور اسے انسان نے اپنے ذمہ لے لیا ١٥٥

والأمانة تعم جميع وظائف الدين على الصحيح من الأقوال (قرطبی، ج ١٤/ص:٢٥٣)

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی تحقیق میں امانت سے مراد تجلی ذاتی کی استعداد و قابلیت ہے۔ جنات عبادت سے صالح بن جاتے ہیں اور ملائکہ عصمت سے مقرب ہیں۔ مگر انوار صفات سے صعود کر کے تجلی ذات سے یہ دونوں اصناف بھی مشرف نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ تحمل نور ممکن نہیں بغیر ترکیب عنصر خاک کے۔ قیام انوار اجسام شفاف پر نہیں ہو سکتا، اس کے محمل و محتمل اجسام کثیف ہی ہو سکتے ہیں۔ یہی نکتہ ہے کہ خلاف دنیوی کے قابل عنصر خاک ہی قرار پایا۔

١٥٤ یعنی اس کے نہ اٹھ سکنے اور اپنے انجام سے ڈرے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے سوا باقی اور قوی سے قوی مخلوق نے اس کی ذمہ داریوں کے ڈر سے قوت، ارادہ و اختیار کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

أشفقن۔ کی صراحت سے یہ حقیقت صاف ہو گئی کہ یہ اباء و انکار کسی تمرد و شرارت سے نہ تھا، بلکہ تمام تر خشیت پر مبنی تھا۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش سے خطاب ہوا کہ تم یہ امانت اور جو کچھ اس میں ہے اٹھاؤ گے؟ عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نیکی پر اجر و ثواب اور بدی پر مواخذہ و عذاب، اس پر ان سب نے عذر کر دیا۔ پھر اسی طرح زمین سے پھر پہاڑوں سے خطاب و جواب ہوا۔ (ابن کثیر، ج ٣/ص:٤٨٦-٤٨٧)

اور ابن جریج کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ یہ معاملہ تین دن تک پیش رہا، اور سب نے بکمال خشیت عذر کیا کہ اے پروردگار! ہم تو محض تابع اور حکم بردار ہیں، ہم عذاب و ثواب نہیں چاہتے۔ (ابن کثیر، ج ٣/ص:٤٨٧)

١٥٥ (بغیر عواقب کا پورا لحاظ کیے ہوئے)

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ

بے شک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے ۱۵٦ انجام یہ ہوا کہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ

اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا، اور ایمان والوں اور ایمان والیوں پر توجہ فرمائے گا ۱۵۷

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔ ۱۵۸

الانسان سے مراد جنس انسانی ہے، جیسا کہ بعض دوسری آیتوں میں بھی انسان اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً إن الإنسان لربه لكنود یا إن الإنسان ليطغى۔

أى هذا الجنس (روح، ج ۲۲/ص: ۹٦)

۱۵٦ ظلوماً یعنی اپنی عملی زندگی میں بڑا حق ناشناس۔

جھولاً۔ یعنی اپنی اعتقادی زندگی میں بڑا کوتاہ اندیش۔

۱۵۷ (رحمت ومغفرت کے ساتھ)

یعنی انسان کے اس انتخاب کا، اور بار امانت قبول کرلینے کا انجام یہ ہوا کہ ایک طبقہ اہل شرک ونفاق کا قرار پاگیا، اور ایک دوسرا طبقہ اہل ایمان کا، ایک اہل جہنم کا ایک اہل جنت کا۔

لیعذب میں ل عاقبت کا ہے۔

لیعذب الخ کا ربط نحوی حملها الإنسان سے ہے۔ إنه كان ظلوماً جهولاً درمیان میں بطور جملہ معترضہ آگیا ہے۔

واللام متعلقة بحمل أى حملها ليعذب العاصى، ويثيب المطيع فهى لام التعليل لأن العذاب نتيجة حمل الأمانة (قرطبى، ج ١٤/ص: ٢٥٨)

۱۵۸ (چنانچہ جو احکام کی خلاف ورزی کر کے پھر باز آجاتے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہ معاملہ مغفرت ورحمت کا کرنے لگتا ہے)

(۳۴)

رکوعاتها ٦
٦ رکوع

سُوْرَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ

سورۃ سبا مکی

اٰیاتها ٥٤
۵۴ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ

(ساری) حمد اللہ ہی کے لیے ہے کہ اسی کی مِلک ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اسی کی حمد ہے

فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ

آخرت میں، اور وہی بڑا حکمت والا ہے بڑا خبر رکھنے والا ہے ۱ وہ (سب) جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے

مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ②

اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، اور بڑا رحم والا ہے بڑا مغفرت والا ہے ۲

۱ وہ حکیم ایسا کہ اس نے عالم کائنات کے ذرہ ذرہ کو منافع ومصالح سے بھر دیا ہے۔
وہ خبیر ایسا کہ موجودات کے گہرے سے گہرے نقوش اس پر عیاں۔

له الحمد فی الآخرۃ۔ یعنی جس طرح آج سزاوار حمد وہ ذات اپنے تمام مظاہر تکوینی کے لحاظ سے ہے کل بُروز کامل اور انکشاف حقائق کے وقت بھی قابل حمد وہی نظر آئے گی --- یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابل حمد ہے وہ ذات ابتداءً یعنی ازل میں باعتبار تخلیق وایجاد کے اور آخرت میں باعتبار ربوبیت وعطائے انعامات کے۔

لله۔ له ما فی السمٰوٰت۔ له الحمد۔ تینوں میں ل اختصاص کا ہے۔

۲ رحیم۔ مبداء کے لحاظ سے --- سب کو وجود میں لانے والی اس کی شانِ رحمت ہی ہے۔
غفور۔ منتہیٰ کے لحاظ سے --- سب کو حُسن انجام تک پہنچانے والی اس کی شانِ غفوریت ہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی، آپ کہہ دیجئے ضرور (آئے گی) قسم ہے میرے پروردگار

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ

عالم الغیب کی وہ ضرور تم پر آئے گی، اس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں،

وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۟ۙ لِّيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی بڑی، مگر یہ کہ (یہ سب) کتاب مبین میں (درج) ہے ۳ (قیامت اس لیے آئے گی) تاکہ ان لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے

مایلج فی الأرض۔ زمین کے اندر داخل ہونے والی چیزیں مثلاً بارش یا تخم نباتات وغیرہا۔

مایخرج منها۔ زمین سے باہر نکلنے والی چیزیں مثلاً نباتات، معدنیات وغیرہا۔

ماینزل من السماء۔ آسمان سے اترنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ، احکام الٰہی وغیرہا۔

مایعرج فیها۔ آسمان پر چڑھنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ، اعمال انسانی، دعائیں۔

یعلم الخ۔ آیت نے تمام اصناف معلومیت کا احاطہ کرلیا، یعنی بڑی چھوٹی، یہاں وہاں کی کوئی شے بھی اس کے علم سے باہر نہیں--- جاہلی قوموں نے بڑی ٹھوکریں حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے بارے میں کھائی ہیں، شاید اسی لیے اس کی وضاحت قرآن مجید نے اس کثرت کے ساتھ کی ہے۔

۳ یعنی علاوہ حق تعالیٰ کے علم ذاتی کے وہ خدائی رجسٹر میں بھی باضابطہ درج ہے۔

کتاب مبین۔ یعنی لوح محفوظ۔

وهو اللوح المحفوظ عند الأكثرين (روح، ج ۲۲/ص:۱۰۶)

فی السمٰوٰت ولا فی الأرض ۔یعنی کائنات میں کہیں بھی ہو۔

لا أصغر من ذلك ولا اکبر۔ یعنی کسی مقدار و حجم کا بھی ہو۔

بلیٰ وربی۔ ایک خداپرست کے لیے خدا کی قسم سے بڑھ کر تاکید و توثیق کی اور کون سی چیز ہوسکتی ہے!

تاتینا کی ضمیر متکلم اور لتاتینکم کی ضمیر جمع مخاطب دونوں سے مراد نوع انسانی ہے نہ کہ کوئی مخصوص قوم وقبیلہ۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ

اور نیک عمل کیے، ایسے لوگوں کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ

سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

ہماری آیتوں کے باب میں کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لیے، ایسے لوگوں کے لیے سختی کا دردناک عذاب ہوگا ۵

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے

وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور وہ راستہ بتاتا ہے غلبہ والے قابل حمد (خدا) کا ۶ اور کافر (آپس میں) کہتے ہیں (کہ آؤ)

أرادوا بضمير المتكلم جنس البشر قاطبة لا أنفسهم أو معاصريهم. (روح، ج٢٢/ص:١٠٤)

۴ یہ بیان وقوع قیامت کی حکمت وغایت کا ہے کہ بغیر یوم حشر کے، بغیر سزا و جزا کے یہ سلسلۂ کائنات ناتمام رہ جاتا ہے۔

لیجزی۔ میں ل عاقبت کا بھی ہوسکتا ہے اور تعلیل کا بھی۔

لیجزی الذین ...... الخ۔ کا ربط نحوی پچھلی آیت کے لتأتینکم سے ہے۔

رزق کریم۔ رزق پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر قسم کے انعامات پر شامل۔ محض روزی اس کا بہت ناکافی ترجمہ ہے۔

۵ یعنی ایسے لوگوں کے لیے جو آیت الٰہی کے ابطال کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

أی المجاهدین فی ابطالها (روح۔ عن ابن زید، ج٢٢/ص:١٠٧)

من رجز۔ میں من بیانیہ ہے

من للبیان. (روح، ج٢٢/ص:١٠٨)

۶ یعنی قرآن مجید بجائے خود بھی ایک سچی کتاب ہے، اور رضائے الٰہی کا راستہ دکھانے والی بھی۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ

ہم تمھیں ایسے شخص کا پتا بتادیں نا؟ جوتم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم

لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ

ضرور ایک نئے جنم میں آ ؤ گے، اس نے (یاتو) خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے جنون ہی ہے ے بات یہ ہے کہ جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝۸ اَفَلَمْ يَرَوْا

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب اور دور دراز کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ۸ تو کیا انھوں نے

اوتو العلم۔ یعنی حقائق اشیاء کا ادراک اور کتب آسمانی کی معرفت رکھنے والے۔

یری۔ یہاں بعلم کا مرادف ہے، رویت کا تعلق صرف بصارت ظاہری سے نہیں، قلب بشری سے بھی ہے، اور فہم بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

صراط العزیز الحمید۔ خدائے غالب ومحمود کا راستہ، یعنی اس کی رضا کا راستہ۔

ے یہ سارا قول مشرک منکرین قیامت کا نقل ہو رہا ہے، وقوع قیامت کا تو ان کے زعم میں کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اب جب وہ یہ عقیدہ پیمبر کی زبان سے سنتے، تو پہلے تو اسے ایک عجیب وغریب خبر سمجھ کر آپس میں اس کا تذکرہ، چرچا کرتے اور پھر قائل کے قول کی توجیہ لامحالہ انھیں دو شقوں سے کرتے کہ قائل یا تو دانستہ ایک بات گڑھ کر بیان کر رہا ہے، اور یا نادان فاتر العقل ہے۔

ٹھیک اسی طرح آج بھی ''مستشرقین اسلام'' جب قلم اٹھاتے ہیں تو یہ تو بطور علوم متعارفہ فرض کر لیتے ہیں کہ دعوائے رسالت صحیح تو بہر حال ہو نہیں سکتا۔ اب مدعی رسالت یا تو نعوذ باللہ خادع (Impostor) ہوگا اور یا نادان اور خود فریبی میں مبتلا!

رجل .... جدید۔ یہ بات ایک دوسرے سے وہ حیرت واستعجاب اور تحیر واستہزاء کے لہجے میں کہتے۔

۸ اور اس شدید گمراہی کا اثر فی الحال یہ ہے کہ انھیں سچے بھی مفتری اور مجنون نظر آتے ہیں اور فی المآل یہ ہوگا کہ انھیں عذاب بھگتنا پڑے گا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۲۹)

إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنْ نَشَأْ

اپنے آگے اور اپنے پیچھے آسمان وزمین کی طرف نظر نہیں کی ۹ ہم اگر چاہیں

نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ ۚ

تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ

اس میں پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندے کے لیے ۱۰ اور بالیقین ہم نے داؤد کو

مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ

اپنی طرف سے ایک (بڑی) بڑائی دی تھی ۱۱ اے پہاڑو! ان کے ساتھ

۹ کہ وہی ان کے دل کو قدرت الٰہی کی عظمت کے دلائل سے لبریز کردینے کے لیے کافی ہیں۔ جو ایسے اجرام عظیمہ کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ کیا اجسام صغیرہ کے خلق ثانی پر قادر نہیں؟

۱۰ عبدٍ منیبٍ۔ یعنی جس کے دل میں حق کی طلب اور اللہ کی طرف جھکاؤ ہے۔ مطلب یہ کہ دلیل تو قدرت الٰہیہ کی پوری پوری موجود ہے مگر ان لوگوں میں طلب ہی نہیں، اس لیے یہ محروم ہیں۔

إن .... السماء۔ لیکن حکمت مقتضی ہے تاخیر کو، اور اس لیے انھیں مہلت دے رکھی گئی ہے۔

۱۱ (کہ انھیں زمین کی ایک بڑی مملکت کا حکمراں بنادیا تھا)

فضلاً۔ صیغۂ نکرہ اظہار عظمت واہمیت کے لیے ہے۔

وتنكيره للتفخيم۔ (روح، ج ۲۲/ص:۱۱۲)

منا۔ یعنی یہ فضل ہماری طرف سے بلا کسی واسطے کے اور براہِ راست تھا۔

أي بلا واسطة ـ لتاكيد فخامته الذاتية بفخامته الاضافية. (روح، ج ۲۲/ص:۱۱۲)

آپ کی وسعت مملکت وغیرہ کے لیے ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

خود حضرت داؤدؑ ان کی نبوت وسلطنت اور ان کے معجزات خاص پر حاشیے ان اوراق میں پہلے ہی گزر چکے۔

وَالطَّيْرَ ج وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ

تسبیح کرتے رہو ۱۲ اور پرندوں کو (بھی یہی حکم دیا) اور داؤد کے واسطے ہم نے لوہے کو نرم کردیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور (ان کے) جوڑ میں (مناسب) اندازہ رکھو

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ

اور تم سب نیک کام کرو، میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم لوگ کررہے ہو ۱۳ اور (ہم نے) سلیمان کے لیے ہوا کو (مسخر کردیا) کہ اس کی صبح کی منزل مہینہ بھر کی ہوتی

۱۲ پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم تکوینی طور پر ملا تھا۔

اَوِّبِی معه۔ سبحی معه کے مرادف ہے۔

ای سبحی معه قاله ابن عباس وقتادة وابن زید. (روح، ج ۲۲/ص: ۱۱۳)

تسبیح جبال وطیور کی یہ دو "عقلی" تاویل کہ ان کی تسبیح زبانِ حال سے ہوتی رہتی ہے، عقلاً بھی بہت عجیب ہے، زبان حال سے تو ہر مخلوق کی تسبیح ہر وقت ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسے حضرت داؤدؑ کے فضائل سے کیا تعلق ہے؟ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی آواز میں وہ درد وسوز اور وہ کیفیت خشوع رکھی گئی تھی کہ پہاڑ جیسی جامد اور سخت مخلوق اور پرند جیسی انسان سے دور دور گریزاں رہنے والی مخلوق تک بے تاثر نہ رہتی، اور اپنے کو ذکر الٰہی میں آپ کی ہم زبانی پر مضطر پاتی۔

امام رازیؒ نے بھی یہی مطلب لیا ہے کہ تسبیح میں معیت انھی دو مخلوق تک محدود نہیں، بلکہ جبال وطیور کا ذکر صرف انتہائی نمونوں کے طور پر کیا گیا ہے۔

لم یکن الموافق له فی التأویب منحصراً فی الجبال والطیر (کبیر، ج ۲۵/ص: ۲۱۲)

۱۳ (اس لیے رعایت حدود کا پورا اہتمام رکھو)

حضرت داؤدؑ کی زرہ سازی پر حاشیے سورۃ الانبیاء، آیت ۸۰ میں گزر چکے۔

حضرت داؤدؑ ایک طرف نبوت ورسالت اور دوسری طرف حکومت وسلطنت کے باوجود اپنا مستقل ذریعۂ معاش صنعت زرہ سازی کو بنائے ہوئے تھے، اور اسی کی تجارت کرتے تھے۔ تو آیت سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ صناعی ودست کاری منصب نبوت کے بھی منافی نہیں، چہ جائے کہ مرتبۂ ولایت کے!

وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ

اور اس کی شام کی منزل مہینہ بھر کی ہوتی ۱۴ اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہادیا ۱۵ اور جنات میں کچھ وہ تھے

بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ

جوان کے پروردگار کے حکم سے (خوب) کام کرتے تھے ۱۶ اوران میں سے جوکوئی ہمارے حکم سے سرتابی کرے اسے ہم دوزخ کا

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے نکلے: ایک خرق عادت کا اثبات، دوسرے دست کاری سے کمانے کی فضیلت، تیسرے ہر کام میں اعتدال، انتظام وتناسب کی رعایت یہاں تک کہ امورِ حسی ودنیوی میں بھی۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۳۰)

۱۴ شہر مرادف ہے مسیرۃ شہر کے یعنی مہینہ بھر کی راہ، اور راہ بھی وہ جتنی کہ ایک تیز رو اسپ سوار مہینہ بھر میں طے کرے۔

أی مسیرۃ شهر للراکب المسرع (مدارک، ص: ۹۵۸)

حضرت سلیمانؑ کی سیاحت ہوائی پر حاشیے سورۃ الانبیاء، آیت ۸۱ میں گزر چکے۔

گویا بڑے بڑے تیز رفتار ہوائی جہاز آپؑ کے تابع تھے۔ گو وہ بجائے تیل اور مشینری اور انجن وغیرہ کے براہِ راست قدرت الٰہی سے چلتے ہوں۔

۱۵ یعنی تانبے کو اس کے معدن میں رقیق سیال کردیا تھا تاکہ اس سے بلامدد آلات مصنوعات کے بنانے میں سہولت ہو، پھر وہ منجمد ہوجاتا۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ زیرزمین جہاں گرم اور رقیق تانبے کے چشمے ہیں، وہ آپ پر منکشف کردیے گئے تھے۔

۱۶ بـاذن ربـه۔ یعنی ان کے پروردگار کے حکم تسخیری وتکوینی سے۔ اس سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ یہ نعمت پروردگار کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔

ومن الجن۔ جنات کی تفسیر قوی ہیکل انسانوں سے کرنے والے کچھ اسی دور مادّیت کے ساتھ مخصوص نہیں ایسے "روشن خیال" پہلے بھی فرقہ باطنیہ اور دوسرے گمراہ فرقوں میں گزر چکے ہیں۔ جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح جبال سے مفہوم تسبیح بزبان حال کا لیا تھا اور جنات

مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿١٢﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ

مزہ بھی چکھا دیں گے ١٧ سلیمان کے لیے وہ وہ چیزیں بنا دیتے جو انھیں (بنوانا) منظور ہوتیں، (مثلاً) بڑی عمارتیں اور مجسمے

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ

اور لگن جیسے حوض اور (بڑی بڑی) جمی ہوئی دیگیں ١٨

کی تفسیر قدر آور انسانوں سے کی تھی۔ وقس علی ھذا --- صاحب بحر نے ایسی ساری تحریفات کو باطنیہ اور ان کے ہم مشربوں کی جانب منسوب کیا ہے۔

ولبعض الباطنیه أو من یشبههم تحریف فی هذه الجمل. (بحر، ج۷/ص:۲۶۵)

اور امام رازیؒ نے ان اقوال کو بعض الناس کی جانب منسوب کیا ہے اور ان دونوں بزرگوں نے ان اقوال کے لغو و مہمل ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

وهذا تأویل فاسد وخروج بالجملة عمایقوله، أهل التفسیر فی الآیة (بحر، ج۷/ص:۲۶۵)

وهذا کله فاسد. (کبیر، ج۲۵/ص:۲۱٤)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تسخیر جنات اگر کسی عمل وغیرہ کے ذریعہ سے نہ ہو، محض منجانب اللہ ہو تو عبدیت کے منافی نہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۳۳۰)

١٧ عذاب دوزخ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جنات کو علاوہ تکوینی محکومی کے حکم تشریعی بھی پیمبر وقت کے احکام کی تسلیم و انقیاد کا ملا تھا۔

١٨ یہ جنات جو حضرت سلیمانؑ کے تابع و محکوم تھے۔ آپ کے لیے عمارتیں اور دیگیں اور لگنیں سب بڑی بڑی عظیم الشان تیار کرتے تھے۔

تمثال۔ جس قسم کی مورت کو کہتے ہیں، اسی کو آج کی اصطلاح میں مجسمہ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگلی شریعتوں میں یہ چیز حرام نہ تھی۔

یدل علی أن عمل التصاویر کان مباحاً وهو محظور فی شریعة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. (جصاص، ج۳/ص:۳۷۲)

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ۞ فَلَمَّا قَضَيۡنَا

اے داؤد کے خاندان والو! ۱۹ تم شکریہ میں (نیک) کام کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکرگزار ہوتے ہیں ۲۰ پھر جب ہم نے ان پر

عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ

موت کا حکم جاری کر دیا ۲۱ تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتا نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو

اسی لفظ تمثال سے سند پکڑ کر ایک قول تصویر سازی کے جواز میں نقل ہوا ہے۔

وحکیٰ مکی فی البدایة أن قوماً أجازوا التصویر. (بحر، ج ۷/ص: ۲۶۵)

لیکن صاحب بحر نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں جس نے تصویر کو جائز رکھا ہو: وما أحفظ من أئمة العلم من تجوزه۔

اور صاحب روح نے بھی اسی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ فلا یلتفت إلی هذا القول ولایصح الاحتجاج بالآیة، نہ یہ قول قابلِ التفات ہے اور نہ آیت سے کوئی ایسا استنباط نکلتا ہے۔

ایک روایت یہ بھی نقل ہوئی ہے کہ یہ مجسمے انبیاء و ملائکہ و صالحین کے تھے اور حضرت سلیمانؑ کی دعا سے ان میں جان پڑ گئی تھی۔ لیکن بقول صاحب روح هذا من عجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحته وما هو إلا حدیث خرافة، یہ حکایت بہت ہی عجیب وغریب ہے، ہرگز یقین کرنے کے قابل نہیں، یہ محض ایک لغو روایت ہے۔ (ر ح، ج ۲۲/ص: ۱۱۸-۱۱۹)

یعملون......... محاریب۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی اور عبادت گاہیں آپ ہی کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں، اور لوگ آج بھی ان عمارتوں میں بڑے بڑے مقبروں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

۱۹ حضرت سلیمانؑ اور ان کے متعلقین مراد ہیں، یہ انہیں مخاطب کر کے حکم ہوا تھا۔

۲۰ شکرگزار بندوں سے مراد ہیں اپنی خداداد صلاحیتوں، قابلیتوں، استعدادوں کے حق ادا کرنے والے یعنی اعمال صالحہ کرنے والے۔

۲۱ (اور ان کا انتقال ہو گیا)

مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ

کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے تب جنات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے

مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ﴿۱۴﴾ لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِىۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ۚ

تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے ۲۲ سبا (والوں) کے لیے ان کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا

سلیمان علیہ السلام بھی بایں شان وشوکت بہر حال ایک دن وفات پا گئے، آیت میں ضمناً یہ تعلیم آ گئی کہ سلیمانؑ جب ہوا پر اُڑ کر اور جنات پر حکومت کر کے بھی موت سے نہ بچ سکے تو کسی دوسرے بشر کا کیا ذکر!

تنبيهاً للخلق على أن الموت لابد منه، ولو نجا منه أحد لكان سليمان أولى بالنجاة منه. (کبیر، ج۲۵/ص:۲۱۶)

۲۲ آثار روایت میں آتا ہے کہ جب سلیمانؑ کو اپنی موت کا قرب محسوس ہوا تو آپ تخت پر عصا کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اسی ہیئت میں انفکاک روح ہو گیا [جسم سے روح جدا ہو گئی] اور ایک طویل مدت تک اسی وضع پر بیٹھے رہے، جنات آپ کو بیٹھا ہوا دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھے اور قریب آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، بہ دستور اپنے اپنے کام میں لگے رہے، جب عصا میں گھن لگ گیا، عصا گرا، اور آپ کا جسم بھی اس وضع پر قائم نہ رہ سکا، اور جنات کو اپنے غیب دانی کی حقیقت خوب روشن ہو کر رہی۔

دابة الأرض۔ سے مراد دیمک ہے یا لکڑی کا کوئی اور کیڑا۔

العذاب المهين۔ سے مراد مشقتیں ہیں جو ان مملوکوں کے حق میں ذلت انگیز بھی تھیں۔

امام رازیؒ نے اسی لفظ سے استدلال کیا ہے کہ یہ جنات مومن قسم کے نہ تھے۔ مومنین پیغمبر کے عہد میں عذاب مہین میں مبتلا ہو نہیں سکتے۔ (کبیر، ج۲۵/ص:۲۱۷)

الجن۔ جنات پر حاشیہ ابھی ۱۶ میں گزر چکا ہے۔

آیت میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ کبھی قوی کو ضعیف سے بھی استفادۂ علمی ہو جاتا ہے۔

فيه إشارة إلى أن الضعيف قد يفيد القوي علماً. (روح، ج۲۲/ص ۱۶۰)

جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَهٗ ؕ

دو (قطاریں تھیں) باغ (کی) داہنے اور بائیں ۲۳ کھاؤ اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق اور اس کا شکر کرو

بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ

عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار ۲۴ سو انھوں نے سرتابی کی ۲۵ سو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا ۲۶

ف۲۳ یعنی علاقے میں دو طرفہ باغات کا سلسلہ متصل چلا گیا تھا۔ بعض مورخین نے کہا ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ میل مربع کی تھی، اور یہ سارا رقبہ خوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔

سبا۔ یہ ملک سبا وہی ہے جو عرب کے جنوب میں اب علاقہ یمن کہلاتا ہے۔ نہایت سرسبز، شاداب، زرخیز خطہ تھا۔

آیة۔ یعنی اللہ کے کمال قدرت وصناعی کا نشان۔

علامة دالة علی وجود الصانع المختار وأنه قادر علی مایشآء من الأمور العجیبة. (بیضاوی، ج ٤/ص:١٧٢)

ف۲۴ گویا اتنی دنیوی نعمتوں کا اجتماع تھا، اور مطالبہ صرف ادائے حقوق کا تھا۔

طیبة سے اشارہ ہوسکتا ہے کہ شہر کی لطیف آب وہوا کی جانب ہو۔

یروی أنها کانت لطیفة الهواء حسنة التربة. (روح، ج ٢٢/ص:١٢٦)

ف۲۵ یعنی کفر وشرک اور کثرت معاصی میں پڑ گئے اور ناصحین کی کچھ نہ سنی۔

ف۲۶ سد مارب، ایک مشہور تاریخی بند ہے جو پہاڑوں کے پانی کے ذخیرے کے لیے بنایا گیا تھا، مارب ملک سبا کا دار السلطنت تھا، موجودہ شہر صنعاء سے کوئی ٦٠ میل مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند۔۔۔قوم سبا ایک بڑی متمدن قوم تھی۔ اس کا یہ کئی میل کا لانبا چوڑا بند سبا کے انجینیروں کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ تھا، یہ عظیم الشان بند ظہورِ اسلام سے کچھ قبل ٹوٹا ہے تخمیناً ۵۴۲ء میں۔ اس کی تباہ کاریوں کے آثار صدیوں بعد تک قائم رہے۔ چنانچہ ایک سیاح نے ۸۴۸ء میں معائنہ کیا، طول میں یہ بند ۱۵۰ فٹ اور عرض میں ۵۰ فٹ تھا۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے عوض دو باغ اوردیے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل

قَلِيْلٍ ﴿١٦﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿١٧﴾

بیری والے تھے ۲۷ انھیں ہم نے یہ سزا اُن کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں ۲۸

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً

اور ہم نے ان کے اوران کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی بستیاں آباد کررکھی تھیں

وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿١٨﴾

(دورسے) نظر آنے والی اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرادیا تھا، سفر کرو ان میں رات اور دن بے کھٹکے ۲۹

۲۷ یعنی وہ پُرفضا باغات مٹ مٹا کر اب جنگلی خودرو جھاڑ جھنکاڑ باقی رہ گئے۔

خمط۔ خمط کے معنی پیلو کے درخت کے بھی ہیں۔

قيل هو شجر الأراك (راغب، ص:۱۷۸)

الخمط شجر الأراك (كشاف، ج۳/ص:۵۵۹)

الخمط الأراك (ابن جرير عن ابن عباسؓ والحسن ومجاهد وقتادة والضحاك، ج۲۰/ص:۳۸۲)

۲۸ (ورنہ درگزر معمولی خطاؤں پر اور کثرت سے تو ہوتی ہی رہتی ہے)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فاعرضوا فارسلنا.... الخ اور ذلك جزينهم..... الخ ۔دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاعت کو دنیوی نعمت کے حصول اور معصیت کو اس کے زوال میں دخل ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۳۳۳)

۲۹ یعنی رات دن جب چاہو، بآرام واطمینان سفر کر سکتے ہو، نہ رہزن کا کوئی خطرہ، نہ کسی بے سروسامانی کا اندیشہ، راہ میں قدم قدم پر آبادیاں، اور ہر جگہ کھانے پینے کا سامان بفراغت--- گویا راستہ بھر حفاظت کے لیے پولیس کی چوکیاں اور کھانے پینے کے لیے ہوٹل۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ

پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں درازی کردے ۳۰ اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انھیں افسانہ بنادیا

القری التی بارکنا فیھا۔ مراد ملک شام کے مقامات ہیں۔

وھی قری الشام (بیضاوی، ج ٤/ص: ۱۷۳)

والقری التی بورك فیھا بلادالشام باجماع من المفسرین (بحر عن ابن عطیة، ج ۷/ص: ۲۷۲)

قریً ظاھرۃً۔ ایسے شہر جو عام شاہراہ سے بآسانی نظر آجائیں، یعنی لب سڑک آبادیاں۔

قدّرنا فیھا السیر۔ یہ اہلِ سبا ایک بڑی تاجر قوم تھی، بحری تجارت ہمیشہ بے شمار دولت کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ لوگ بحری راستے سے ہندوستان اور درمیانی ملکوں سے تجارتی سامان لاتے تھے اور پھر یمن سے سمندر کے کنارے کنارے ملک شام کو لے جاتے تھے اور اس مسلسل دُوہری تجارت سے مالا مال ہوگئے تھے۔

لیالی و أیاماً کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کی ریلوں اور جہازوں کی طرح ان لوگوں کے تجارتی قافلے بھی دن رات مسلسل چلا کرتے تھے، اور آمنین سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ راستے بالکل محفوظ اور بے خطر ہوگئے تھے۔

لیالی و أیاماً آمنین کا ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ ساری عمر سفر کرتے رہو، جب بھی امن نصیب رہے گا۔

أو سیروا فیھا لیالیکم وأیامکم أی مدة أعمارکم لاتلقون فیھا إلا الأمن. (روح، ج ۲۲/ص: ۱۳۰)

۳۰ یعنی نعمتوں کے حقوق تو کیا ادا کرتے، ان کی ظاہری قدر بھی نہ کی، اور الٹی تمنا یہ کرنے لگے کہ سفر کی منزلیں دور دور ہوتیں، تو کچھ مزہ بھی آتا۔ یہ کیا کہ وطن و مسافرت میں کچھ فرق ہی نہیں --- یہ (Adventure) کی حرص تمدن جدید کا بھی ایک عام مرض ہے اور فرنگیوں میں قابل فخر عادت سمجھی جاتی ہے۔

وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

اوران کو بالکل تتر بتر کردیا ۳۱ بے شک اس (واقعہ) میں ہرصابروشاکر کے لیے نشانیاں ہیں ۳۲

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾

اورواقعی ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارے میں صحیح پایا ۳۳ چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہولیے بجز ایمان والوں کے گروہ کے ۳۴

قالوا...... أسفارنا۔ ضرورنہیں کہ زبان سے بھی یہی انھوں نے کہا ہو، دل کے اندر کی تمنا بھی مراد ہوسکتی ہے۔

۳۱ کچھ ہلاک ہوگئے، اور جو بچے رہے، ان کے بھی سامان تنعم چھن گئے۔ بحیثیت مجموعی سب کی حالت قابل عبرت رہ گئی۔

ظلموا أنفسهم۔ یعنی طرح طرح کی نافرمانیاں کیں۔

۳۲ (پندوعبرت کی)

صابروں کے لیے تو یوں کہ معاصی سے نہ بچے، نفس کو نہ روکنے کا نتیجہ اس قصے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور شاکروں کے لیے یوں کہ نعمتوں کی قدر نہ کرنے کا انجام اس واقعہ سے روشن ہے اور صابر وشاکر کا اطلاق تو ہر مومن پر ہوسکتا ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ انصار مدینہ یعنی قبائل اوس وخزرج انھی اہلِ سبا کی اولاد میں سے تھے۔

۳۳ (کہ میں بنی آدم میں سے بہتوں کو محض سبز باغ دکھا کے گمراہ کرڈالوں گا، اوراپنے پیچھے لگالوں گا)

ومنشأ ظنه رؤية انهماكهم فی الشهوات. (روح، ج ۲۲/۱۳۳)

أی ظنه أنه یغویهم. (کبیر، ج ۲۵/ص: ۲۱۹)

۳۴ (کہ بس وہ فریق محفوظ رہا)

من یہاں بیانیہ ہے، اس ترکیب کے لحاظ سے لفظ فریق گویا مومنین کی تشریح وتوضیح ہی کررہا ہے، یہ مراد نہیں کہ مؤمنین میں سے ایک فریق محفوظ رہا، اوردوسرا شیطان کی راہ پر پڑلیا۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی:

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ

اور اس کا جو تسلط ان لوگوں پر ہے وہ تو بس اسی لیے ہی ہے کہ ہم معلوم کرلیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ

اُن لوگوں سے الگ جو اس کی طرف سے شک میں ہیں، اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگراں ہے ۳۵ آپ کہیے

ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

تم انھیں پکارو تو جنھیں تم اللہ کے سوا (شریک خدائی) سمجھ رہے ہو ۳۶ وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ

(نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی بھی

مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ

اللہ کا مددگار ہے ۳۷ اور نہ اس کے حضور میں (کوئی) سفارش کام آتی ہے مگر ہاں اس کے حق میں جس کے لیے وہی اجازت

أی إلا فریقاً هم المؤمنون لم يتبعوه. (روح ج ۲۲/ص: ۱۳۴)

۳۵ (چنانچہ ہر ایک کے ایمان و عدم ایمان کی بھی اس کو خبر ہے)

لِنَعْلَمَ۔ یعنی ہم ظاہری طور پر بھی معلوم کرلیں۔ ان واقعات تکوینی سے مقصود ابتلا و امتحان ہی تھا کہ مومن و کافر متعین ہو جائیں۔

لنعلم۔ ل تعلیل کا ہے یعنی شیطان کے مسلط کرنے کی غایت تکوینی ہی یہ ہے کہ مخلص و منافق کا امتیاز ہو جائے۔

۳۶ (اور انھیں خود علم ہو جائے گا کہ وہ کتنی قدرت تمہاری حاجت روائی کی رکھتے ہیں)

۳۷ (ایجاد و تخلیق عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی)

مثقال سے مراد وہ اقل ترین مقدار ہے، جس سے کم ذہن میں بھی نہ آئے۔ شرک کی جتنی قسمیں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، سب کی تردید آیت میں آگئی —— نہ کوئی کسی چیز کا مستقلاً مالک ہے، نہ کوئی حق تعالیٰ کی صفت مالکیت میں شریک ہے، اور نہ کسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اختیارات نیابۃً منسوب کر دیے ہیں۔

لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ

دے دے ۳۸ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ (آپس میں) پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا؟

قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡكَبِیۡرُ ﴿۲۳﴾ قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ

وہ کہتے ہیں کہ حق (بات کا حکم فرمایا) ۳۹ اور (واقعی) وہ عالی شان ہے سب سے بڑا ہے ۴۰ آپ پوچھئے تم کو آسمانوں

۳۸ اور یہ معبودانِ باطل خود تو کسی کی حاجت روائی کیا کرتے، ان میں سے کسی میں اتنا بس بھی تو نہیں کہ اللہ کے سامنے بلا اذن کوئی سفارش ہی پیش کر سکے۔ ہاں اللہ ہی کسی کی سفارش کرانا چاہے تو اس کے لیے انھیں حکم دے دے --- مستقل شافع ہونے کا عقیدہ بھی دنیا میں شرک کا ایک بڑا سبب رہا ہے، یہاں تردید خصوصیت کی ساتھ ملائکہ پرستی کی ہو رہی ہے۔

۳۹ یہ فرشتوں کی عام حالت کا بیان ہے ”جب کوئی حکم حضرت حق سے سنتے ہیں تو اُن کے مجمع میں ہلچل پڑ جاتی ہے، حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی فہم، اپنے حفظ کسی چیز پر اعتماد نہیں باقی رہ جاتا، گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ شروع کر دیتے ہیں، اور ایک دوسرے کی تسکین وتقویت قلب کا باعث بنتے ہیں کہ جو کچھ ارشاد ہوا، حق ہی ارشاد ہوا ہے“۔

جس مخلوق کی یہ حالت ہو، وہ ابتداءً خطاب کرنے کی جرأت بھلا کس طرح کر سکتی ہے، اور جب یہ حال ملائکہ جیسی مقبول ترین ہستیوں کا ہے تو غیر مقبولین کا ذکر ہی کیا ہے!

آیت میں اشارہ ہے کہ ہیبت بھی کبھی مانع فہم ہو جاتی ہے۔

فيه إشارة إلى أن الهيبة تمنع الفهم. (روح، ج ۲۲/ص: ۱۶۰)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہیبت کبھی اس درجہ مانع فہم بن جاتی ہے کہ انسان کو معذور قرار دینا پڑتا ہے جیسا کہ بعض اہل حال کو۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۳۵)

۴۰ (اس کی عظمت وہیبت سے فرشتوں کے اس قدر گھبرا جانے میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں)

بعض نے یہ پورا فقرہ فرشتوں ہی کا مقولہ قرار دیا ہے۔

وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

اور زمین میں کون روزی دیتا ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ، اور ہم یا تم ہی ضرور راہِ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ۴۱

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تم سے ہمارے جرائم کی بابت سوال ہوگا اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کا سوال ہوگا ۴۲ آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو

رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِىَ

جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا ہے بڑا علم والا ہے ۴۳ آپ کہئے کہ مجھے (ذرا) ان کو تو دکھاؤ

الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

جنھیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، نہیں، بلکہ وہ اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا ۴۴

۴۱ (اسی مسئلہ توحید و شرک میں)

یعنی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ قائلینِ توحید و منکرینِ توحید دونوں حق پر ہوں۔

اس طریقِ خطاب میں تعلیم ہے مجادلہ کے ساتھ لب و لہجہ میں ملاطفت کی۔

من السمٰوٰت والأرض۔ آسمان سے مثلاً پانی برسا کر، زمین سے مثلاً نباتات نکال کر۔

۴۲ یہ منکرین کے لیے آخری جواب ہے کہ خیر اور کسی طرح نہیں مانتے ہو، نہ مانو۔ ہم مجرم و خطا کار ہیں تو تم سے سوال نہ ہوگا اور تمہاری بابت ہم سے سوال نہ ہوگا۔ آیت میں ہر شخص کی ذاتی مسئولیت و ذمہ داری کی بھی تعلیم آ گئی۔

۴۳ وہ نہ کسی فیصلے سے عاجز ہے اور نہ اس کے کسی فیصلے میں غلطی کا امکان ہے۔

۴۴ یعنی تم کیسی حماقت و ضلالت میں پڑے ہوئے ہو، اللہ تو بس ایک ہی ہے، ہر ایک پر غالب اور حکیم مطلق۔

أرونی۔ یعنی شرک پر کوئی دلیل تو قائم کر کے لاؤ، کوئی حجت تو پیش کر کے دکھاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ آنکھ سے دکھلاؤ۔

أریٰ هنا۔ بمعنى أعلم. (بحر، ج ۲۲/ص: ۲۸۰)

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ

اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لیے (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے بطور خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے کے، لیکن اکثر لوگ

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾

نہیں سمجھتے ۴۵ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ۴۶

قُلۡ لَّـكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو ۴۷

المراد اعلمونی بالحجة والدلیل. (روح، ج ۲۲/ص: ۱۴۱)

۴۵ اتنی صراحت کے ساتھ اپنے پیام ہدایت کی عالم گیری کا دعویٰ دنیا کے کسی دین نے بھی نہیں کیا ہے۔ یہ خصوصیت آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کی ہے۔ قرآن ہی اعلان کے ساتھ کہتا ہے کہ پیام محمدیؐ ہر ملک، ہر قوم، ہر طبقۂ انسانیت اور ہر زمانے کی ہدایت کے لیے ہے۔۔۔ اسلام کے دو دعوے ایسے ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دوسرا دین اس کا شریک نہیں۔ دونوں دعوے اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہیں: ایک یہ بار بار تصریح وضاحت کے ساتھ کہنا کہ میری تعلیم ساری دنیا کے لیے ہے۔ (دوسرے مذاہب جیسے اپنی قوم یا ملک کے باہر کسی کو جانتے ہی نہیں) دوسرے پیغمبر اسلام کو سلسلۂ انبیاء کا خاتم قرار دینا۔

۴۶ (اپنے اس دعوے میں کہ قیامت کا آنا برحق ہے)

هذا الوعد۔ یعنی وعدۂ آمد قیامت۔

یقولون۔ یہ کہنے والے مشرکین، منکرین قیامت تھے جو مسلمانوں سے طنز و استہزاء کی راہ سے یہ سوال کر رہے تھے۔ جاہلی تہذیبوں کا سب سے بڑا فتنہ یہی آخرت فراموشی، آخرت بیزاری کا ہے اور یہ تقریباً سب میں مشترک رہا ہے۔

۴۷ جواب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا ایک وقت علم الٰہی میں معین و مقرر ہے۔ وہ کسی کے طلب، تقاضہ، طنز و طعن سے نہیں آئے گی، اپنے وقت ہی پر آئے گی، جب بھی اس کا آنا حکمت الٰہی میں مناسب ہو۔

ربع
النصف

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں کو

بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ

اور آپ کاش وہ وقت دیکھیں جب یہ ظالم اپنے پروردگار کے رُوبرُو کھڑے ہوں گے، ایک دوسرے پر

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

بات ڈال رہا ہوگا ۴۸ ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہہ رہے ہوں گے

لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا

کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے، (اس پر) یہ بڑے لوگ ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے

اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲

کیا کہیں ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا بعد اس کے کہ وہ تم تک پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم ہی قصوروار رہے ہو ۴۹

۴۸ (اور اپنے کو ہر شخص الزام سے بچا رہا ہوگا)

وقال ...... یدیه۔ یہ کہنے والے وہ مشرکین تھے، جو سرے میں سلسلۂ وحی و نبوت ہی کے منکر تھے۔۔۔ مشرکین کو اعتراض صرف ذاتِ محمدیؐ پر نہ تھا، بلکہ نفس نبوت ہی کے تخیل سے انھیں انکار تھا۔

۴۹ (کہ وقوعِ حق کے بعد بھی از خود قبول نہ کیا، اور اب ہمارے سر دھرتے ہو۔ ہم نے کیا کچھ زبردستی کی تھی؟)

غرض یہ کہ ادنیٰ و اعلیٰ سب اپنے اپنے کو بچالیں گے اور اپنا الزام دوسرے کے سر ڈالیں گے۔

انحن ...... جاء کم۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کفار نے تو اپنے اتباع پر زبردستی کی بھی ہے تو جواب یہ ہے کہ اصل ایمان تو اعتقاد ہے اور اس کا محل قلب ہے۔ وہاں اکراہ ممکن نہیں (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۳۹)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور وہ کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں نے (روکا تھا)

اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

جب کہ تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر اختیار کریں، اور اس کے لیے شریک قرار دیں ۵۰ اور وہ لوگ (اپنی) پشیمانی کو مخفی رکھیں گے

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

جب کہ عذاب دیکھ لیں گے ۵۱ اور ہم کافروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ

جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھر پایا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا

اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا

مگر یہ کہ وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس (دین) کے منکر ہیں جسے دے کر (تمہارے زعم میں) تم کو بھیجا گیا ہے، اور انھوں نے کہا

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ

ہم تو مال و اولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں، اور ہم کو عذاب ہونا نہیں ۵۲ آپ کہیے کہ میرا پروردگار

۵۰ (اور ہم تمہاری ان چالوں، تدبیروں کے شکار ہو گئے، سو ہماری گمراہی کے بھی اصل ذمہ داری تم ہی ہو)

مکر۔ یعنی ہر طرح کی ترغیب ترہیب، اور مکر اللیل والنہار کی تقدیر کلام یوں ہے: مکرکم هنا في الليل والنهار۔

۵۱ اپنے دل میں اپنے قصور پر قائل ہونے والے بڑے اور چھوٹے سبھی ہوں گے۔ اپنی اپنی ذمہ داری سب محسوس کر کے رہیں گے، البتہ شماتت ہمسایہ کے خیال سے دوسروں پر اس کا اظہار حتی الامکان نہ ہونے دیں گے۔

واسروا الندامة۔ یہ اخفا پشیمانی ایک دوسرے سے ہوگا اپنی مزید تفضیح ورسوائی کے خوف سے۔

۵۲ یہی خوش حال طبقہ (Well, todo, class) ہر ملک اور ہر دور میں خدائی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

زیادہ روزی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (روزی جس کے لیے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (اس کا) علم نہیں رکھتے ۵۳

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ

تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کوئی بھی) ایسی چیز نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے، مگر ہاں جو کوئی ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ

اور نیک عمل کرے، سو ایسے لوگوں کے لیے ان کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا صلہ ہے اور وہ بالا خانوں

فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

میں چین سے بیٹھے ہوں گے ۵۴ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے لیے،

تعلیمات سے انکار میں آگے رہا ہے۔ وہ اپنے برسر حق ہونے اور اپنے مسلک کو حق بجانب قرار دینے میں اپنی کثرت آبادی اور مرفہ الحالی کو پیش کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ یوں ہی اقبال مند بنا رہے گا۔ چنانچہ یہاں خوش حال منکرین کا طبقہ اپنے آخرت فراموش مسلک زندگی (آئنڈیالوجی) کے جواز میں اپنی کثرت آبادی اور اپنی قومی دولت کو پیش کر رہا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ منکرین میں سے ہر ہر فرد کثیر الاولاد اور صاحب ملک و مال تھا۔

بما أرسلتم به۔ منکرین کا یہ کہنا بطور استہزاء کے ہے، ورنہ وہ رسالت کے قائل ہی کب تھے۔

۵۳ قرآن مجید جواب دیتا ہے (اور ایک اسی جگہ انھیں بارہا کہہ چکا ہے) کہ ظاہری خوش حالی ہرگز دلیل صدق و حقانیت نہیں جیسا کہ اکثر اہل جاہلیت سمجھ رہے ہیں، یہ انتظامات تو تمام تر مشیت تکوینی اور مصالح انتظامی کے ماتحت ہوتے ہیں، مرضیات الٰہی کے قانون سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

انّ ...... یقدر۔ یہاں پھر یاد دلا دیا ہے کہ سلسلۂ معاشیات میں بھی مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہی ہے۔

۵۴ آسمانی بادشاہت میں قدر و قیمت تو صرف صحیح ایمانی دستور العمل اور اس کے عملی نفاذ کی ہے۔

اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ

تو وہی لوگ عذاب میں لائے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے

مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ

اور (جس کو چاہے) تنگی سے دیتا ہے ۵۵ اور جو چیز بھی تم خرچ کروگے، سووہ اس کا عوض دے گا

اموالکم ولااولادکم۔ آیت ماقبل کی طرح یہاں بھی ان الفاظ سے مراد لازمی طور پر شخصی جائدادیں اور افراد کی اولادیں نہیں، قوم ہی کی کثرت آبادی اور قومی ہی ثروت مراد ہے۔

الاّمن آمن وعمل صالحاً۔ یعنی ایمان وعمل صالح کو دستور حیات بنالینے کے بعد پھر مال واولاد باعث بُعدِ حق نہیں رہ جاتے، بلکہ اور موجب برکت بن جاتے ہیں۔

قال سعید بن جبیر: المعنیٰ إلا من آمن وعمل صالحاً فلن یضره ماله وولده في الدنیا. (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۳۰۵)

جزاء الضعف۔ ضعف سے مراد مطلق زیادتی ہے، محض دوگنا مراد نہیں۔

أی یجاوز الضعف إلی عشر فما فوقه. (بیضاوی، ج ۴/ص: ۱۷۵)

أی لهم الجزاء المضعّف للواحد عشرة إلیٰ مایرید اللّٰه من الزیادة. (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۳۰۶)

حدیث میں ایک ایک عمل کا اجر دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک درج ہے۔

آمنون۔ اہلِ جنت کا تردّاتِ دنیوی سے آزادی ورہائی پاجانا تو ظاہر ہی ہے، باقی اس لفظ سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ وہ نعمتیں دائمی اور ابدی ہوں گی۔ اگر منقطع ہوجانے والی ہوئیں تو پھر ان کی طرف سے امن واطمینان کہاں نصیب ہوا۔ انقطاع کا خطرہ ہی لگا رہے گا۔

إشارة إلیٰ دوام النعیم وتأبیده (کبیر، ج ۲۵/ص: ۲۲۷)

۵۵ تونگری، خوش حالی، اور فقر وناداری کا تعلق دنیا کے تکوینی وانتظامی معاملات سے ہے اسے حق وصداقت کا معیار قرار دینا خود ایک باطل پرستی ہے۔

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور وہی بہترین روزی دینے والا ہے ۵۶ اور (وہ دن بھی یادرکھنے کے قابل ہے) جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا

اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج

یہ لوگ تمھاری ہی عبادت کرتے رہے ہیں؟ ۵۷ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو، ہمارا تعلق تو صرف تجھ سے ہے

یسعون فی آیتنا۔ یہ کوششیں آیاتِ الٰہی کے ابطال کی تھیں۔

أی فی ابطالها (مدارك، ص: ۹٦٥)

آیات کی تعمیم میں کلام الٰہی، احکام الٰہی، معجزات نبویؐ سب داخل ہیں۔

۵٦ (سواس کے کاموں میں خرچ کرنے سے مفلسی کا ڈر کیوں مانع ہو)

انّ......له۔ معاش کی ساری راہوں کی آخری کلید اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

وما أنفقتم من شیئ۔ یعنی مرضیات الٰہی کے ماتحت جو خفیف سا بھی خرچ کروگے۔

فهو یخلفه۔ یہ عوض آخرت میں تو بہر حال ملے گا، اور کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

وهو خیر الرازقین۔ یہ ایک بار دنیا کو پھر خبردار کیا جارہا ہے کہ خدا تعالیٰ صرف آخرت ہی کا حاکم نہیں، الٰہ المعاش بھی ہے۔ اور معاشیات کے سلسلے کے بھی سارے اسباب اور تدبیروں کا آخری سرا اُسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے، ملتِ اسلامی ہو یا مسلم افراد، کسی کے لیے معاشی فکروں اور تدبیروں میں بھی اللہ سے بے تعلقی و بے نیازی کی کوئی گنجایش ہی نہیں۔

۵۷ دیوتا پرستی درحقیقت ملائکہ پرستی ہی کی ایک صورت ہے۔ مشرک قوموں نے مختلف ملائکہ موکلین کو کائنات کے مختلف شعبوں میں متصرف سمجھ رکھا ہے اور اسی شعبہ کا انھیں دیوتا سمجھتے ہیں۔۔۔سوال ملائکہ کے حق میں الزامی نہیں، بلکہ مشرکین ہی کی مزید تفضیح ورسوائی کے لیے ہوگا۔

یوم یحشرهم جمیعاً۔ ذکر قیامت کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۚ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ

نہ کہ ان سے، اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے ان میں سے اکثر اعتقاد بھی انھی پر رکھتے تھے ۵۸ سو آج تم میں سے کوئی کسی کو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا

نہ نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا، اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو

عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ

تم جھٹلایا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو ۵۹ اور جب انھیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَن يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ۚ

تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشا اتنا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں ۶۰

۵۸ یعنی لزوماً و دلالۃً ہی نہیں، قصداً و صراحۃً بھی جنات پرستی میں مبتلا رہتے تھے۔

الجن۔ جن سے مراد یہاں شیاطین ہی لی گئی ہے کہ وہی غیر اللہ کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور ان کے اشارے پر عمل کرنا گویا انھی کی پرستش کرنا ہے۔

أي الشيطين حيث أطاعوهم في عبادة غير الله. (بيضاوى، ج ٤/ص: ١٧٦)

أي الشيطين كما روى عن مجاهد. (روح، ج ٢٢/ص: ١٥١)

أي الشيطين (مدارك، ص: ٩٦٦)

لیکن ہوسکتا ہے کہ مشرک قومیں آج جن دیوتاؤں کی پوجا کر رہی ہیں یہ اپنے زمانے کے پُرقوت جنات رہے ہوں، اور آیت میں اشارہ بھی اسی جانب ہو۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۵۹ یعنی اُس روز مشرکوں کو نظر آجائے گا کہ جیسے عاجز و بے حس وہ خود ہیں ویسے ہی اُن کے دیوی دیوتا بھی۔

۶۰ تا کہ اس تقریر سے عوام میں برہمی اور اشتعال اور زیادہ پیدا ہو، اور خلوئے ذہن کے ساتھ وہ پیامِ نبوت پر غور کرنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ یہ چلتا ہوا جادو اہل باطل کے ہاتھ میں ہمیشہ رہا ہے، اور آج بھی اس زبردست و مؤثر حربے سے اہل حق کے مقابلے میں برابر کام لیا جا رہا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ

اور کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے اور کافر (اس) امر حق کی نسبت کہتے ہیں

لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ

جب وہ ان کے پاس پہنچا کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ۶۱ اور ہم نے انھیں نہ (آسمانی) کتابیں دی تھیں جنھیں وہ

يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ

پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں، اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا ۶۲ اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انھوں نے بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ

تکذیب کی تھی اور یہ (کافر) تو اس (سامان) کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انھیں دے رکھا تھا، غرض انھوں نے میرے پیمبروں کی تکذیب کی، سو

۶۱ (اور اس سحر کے تقاضے سے اس قدر موثر ہے)

قرآن کے معجز ہونے سے تو منکرین بھی انکار نہیں کر سکتے تھے، پس شیطنت یہ تھی کہ اس کی قوت اعجازی کو وہ محمول سحر پر کر دیتے تھے۔۔۔ٹھیک اسی طرح آج بھی فرنگیوں کو رسول اکرمؐ کے اعجازی کارناموں سے مجال انکار ہی نہیں۔ البتہ بجائے اس کے کہ ان واقعات کو تائید غیبی پر اور آپؐ کی حقانیت پر محمول کریں۔ الٹے انھیں آپ کی (نعوذ باللہ) چالاکیوں کا ثمرہ قرار دینے لگتے ہیں۔

۶۲ (اور اس لیے اب جب انھیں پہلی بار نبوت اور کتاب کی دولت ملی تو انھیں نعمت کی قدر اور زیادہ کرنا چاہیے تھی)

ھم۔ ھم ضمیریں بنی اسمٰعیل یا قوم عرب کی جانب ہیں کہ انھی میں نبوت پہلی بار آئی تھی۔ قوم کے مورثِ اعلی مراد نہیں کہ ان میں تو ابراہیم، اسماعیل، ہود، صالح علیہم السلام وغیرہ متعدد انبیاء پیدا ہو چکے تھے۔

آیت کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ ہم نے کوئی کتاب ان پر نازل نہیں کی، جس کے اندر شرک کی تعلیم ہو اور نہ کوئی رسول بھیجا جس نے یہ پیام دیا ہو کہ شرک نہ کرنے پر عذاب آئے گا۔

كَانَ نَكِيْرِ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى

میرا کیسا عذاب ہوا ۶۳ آپ یہ کہیے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ، دو دو

وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ

اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے ان ساتھی کو جنون تو نہیں ہے، یہ تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں

بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ

عذاب شدید کی آمد سے پہلے ۶۴ آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو، وہ تمہارا ہی رہا،

۶۳ (اور وہ کیسے تباہ و برباد ہو کر رہے)

تو یہ موجودہ منکرین جو سامان مقاومت میں ان سے ہر طرح کم تر ہیں یہ بیچارے کس شمار وقطار میں ہیں --- قدیم منکرین ومکذبین اور ان کے انجام کا ذکر قرآن جو اپنے معاصرین کے سامنے کرتا رہتا ہے اس سے مقصود یہی رہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے انجام کی طرف سے غافل نہ رہنے پائیں۔

مابلغوا معشار ماآتیناھم۔ یعنی سامانِ غفلت جو پچھلی، متمدن اور اقبال مند قوموں کو مل چکے ہیں (ان کی دولت وثروت، ان کی جسمانی قوت وتوانائی، ان کی درازعمری وغیرہ) اُن کا دسواں حصہ بھی قرآن کے مخاطب اول منکرین کو نہیں ملا ہے۔

۶۴ یعنی آؤ تمھیں اپنے دعوائے رسالت کی جانچ کا ایک آسان سا طریقہ بتاؤں۔ تم اخلاص نیت کے ساتھ خدا کو حاضر وناظر جان کر، انفراداً بھی اور مجتمعاً بھی سوچو، کہ میں جو تمہارے درمیان ہر وقت رہتا ہوں اور جس کی امانت کا، دیانت کا، اصابت رائے کا تم خود اور براہِ راست تجربہ رکھتے ہو، کیا مجھے جنون ہو گیا ہے، جو ایسے بڑے بڑے دعوے کرنے لگا ہوں کہ دیوی دیوتاؤں کا وجود باطل ہے معبود صرف ایک ہے، یوم حشر کی آمد برحق ہے، یہ کلام الٰہی ہے وغیرہا۔

أن تقوموا۔ کھڑے ہو جاؤ، یعنی مستعد وآمادہ ہو جاؤ، یہ مراد نہیں کہ اپنے دونوں پیروں پر کھڑے ہو۔

أن تجدوا وتجتهدوا فی الأمر۔ (روح۔ عن ابن جریر، ج ۲۲/ص: ۱۵٤)

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ج وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ

میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے ۶۵ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار

لایراد به المثول علی القدمین، ولکن الانتصاب فی الأمر والنهوض فیه بالهمة. (کشاف، ج۳/ص:۵۷۲)

للّٰه۔ اللہ کے واسطے یعنی نفسانیت ضد وتعصب سے پاک ہوکر، اخلاص کے ساتھ۔

خالصاً لوجه اللّٰه معرضاً عن المراء والتقلید. (بیضاوی، ج٤/ص:١٧٦)

أی لوجه اللّٰه خالصاً لالحمیة ولاعصبیة بل لطلب الحق (مدارك، ص:٩٦٧)

مثنیٰ وفرادیٰ۔ دکیلے یا اکیلے، بعضوں کا دماغ تنہا سوچنے میں خوب چلتا ہے اور بعض سے مجمع کے اندر ہی رہ کر خوب سوچتے بنتا ہے۔

صاحبکم۔ تمہارے ساتھی، جن کا تمہارا ہر وقت کا ساتھ رہتا ہے، جن کا تمہارا عمر بھر کا سابقہ رہ چکا ہے۔

بصاحبکم۔ ب یہاں فی کے معنی میں ہے۔

الباء بمعنی فی (روح، ج۲۲/ص:١٥٥)

من جِنّة۔ من بیانیہ ہے۔

من بیانیة (روح، ج۲۲/ص:١٥٥)

۶۵ (سو یہ بھی اس پر روشن ہے کہ میرے پیام میں آمیزش دنیوی کہاں تک ہے اور حق وصداقت کہاں تک)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب میری دعوت اسلام کا محرک نہ حب مال وجاہ ہے، اور نہ اس کے تحت میں کوئی جنون یا خلل دماغی کارفرما ہے، تو اب بجز خالص حق وحقانیت کے اور باقی کیا رہ جاتا ہے؟--- یہی معیار آج بھی زندہ وقائم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وسوانح تو تاریخ کا ایک اہم جز ہیں، اور ان کی روشنی میں آج بھی یہی سوال قائم کرکے جواب بعینہ یہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ج عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ

حق کو غالب کرتا ہے وہ غیوب کا جاننے والا ہے ۶۶ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نہ کرنے کا رہا

وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ج وَاِنِ اهْتَدَيْتُ

نہ دھرنے کا ۶۷ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہوگیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا اور اگر میں ہدایت پر رہوں

فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾

تو یہ اس وحی کی بدولت ہے، جو میرا پروردگار مجھے کرتا رہتا ہے، بے شک وہ بڑا سننے والا ہے، بہت قریب ہے ۶۸

ما......لکم۔ محاورے میں یہ کنایہ ہے تاکید کے ساتھ طلب اجر کی نفی سے۔

معناه نفي مسئلة الأجر راساً (مدارك، ص: ۹۶۷)

من أجر۔ أجر کے تحت میں جاہ و مال ہر قسم کا معاوضہ آگیا۔

۶۶ اس پر وہ دور دور کی چیزیں بھی روشن ہیں، جو بندوں سے مخفی رہتی ہیں۔

یقذف بالحق۔ یہ غلبہ دلائل کی مدد سے تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے، اور کبھی ظاہری قوت و شوکت سے بھی۔

۶۷ یعنی اب دین حق کے آجانے سے دین باطل کا بطلان بالکل واضح و روشن ہوگیا۔ باطل میں جان اس سے مقابلہ کرنے کی نہ رہی۔

ومایبدئ الباطل ومایعید۔ محاورے میں مراد ہلاک اور بے جان ہونے سے ہوتی ہے۔

أی زال الباطل وهلك لأن الإبداء والإعادة من صفات الحی فعدمهما عبارة عن الهلاك. (مدارك، ص: ۹۶۸)

۶۸ (ہر ایک کو جزا اس کے مناسب حال دینے پر قادر)

سمیع قریب ۔ اس میں مشرکوں کی تردید آگئی جو اپنے دیوتاؤں کو نہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے تھے اور نہ ہمہ بیں و ہمہ داں۔

آیت بڑی سبق آموز ہے۔ رسول کو بایں جلالت و شرف حکم یہ ملتا ہے کہ کمزوری اور غلط روی کو اپنی ہی جانب منسوب کرو، اور ہدایت و استقامت حق کو وحی الٰہی کی جانب --- تو جب رسول معصوم کا یہ حال ہے تو غیر معصوموں کے لیے جو حکم ہوگا ظاہر ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۵۱

اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کافر) گھبراتے پھریں گے، پھر بھاگ نہ سکیں گے اور پاس کے پاس ہی پکڑ لیے جائیں گے ۶۹

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۲ وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ

اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، اور اتنی دور جگہ سے (ایمان ان کے) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے ۷۰ درآں حالیکہ پہلے سے

لان النفس كل ما هو وبال عليها وضار لها فهو بها وبسببها لأنها الأمارة بالسوء وما لها مما ينفعها فبهداية ربها، و توفيقه، وهذا حكم عام لكل مكلف، إنما أمر رسوله أن يسنده إلىٰ نفسه لأن الرسول إذا دخل تحته مع جلالة محله وسواء طريقته كان غيره أولىٰ به (مدارك، ص:٩٦٨)

۶۹ (قیامت کے دن)

فزعوا۔ یہ گھبراتے ہوئے پھرنا، ہول قیامت سے ہوگا۔

فلافوت۔ یعنی نہ جائے فرار ملے گی، اور نہ اللہ سے بچ سکیں گے۔

أی فلامهرب أوفلايفوتون الله ولا يستبقونه (مدارك، ص:٩٦٨)

من مكان قريب۔ یعنی میدان حشر سے دوزخ کی طرف۔

من الموقف إلى النار (مدارك، ص:٩٦٨)

۷۰ یعنی دارالعمل تو یہ دنیا ہے، ایمان یہیں کا معتبر ہے، اور اسے یہ لوگ کہیں پیچھے چھوڑ آئے۔ اب تو عالم آخرت میں ہیں جو دارالجزا ہے۔

بہ۔ یعنی اس دین حق پر۔۔۔ ضمیر کا مرجع قرآن، اللہ، بعث، رسول کو ہی سمجھا گیا ہے، اور مفہوم بہر صورت ایک ہی ہے۔

والإشارة إلى .... الحق الذى أتىٰ به محمد عليه الصلوٰة والسلام.

(كبير، ج٢٥/ص:٢٣٥)

أى بالقرآن، قال مجاهد: بالله عزوجل، والحسن: بالبعث، وقتادة: بالرسول صلى الله عليه وسلم. (قرطبى، ج١٤/ص:٣١٥)

مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ

یہ لوگ اس (حق) کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور ہی سے ہانکا کرتے تھے ۱؎ اور ان میں

وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ

اور ان کی آرزوؤں کے درمیان ایک آڑ حائل کردی جائے گی جیسا کہ ان سے قبل والے ان کے ہم مشربوں سے بھی کیا جائے گا ۲؎ یہ (سب)

مکان بعید۔ عالم آخرت قبول توبہ، قبول ایمان کے لحاظ سے مکان بعید ہے۔

یرید أن التوبة کانت تقبل منهم فی الدنیا وقد ذهبت الدنیا وبعدت من الآخرة. (مدارك، ج۲۲/ص:۱۵۸)

فإنه فی حیز التکلیف وهم منه بمعزل بعید. (روح، ج۲۲/ص:۱۵۸)

۱؎ یعنی تحقیقِ حق سے بہت دور رہے، اور اٹکل کے تکے چلاتے رہے۔

یقذفون بالغیب۔ قذف بالغیب کے معنی اٹکل کے تکے چلانے کے ہیں۔

العرب تقول لکل من تکلم بما لایحقه: هو یقذف ویرجم بالغیب. (قرطبی، ج۱٤/ص:۳۱۷)

بہ۔ ضمیر یہاں بھی دین حق کی جانب ہے۔

من قبل۔ یعنی دنیا میں جو دار العمل تھی۔ عمل کی مہلت کو اسی عالم ناسوت کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲؎ (اور ان کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائے گی)

مطلب یہ ہوا کہ منکروں اور کافروں کی ساری اکڑ مرتے ہی ختم ہوجائے گی۔ اب گڑگڑائیں گے کہ توبہ قبول ہو، ایمان قبول ہو، دنیا میں واپس جانے کی اجازت ملے، عذاب سے نجات دی جائے، لیکن کوئی بھی آرزو قبول نہ ہوگی۔ ہر درخواست رد کردی جائے گی۔

مایشتھون۔ یعنی ان کی آرزو سے قبول ایمان۔ اس کی اور تفسیریں بھی آئی ہیں، لیکن الفاظ قرآنی جامع ہیں، ہر تفسیر وتعبیر پر حاوی۔

كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

بڑے شک میں تھے تذبذب میں پڑے ہوئے۔ ۳ے

۳ے (کہ بیّن سے بیّن دلائل کے باوجود بھی دولت ایمان سے بہرہ ورنہ ہوسکے) مریب۔ میں متشککین کا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ شک میں پڑے رہنے والوں کو چین کہاں نصیب؟ یہ سکون واطمینان سے محروم تو ہمیشہ تردد وتذبذب ہی میں پڑے حیران وسرگرداں رہا کرتے ہیں۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

کیا ان لوگوں نے (اس) کلام میں غور نہیں کیا؟ کیا (یہ بات ہے کہ) ان کے پاس وہ بات آئی ہو جو ان کے اگلے بڑوں کے پاس (کبھی) نہیں آئی تھی؟ ۶۱ ۶۲

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ

یا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے۔ اور اس لئے ان کے منکر رہے؟ ۶۲ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انھیں جنون

جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾

ہے؟ ۶۳ اصل یہ ہے کہ یہ (رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے اور ان میں سے اکثر حق (ہی) سے نفرت رکھتے ہیں۔ ۶۴

پر تھا۔

مشائخ محققین نے اس سے اخذ کر کے کہا ہے کہ اپنی کسی نسبت یا فضیلت اضافی پر، مثلاً اس پر کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں، نازاں ہونا مذموم ہے۔

۶۱ یعنی کیا تکذیب کی بنیاد یہ ہے کہ وحی و رسالت کا تخیل ہی ان کے لئے نامانوس ہے۔ اور یہ آواز پہلی بار ان کے کان میں پڑ رہی ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ یعنی اگر یہ لوگ اس کلام پر غور کرتے تو اس کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آجاتے۔ یہاں تکذیب کا اصل باعث بے التفاتی کو ٹھہرایا ہے۔

۶۲ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ۔ یعنی رسول کے صدق سے، دیانت سے، امانت سے ناواقف تھے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کفار معاصرین کے انکار کی ممکن وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کی سیرت سے، آپ کے اخلاق فاضلہ سے ناواقف ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو آپ کی پاکیزہ سیرت کے پورے گواہ تھے۔

۶۳ نہیں بلکہ اس کے برعکس، وہ لوگ تو آپ کی اصابت رائے کے، فہم و ذکاوت کے پوری طرح قائل تھے۔ سو اس وجہ کا بھی باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ عرب کے ان جاہلین کے بالکل قدم بہ قدم، آج یورپ کے جاہلین جدید بھی، ایک طرف آپ کے کمال حکمت و دانائی کے قائل ہیں، یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی حکمت و خوش تدبیری سے قرآن نامی ایک کتاب گڑھ لی، سارے ملک عرب کی بیسیوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں کو متحد کر لیا، سب کو ایک دین کا پابند بنا لیا، بڑے بڑے پُرقوت دشمنوں، مشرکین قریش و یہود مدینہ وغیرہ پر غالب آگئے، وقس علی ہذا ـــــ ایک طرف تو آپ کی دانائی، فرزانگی و خوش تدبیری کا اعتراف اس زور شور سے ہے، اور دوسری طرف آپ کو (نعوذ باللہ) نیم مجنون، صرع زدہ بتانے پر بھی اصرار جاری ہے!

۶۴ سو اصل وجہ ان فرضی ہوئی وجوہ میں سے کوئی نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انھیں حق ہی سے بیگانگی اور بیزاری ہے۔ کبھی تقلید آبائی کی بنا پر۔ کبھی بغض و تعصب کی بنا پر، کبھی کسی اور غرض نفسانی کی بنا پر۔ اور

(۳۵)

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ

ایاتہا ۴۵ — ۴۵ آیتیں
رکوعاتہا ۵ — ۵ رکوع

سورۃ فاطر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا [1] (اور) فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا [2]

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ

جو دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو رکھتے ہیں وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے [3]

[1] آیت میں بتایا ہے کہ یہ آکاش دیوتا یہ دھرتی مائی قادر اور متصرف تو کیا ہوتے، غیر مخلوق یا خود آفریدہ بھی نہیں، جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ تمام تر مخلوق ہیں، اور اللہ ہی ساری مخلوقات کی طرح ان کا بھی خالق و فاطر ہے۔ ملاحظہ ہو، حاشیہ تفسیر انگریزی۔

فاطر۔ وہ ہے جو عدم سے وجود میں، نیستی سے ہستی میں لائے، نہ وہ کہ جو صرف ترتیب و تنظیم از سرِ نو کر دے۔

فطر اللہ الخلق وھو إیجاد الشیئ وإبداعہ (راغب، ص:٤٢٨)

أی خالقھما ومبدعھما علیٰ غیر مثال سبق (معالم، ج٣/ص:٦٨٧)

الفطر الابتداء والاختراع (قرطبی، ج١٤/ص:٣١٩)

[2] فرشتے نہ دیوی دیوتا ہیں نہ متصرف فی الامور، وہ اللہ کے صرف کارندے ہیں، غیر جس خدمت پر بھی لگا دیے جائیں، اور ان کی ایک خاص خدمت ہے انبیاء کے پاس پیام رسانی، خواہ یہ پیامات احکام شریعت سے متعلق ہوں یا بشارتیں وغیرہ ہوں۔

[3] (چنانچہ پروں اور بازوؤں کا بھی حصر اس تعداد پر نہیں)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۴ اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے

فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ

کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں اور جو وہ بند کردے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں، اور وہی غلبہ والا ہے

الْحَكِیْمُ ② یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ

حکمت والا ہے ۵ اے لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے

غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی بہم پہنچاتا ہے؟ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو؟ ۶

عالم غیب کی کسی بھی کیفیت کا پورا صحیح علم انسان کو اپنے ان قویٰ کے ساتھ ممکن نہیں۔ جتنی بھی صفات وکیفیات اس عالم سے متعلق یہاں بیان کی جاتی ہیں، وہ سب بطور مثال تقریب فہم کے لیے ہوتی ہیں۔ اسی عام قاعدے کے ماتحت فرشتوں کے بازوؤں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ انھیں تمام تر دنیا کے پرندوں کے پروں کا عکس سمجھ لینا صحیح نہیں۔ چنانچہ خود ثلٰث (تین تین بازوؤں) کا نقشہ تو دنیوی مشاہدے کے خلاف ہی ہے۔

۴ جس مخلوق کی جو خلقت چاہے رکھے اور جو کام اس سے چاہے لے، تو کوئی فرشتوں کی تخلیق وغایت تخلیق پر حیرت ہی کیوں کرے۔

۵ وہی نعمتوں کے بند کرنے پر بھی قادر، وہی کھولنے پر بھی قادر رہا اور ہر پہلو مصلحت وحکمت ہی کی بنا پر اختیار کرنے والا۔

بعدہٖ۔ یعنی اس کے اساک کے بعد۔

أی من بعد امساكه (بیضاوی، ج ٤ / ص: ١٧٨ - روح، ج ٢٢ / ص: ١٦٥)

بعض نے ضمیر اللہ کی جانب مانی ہے، اس صورت میں بعد مرادف ہوگا غیر کے۔

أی فلا یقدر علی إرسالهم غیر الله. (قرطبی، ج ١٤ / ص: ٣٢١)

۶ (اور دوسروں کو بھی شریک الوہیت ومعبودیت کیے لیتے ہو)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے قبل بھی پیمبر جھٹلائے جاچکے ہیں ۷ اور اللہ ہی کی طرف

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

(سب) امور واپس ہوں گے ۸ اے لوگو! اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو یہ نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمہیں

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ

دھوکے میں ڈال دے ۹ اور یہ نہ ہو کہ تم کو وہ بڑا فریبیا اللہ کی طرف سے دھوکے میں ڈال دے ۱۰ بے شک (یہ) شیطان تمہارا

خالقٍ غیر اللّٰہ۔ اشارہ ہے نعمت ایجاد کی طرف (کبیر، ج ۲۶/ص: ۵)

یرزقکم اشارہ ہے نعمت ابقا کی طرف (کبیر، ج ۲۶/ص: ۵)

مسیحی شرک کے لیے ملاحظہ ہو، حاشیہ تفسیر انگریزی۔

یٰاَیھا الناس۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کے عالم گیر اور ہمہ آفاقی ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔

۷ (تو آپ اسی سے تسلی حاصل کیجئے اور زیادہ غم میں نہ پڑیئے)

۸ (وہ خود ہی سب سے نپٹ لینے کو کافی ہے، آپ کیوں زیادہ فکر و غم میں پڑیں)

۹ یعنی لذات دنیوی میں منہمک ہو کر تم آخرت سے غافل ہو جاؤ اور حلال و حرام، جائز و ناجائز میں امتیاز ہی نہ رکھو۔ اس فریب کا تعلق فسق کی عملی زندگی سے ہے اور یہ فریب نفس انسانی کی راہ سے آتا ہے۔

یٰاَیھا الناس۔ خطاب کی تعمیم پیامِ قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل ہے۔

وعد اللّٰہ۔ وعدۂ الٰہی میں جزا و سزا یقینی ہے۔

۱۰ یعنی راہ حق سے منھ موڑ لو، اور سرے سے باطل پرستی کو اپنا شعار بنا لو۔ اس فریب کا تعلق کفر کی اعتقادی زندگی سے ہے، اور یہ فریب براہِ راست شیطان کے اثر سے آتا ہے۔

عقیدے کی گمراہی عملی فسق سے ظاہر ہے کہ کہیں بڑھی ہوئی ہے۔

الغرور۔ بڑا فریبیا، یعنی شیطان۔

عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ

دشمن ہے، سو تم اسے دشمن (ہی) سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لیے بلاتا ہے کہ وہ لوگ

اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دوزخیوں میں سے ہو جائیں ۱۱ جو لوگ کافر ہو گئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ؕ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ

اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ۱۲ تو کیا وہ جسے اس کا عمل خوشنما

ع ۱۲

أی المبالغ فی الغرور، وهو علی ما روی عن ابن عباس والحسن ومجاهد "الشيطان" (روح، ج ۲۲/ص: ۱۶۸)

۱۱ شیطان اگر کوئی واقعی ایک خارجی مخلوق اور انسان کی اتنی شدید دشمن نہیں تو آخر قرآن مجید اس کثرت اور شد و مد سے اس کا اور اس کی خباثتوں کا ذکر کیوں کرتا ہے؟

فاتخذوه عدوا۔ اس سے برتاؤ بھی وہی رکھو جو دشمن کے ساتھ رکھا جاتا ہے--- قدم قدم پر اس کی مخالفت کرو، اور اس کی اصلی مخالفت یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کرو۔

حزبه ۔ یعنی اپنے پیرووں کو۔

إنما ....السعیر۔ گویا دعوتِ شیطانی کا کھلا ہوا نتیجہ دوزخی ہونا ہے۔

لیکونوا ۔ میں ل عاقبت کا ہے۔

أی إنما يقصد أن يضلكم حتى تدخلوا معه إلى عذاب السعير (ابن کثیر، ج ۳/ص: ۵۱۰)

۱۲ الذین کفروا۔ یہ پہلا گروہ وہی ہے، جس نے دعوت شیطانی کو قبول کرلیا۔ والذین آمنوا وعملوا الصلحت۔ یہ دوسرا گروہ وہی ہے، جو دعوت شیطانی سے الگ الگ رہا۔

لهم مغفرة وأجر کبیر۔ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مغفرت تو مرتب ہوگی ایمان پر اور اجر کبیر مرتب ہوگا اعمال صالح پر (کبیر، ج ۲۶/ص: ۶)

سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ

کر دکھا گیا اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا (اور جو باطل کو باطل ہی سمجھا دونوں کہیں برابر ہو سکتے ہیں) ۱۳ سو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ

راہ دکھا دیتا ہے۔ ۱۴ سو ان پر افسوس کر کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں سے

۱۳ ترجمۂ متن میں قوسین کے درمیان کا سارا فقرہ قرآن مجید میں محذوف ہے، اور ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھانا پڑے گا---قرآن کے اسلوب بلاغت میں اس حذف وتقدیر کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

حذف الجواب لدلالة (کشاف، ج٣/ص:٥٨٢-بیضاوی، ج٤/ص:١٧٩)

حذف هذا الخبر لدلالة الكلام عليه واقتضاء النظم الجليل إياه (روح، ج٢٢/ص:١٦٩)

عربی کے اسلوب بیان اور اردو کے اندازِ تحریر کے درمیان آسمان وزمین کا فرق بعض حیثیتوں سے ہے۔ اور انھی میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ عرب انشاء وخطابات میں محذوفات ومقدرات بکثرت آتے رہتے ہیں۔

زین له سوء عمله۔ یعنی وہ گمراہی میں پڑ گیا۔

ومعنى تزيين العمل والإضلال واحد (کشاف، ج٣/ص:٥٨٢)

قتادہ تابعی سے روایت ہے کہ یہ آیت فرقۂ خوارج کے حق میں ہے کہ وہی لوگ مسلمانوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں۔ دوسرے اہل کبائر، کبائر کو بہرحال جائز تو نہیں سمجھتے۔

قال قتادة: منهم الخوارج الذين يستحلون دماء المسلمين وأموالهم فأما أهل الكبائر فليسوا منهم لأنهم لايستحلون الكبائر. (معالم، ج٣/ص:٦٨٨)

۱۴ (حسب تقاضائے حکمت ومصالح تکوینی)

ضلال وہدایت دونوں کا ترشح اسی کی طرف سے بتقاضائے حکمت ہی ہوتا رہتا ہے۔

ایک کی آنکھوں پر گویا پٹی بندھ جاتی ہے اور اس کی عقل وفہم اندھی ہو جاتی ہے، اور دوسرے کی آنکھیں کھلی اور روشن رہتی ہیں اور اس کی عقل وفہم درست وقائم رہتی ہے۔

بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَاللّٰهُ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ

خوب واقف ہے ۱۵ اور اللہ وہی ہے، جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اسے ہانک لے جاتے ہیں

اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

خشک خطۂ زمین کی طرف، پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد سرسبز کر دیتے ہیں ۱۶ اسی طرح

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

جی اٹھنا ہوگا ۱۷ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لیے ہے ۱۸ اسی تک اچھا کلام بلند ہوتا ہے

۱۵ (اور وہی ان سے نپٹ لینے کے لیے بالکل کافی ہے)

فلا............حسرات۔ اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرتؐ کے قلب مبارک میں کس درجہ درد تھا اور آپ کس کس طرح منکروں کی ہدایت کے لیے بے قرار رہا کرتے تھے۔

۱۶ یعنی زمین مردہ میں اسی کے متناسب جان ڈال دیتے ہیں۔

الریح – سحاباً – فسقنه۔ بارش اور برساتی ہواؤں پر حاشیہ، سورۃ الروم، آیت ۴۶ میں گزر چکا۔

فسقنه إلى بلد میت۔ اور وہاں اس خشک علاقے میں بارش ہو جاتی ہے۔

ایک بارش کے سلسلے میں قدرت کی کارفرمائیوں کے جو انتظامات ہوتے رہتے ہیں، ایک خاص وقت پر زمین سے بخارات کا اٹھنا، ایک خاص بلندی پر جا کر ان کا جم جانا، اس کثیف و باردار ہوا کا ایک خاص رفتار سے کسی خاص سمت کی طرف چلنا، کسی متعین علاقے پر جا کر فضا میں اتنی گرمی پیدا ہونا کہ ایک متعین مقدار میں بارش کے قطرے زمین پر آئیں، وغیرہ وغیرہ موسمیات (میٹریولوجی) کی ساری باریکیاں انسان کو خدائے حکیم و قدیر پر ایمان لے آنے کے لیے بالکل کافی ہیں۔

۱۷ (قیامت کے دن)

واقعات تکوینی کی مثالوں کے پیش کرنے سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ کسی اہم دینی ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

۱۸ چنانچہ جو اس سے جس درجہ کا تعلق رکھتا ہے اسی مناسبت سے خود بھی اپنے حسب ظرف عزت حاصل کر سکتا ہے۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے، اور جو لوگ بڑی بڑی تدبیریں کرتے رہتے ہیں ۱۹ انھیں سخت عذاب

شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ

ہوگا اور ان کا مکر (سب) نیست و نابود ہو کر رہے گا ۲۰ اور اللہ نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ

نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اسی نے تمھیں جوڑے جوڑے بنایا اور عورت کو جو کچھ حمل رہتا ہے یا جو وہ جنتی ہے

اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ

سب اسی کے علم سے ہوتا ہے، اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کم کی جاتی ہے مگر یہ (سب) لوح محفوظ میں ہے ۲۱

فھی کلھا للہ ومن یتذلل لہ فھو العزیز، ومن یتعزز علیہ فھو الذلیل. (کبیر، ج۲۶/ص:۸)

آیت طالبانِ عزت و جاہ منکرینِ حق کی رد میں ہے۔

۱۹ (مخالفت دینی کی)

الکلم الطیب ۔ کلام طیب میں اقرار ایمان اور ساری قولی نیکیاں داخل ہیں۔

العمل الصالح۔ عمل صالح میں تصدیق قلبی اور ساری ظاہری و باطنی عملی نیکیاں شامل ہیں۔

یرفعہ ۔ میں ضمیرہٗ۔ الکلم الطیب کی جانب ہے۔

ھو الکلم الطیب أی الکلم الطیب یرفع العمل الصالح. (کبیر، ج۲۶/ص:۹)

۲۰ یعنی ان کی ہر تدبیر الٹی پڑے گی، اور ناکام رہے گی، چنانچہ یہی ہو کر رہا، مخالفین پھر ومعاندین نے منصوبے باندھے تو تھے اسلام و پیمبر اسلام کے مٹا دینے کے، لیکن خود ہی مٹ کر رہے۔

۲۱ (لکھا ہوا اس کے علم ذاتی وقدیم کے موافق)

آیت رد شرک میں ہے جاہلی مشرک قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو صاحب علم تو مانتی تھیں، لیکن ایسا علم جو ناقص و محدود تھا، یہاں یہ ان کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا علم کامل ہے، اور ہر ہر جزئیہ پر محیط، بلکہ اس نے اپنے علم کے ماتحت مستقبل کے سارے واقعات لوح محفوظ میں درج کر رکھے ہیں۔

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۖ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

یہ سب اللہ کو آسان ہے ۲۲ اوردونوں دریا برابر نہیں ہیں ایک شیریں پیاس بجھانے والا ہے

سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا

اس کا پینا بھی آسان اورایک شور تلخ ہے اورہرایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو ۲۳

وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا

اورزیورنکالتے ہوجسے تم پہنتے ہو ۲۴ اورتو کشتیوں کواس میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتے دیکھتا ہے، تاکہ تم اس کی (دی ہوئی)

خلقکم من تراب۔ اس خلق کاتعلق نوع انسانی سے ہے۔

ثم من نطفة۔ اس خلق کاتعلق ہرہرفرد سے ہے۔

وماتحمل من أنثىٰ ولا تضع۔ یعنی نریامادہ جیسا بھی حمل اور بچہ ہو۔

۲۲ اللہ کاعلم ذاتی جس کے آگے مستقبل وماضی سب یکساں، اس کے لیے یہ چیزیں دشواری ہی کیا رکھتی ہیں۔

ذلك۔ یعنی ان چیزوں کا احاطہ کرنا، یاان میں کمی یازیادتی۔

أى احصاء ه أو زيادة العمر ونقصانه. (مدارك،ص:٩٧٤)

۲۳ (مچھلیوں کا)

ومن كل۔ کھانے والی مچھلیاں، نمکین و تلخ سمندر، اورشیریں وخوش ذائقہ دریاؤں سب میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

البحران۔ دونوں قسم کے پانیوں پر حاشیے پہلے گذرچکے۔

۲۴ حلية۔ یازیور سے اس سیاق میں مراد موتی اور مونگا وغیرہ ہیں، جوانسانی لباس، زیورآرائش وغیرہ کے کام میں آتے ہیں۔

أى اللؤلؤ والمرجان (روح،ج ۲۲/ص:۱۷۹)

والمرادبالحلية اللآلى واليواقيت. (بيضاوى، ج ٤/ص:١٨٠)

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر گزار ہو ۲۵ وہ رات کو دن میں داخل کردیتا ہے اور دن کو رات میں

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

داخل کردیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت معین تک چلتا رہے گا

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی حکومت ہے، اور جنھیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی

مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا

اختیار نہیں رکھتے ۲۶ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری سنیں گے بھی نہیں اور اگر سن بھی لیں

۲۵ آیت میں ایک طرف تو دنیا کی نظام الٰہی کی وحدت، تنظیم ومنافع بخشی سے صانع کی توحید اور کمال قدرت اور کمال صنعت اور صفت نعمت بخشی پر استدلال ہے، اور دوسری طرف صاف ترغیب مل رہی ہے بحری تجارت کی --- وہ تجارت جو آج بیسوی صدی عیسوی میں بھی شاید سب سے بڑا ذریعہ شخصی دولت اور قومی ثروت دونوں کا ہے، اور جسے مسلمان گویا صدیوں سے بالکل بھول ہی چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ لقمان، آیت ۳۱ کے حاشیے۔

لتبتغوا من فضله۔ یعنی ان کشتیوں کے ذریعے سے سفر وتجارت کر کے نفع حاصل کرو۔

بحری تجارت کی اہمیت ومنفعت عظیم کے قائل ہمارے مفسرین قدیم بلکہ تابعین بھی رہ چکے ہیں۔

. أي بأسفاركم بالتجارة من قطر إلىٰ قطر وإقليم إلىٰ إقليم. (ابن کثیر، ج۳/ص:۵۱۳)

قال مجاهد: التجارة في الفلك إلى البلدان البعيدة في مدة قريبة. (قرطبی، ج۱۴/ص:۳۳۵)

لعلکم تشکرون۔ یعنی ان کامیاب بحری تجارتوں کے بعد بہک نہ جاؤ، عیش وعشرت اور غفلت میں نہ پڑ جاؤ۔ دین واخلاق کی راہ پر قائم رہو۔

۲۶ (پھر کیسی حماقت ہے کہ توحید کے ساتھ شرک کو کسی درجہ میں بھی شریک وشامل کرلیا جائے)

مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ

تو تمہارا کہا نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی سے منکر ہوں گے اور تجھ کو (خدائے) خبیر کا سا

مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ

کوئی نہ بتائے گا ۲۷ اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو

من قطمیر۔ محاورۂ عرب میں اس کے وہی معنی ہیں، جو ہماری زبان میں ''ذرہ بھر''، ''رتی برابر'' کے ہوتے ہیں۔

یولج .... القمر۔ یہ روز روشن اور یہ شب تار، یہ گرم آفتاب اور یہ خنک ماہتاب قدرت کے اتنے بڑے بڑے عظیم الشان مظاہر، ان میں سے کون اپنی جگہ پر آزاد خود مختار ہے؟ سب کے سب اللہ ہی کی مشیت تکوینی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مشرک جاہلی قوموں نے سورج اور چاند اور رات دن، سب کو معبود سمجھا ہے، ابتدائی پاروں میں اس پر بار بار حاشیے گذر چکے۔ قرآن مجید اس مصلحت وضرورت سے بار بار ان چیزوں کے نام لے لے کر انہیں قدرت الٰہی کا مطیع ومسخر بتاتا ہے۔

کل .... مسمی۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے مقرر کیے ہوئے قاصدوں کی گرفت سے آزاد نہیں۔ آیت میں نظام شمسی کے حسنِ تنظیم سے استدلال ہے صانع کی توحید وحکمت پر۔

ذلکم .... له الملك۔ حکومت وقدرت تو اسی ایک کی ہے، جس کے یہ شواہد اور نمونے تم ہر وقت دیکھتے رہتے ہو۔

والذین .... قطمیر۔ پھر کیسی حماقت ہے کہ تم ایسوں کو پکارتے ہو جنہیں قدرت ایک شمہ بھر بھی حاصل نہیں۔ آیت میں دیوی دیوتاؤں کی بے بسی اور بے اختیاری دکھائی ہے۔

یوم .... بشرککم۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ اس کشف حقائق کے دن یہ تمہارے معبود خود ہی تمہاری ''عبادت'' سے تبری وانکار کرنے لگیں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ مثلاً کلا سیکفرون بعبادتهم ویکونون علیهم ضدا یا وکانوا بعبادتهم کافرین۔ یا ما کنتم ایانا تعبدون۔

۲۷ یعنی خدائے علیم وخبیر سے بڑھ کر کس کی بات پکی ہوگی، اور وہی تمہیں ان حقائق سے

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾

اور اللہ تمام تر بے نیاز ہے (تمام) خوبیوں والا ہے ۲۸ وہ اگر چاہے تم کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق موجود کردے ۲۹

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ

اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں ۳۰ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے

آگاہ کررہا ہے۔

۲۸ اس کی ذات میں کسی چیز کی کیا کمی اور کیا کسر ہے، وہ خود ہی سارے کمالات کا جامع ہے اور اس نے ایمان اور احکام شریعت کی جو تلقین کی ہے، یہ تمہارے ہی نفع کے لیے۔

أنتم الفقراء۔ انسان اپنے وجود میں، بقا میں، فنا میں، جملہ حاجات میں محتاج اسی ذات واجب الوجود کا ہے۔

وجود، بقاوفنا وغیرہ میں تو یہ محتاجی ظاہر ہی ہے، جن چیزوں میں بظاہر اختیار معلوم ہوتا ہے، مثلاً بولنے چالنے، دیکھنے سننے، چلنے پھرنے میں، ان میں بھی ایک ایک حرکت مشیت الٰہی، اذن خداوندی ہی کی محتاج ہے۔

ھو الغنی۔ یعنی اسے مخلوق کی امداد واعانت کی حاجت تو کجا، وہ تو اس کی مملوکیت وعبدیت کے تعلق سے بھی بے پرواہ ہے، لیکن اس کا غنا محض غنا ہی نہیں، وہ ہمارے فقر ودرماندگی کا چارہ ساز بھی ہے۔

الحمید۔ یعنی وہ ہر حال میں تمام تر محمود ہی ہے، دنیا کی ہر مدح اُسی کی حمد ہے، ان تمام صفات کے اثبات میں مشرکوں ہی کی پراگندہ خیالیوں کی تردید ہے۔

۲۹ (جو کفر وسرکشی نہ کرے)

یذھبکم۔ یعنی تمہارے کفر وسرکشی کی پاداش میں تمہاری نوع ہی کو سرے سے معدوم کردے۔

خلقٍ جدید۔ اس خلق جدید میں جدت کی کیا کیا صورتیں ہوں، اس کا احاطہ ہمارا علم تو کیا ہمارا وہم وگمان بھی نہیں کرسکتا۔

۳۰ (لیکن وہ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے فوری سزا کو ملتوی کیے ہوئے ہے)

اِلٰی حِمۡلِهَا لَا یُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَیۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی ؕ اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِیۡنَ

بلائے گا جب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو ۳۱ آپ تو بس انھی کو ڈرا سکتے ہیں جو

یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَیۡبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنۡ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا

بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ۳۲ اور جو پاک ہوتا ہے وہ اپنی ہی

یَتَزَكّٰی لِنَفۡسِهٖ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی

جان کے لیے پاک ہوتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۳۳ اور نہ اندھا

ذلك۔ یعنی یہ تمہارا مٹانا اور دوسروں کا بنا دینا۔

أی ماذکر من إذھابھم والاتیان بخلق جدید(روح، ج۲۲/ص:۱۸۴)

أی الإنشاء والإفناء. (مدارك، ص:۹۷۵)

۳۱ (پس اس بھروسہ پر رہنا کہ ہمارے آباء واجداد مقبولین میں ہوئے ہیں، کیسی شدید حماقت ہے)

ولا تزر.........أخری۔ یہ سب کشف حقائق وظہور نتائج کے دن، یعنی قیامت میں ہوگا۔

وِزر۔ سے مراد کفر ومعصیت کا بوجھ ہے، اور اس کا تعلق ذاتی عمل سے ہے، ورنہ اعانت جرم، یعنی اغوا و اضلال تو خود ایک مستقل جرم ہے، آیت میں خاص طور پر رد اُن مذہبوں کا ہے، جن کا دارومدار ہی کفارہ وشفاعت کے عقائد پر ہے۔

۳۲ (اور وہ مؤمنین ہیں)

مطلب یہ ہوا کہ آپ کی تعلیم وتبلیغ سے نفع تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو طالب حق ہوتے ہیں۔

۳۳ (اور وہی سب کے فیصلے کے لیے کافی ہے)

ومن.........لنفسه۔ اس لیے اگر کوئی آپ کی پکار پر دھیان نہیں رکھتا، اور بدستور کفر کی آلودگی اور گندگی میں پڑا رہتا ہے تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟

وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝

اور دیکھنے والا کہیں برابر ہیں، اور نہ تاریکیاں اور روشنی ہی، اور نہ (ٹھنڈا) سایہ اور زجلتی ہوئی) دھوپ ہی،

وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ

اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں ۳۴ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سُنوا دیتا ہے

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ۳۵ ہم ہی نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے

بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ وَاِنْ

خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے، اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں ڈرانے والے نہ گزرا ہو ۳۶ اور اگر

۳۴ (اسی طرح کافر اور مومن بھی یکساں نہیں ہو سکتے)

البصیر۔ النور۔ الظل۔ الأحیاء۔ ادراک حق ہونے کے لحاظ سے مومن کی مثال آنکھوں والے اور نور اور سایہ اور زندہ کی ہے۔

الأعمیٰ۔ الظلمٰت۔ الحرور۔ الأموات۔ ادراک حق نہ کرنے کے لحاظ سے کافر کی مثال نابینا اور تاریکی اور چلچلاتی دھوپ اور مردہ کی ہے۔

لا۔ لا۔ لا۔ تاکید نفی کے لیے ہے، اور اس کی تکرار تاکید مزید کے لیے ہے۔

لالتاکید نفی الاستواء وتکریر ھا علی الشقین لمزید التاکید (بیضاوی، ج ٤/ص:١٨١)

وزيادة "لا" لتاكيد معنى النفى (مدارك، ص:٩٧٦)

۳۵ (کسی کے دل میں ہدایت اتار دینا، کسی پر ہدایت ٹھونس دینا آپ ﷺ کے بس میں نہیں)

إنّ .... القبور۔ یعنی اللہ ہی ان کو ہدایت دے دے تو اور بات ہے، ورنہ بندوں کے بس میں تو یہ ہے نہیں۔

۳۶ (خواہ بحیثیت پیمبر خواہ بطور نائب پیمبر کے)

یعنی ہر قوم کے اوپر تبلیغ حق کسی نہ کسی طریقہ پر ہو ضرور چکی ہے۔

يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم

یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو ان کے قبل والوں نے بھی تو جھٹلایا تھا، ان کے پاس بھی ان کے پیمبر

بِالْبَيِّنَٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَٰبِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا

کھلے ہوئے نشان اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے تو میں نے (ان) کافروں کو پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ

سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا ۳۷ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا،

فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَٰنُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ

پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید

وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ

اور کوئی سرخ، ان کے رنگ مختلف ہیں اور کوئی بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں

وَالْأَنْعَٰمِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ

اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں ۳۸ اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں

۳۷ (اس طرح ان کافروں پر بھی ان کے وقت پر عذاب آئے گا)

اس قسم کی آیتوں سے (جو قرآن مجید میں بکثرت ہیں) ایک مقصود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا تھا، اور دوسرا معاصر کافروں کو یہ بتانا کہ مہلت مل جانے سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ اپنے وقت معین پر عذاب کا آنا قطعی ہے۔

۳۸ توجہ ان تکوینی اختلافات پر دلائی گئی ہے کہ انھیں خیال میں رکھو، تو کافر و مومن کے فرق پر بہت زیادہ حیرت نہ ہو۔

. انزل......... الوانها۔ یعنی بارش کا پانی ایک ہی ہے، جو سب پھلوں کو پیدا کر رہا ہے، اس پر بھی ان کی شکلیں، مزے، تاثیریں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ

جو علم والے ہیں ۳۹ بے شک اللہ زبردست ہے بڑا مغفرت والا ہے ۴۰ بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں

جُدَدٌ۔ جدۃ کی جمع ہے جس کے معنی راستے کے بھی اور خط یا دھاری کے ہیں۔

۳۹ (جو اللہ کی عظمت کا علم رکھتے ہیں اور اسی لیے دلائل قدرت پر غور کرتے رہتے ہیں)

مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ عظمت کا علم اگر اعتقادی ہوتا ہے تو خشیت بھی اعتقادی ہوتی ہے، اور اگر عظمت کا علم حالی ہوتا ہے تو خشیت بھی حالی ہوتی ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۴۵)

العلماء۔ علماء سے اصطلاحی علماء مراد نہیں، جو فلاں فلاں کتابیں پڑھ چکے ہیں، فلاں امتحان کی سند رکھتے ہیں، بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ اور ان کے احکام کی معرفت رکھتے ہیں، اور ان کا عمل بھی ان کے مرتبہ علم و معرفت کے متناسب رہتا ہے۔

العلماء هم الذين علموه بصفاته وتوحيده ومايجوز عليه ومايجب له ومايستحيل عليه فعظموه وقدروه حق قدره. (بحر، ج ۷/ص: ۳۱۲)

المراد، العالمون بالله عزوجل وبما يليق به من صفاته الجليلة وأفعاله الحميدة وسائر شؤونه الجميلة لا العارفون بالنحو والصرف (روح، ج ۲۲/ص: ۱۹۱)

علم اور خشیت کے درمیان تعلق قدیم صحیفوں میں بھی مذکور ہے مثلاً ''اس نے انسان کو کہا کہ دیکھو خدا کا خوف خرد ہے، اور بدی سے دور رہنا ہی فہمید ہے'' (ایوب۔ ۲۸: ۲۸)

فقہائے مفسرین نے کہا ہے کہ آیت دلیل ہے فضیلت علم پر، اور اس پر کہ خشیت و تقویٰ اسی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔

فيه الابانة عن فضيلة العلم وأن بتوصل إلى خشية الله وتقوه (جصاص، ج ۳/ص: ۳۷۳)

۴۰ وہ سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے اور پھر بھی مجرموں کے حق میں بڑا مہربان بھی ہے۔۔۔ گویا ہر عزت و خشیت کا مستحق اپنے دونوں صفات کے لحاظ سے بھی ہے۔

غفور۔ صفت غفور اس موقع پر لانے سے عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اس میں علمائے خائفین کو تسکین بھی ہے کہ خطائے اجتہادی معاف کر دی جائے گی۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً

اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ وعلانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں

لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

جو کبھی ماند نہ پڑے گی ۴۱ تاکہ ان کو ان کے (اعمال کے) صلے (اللہ) پورے دے اور اپنے فضل سے ان میں (کچھ) بڑھا بھی دے، بے شک

وَالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ

وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا قدردان والا ہے ۴۲ اور جو کتاب ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا

بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ۴۳ پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھ میں بھی پہنچائی جنھیں ہم نے

۴۱ کبھی نہ ماند پڑنے والی تجارت سے مراد ظاہر ہے کہ جنت کی ابدی اور غیر منقطع نعمتیں ہیں۔

الذین..........علانیۃً۔ یہ سب صفات انھی خشیت رکھنے والے اہل علم کے بیان ہو رہے ہیں۔

سراً وّعلانیۃً۔ کہیں مصلحت دینی علانیہ ہی صرف کرنے کی ہوتی ہے، اور کہیں اس کے برعکس کی۔ یہ لوگ اس موقع ومحل کو لحاظ میں رکھتے ہیں۔

تجارۃً لن تبور۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ تجارتی اور کاروباری اصطلاحات کے آنے سے ایک طرف تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ اُس وقت کے عربوں کے قومی مزاج پر تجارتی مذاق اچھا خاصہ غالب تھا، اور دوسری طرف اس پر کہ قرآن کو اسی مذاق کا امت اسلامی میں پھیلا رہنا مقصود بھی تھا۔

۴۲ غفور۔ بخشنے والا ایسا کہ اعمال کی کوتاہیوں، فروگزاشتوں، لغزشوں کو بخش دے۔

۴۳ خبیر۔ اُن کے ہر حال کی خبر رکھنے والا۔ بصیر۔ ان کی ہر مصلحت پر نظر رکھنے والا۔

من الکتٰب۔ من بیانیہ ہے۔

من للتبیین (مدارک، ص: ۹۷۸)

مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ

اپنے بندوں میں سے چن لیا ۴۴ پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے متوسط ہیں اور بعض ان میں سے

بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ

اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں، یہ بہت ہی بڑا فضل ہے ۴۵ وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے

۴۴ (اور انھی کا مجموعی نام ملتِ اسلامی یا امتِ محمدی ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط یہ کتاب الہی کی امانت اب امت محمدیؐ کے ہاتھ میں پہنچی ہے، اور وہی دنیا کی ساری ملتوں میں سے حق تعالیٰ کی پسند کی ہوئی جماعت ہے۔

الذین اصطفینامن عبادنا۔ سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد امت مومنین ہے۔

وهم أهل الإيمان وعليه الجمهور (مدارك، ص:۹۷۹)

وهم كما قال ابن عباس وغيره أمة محمد صلى الله عليه وسلم. (روح، ج۲۲/ص:۱۹٤)

وهم هذه الأمة. (ابن كثير، ج۳/ص:٥١٦)

امام ابویوسفؒ سے دریافت کیا گیا کہ آیت میں جن طبقات کا ذکر ہے، یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: سب مسلمان ہے۔

سئل أبو يوسفؒ عن هذه الآية، فقال كلهم مؤمنون. (مدارك، ص:۹۷۹)

۴۵ مسلمانوں کی یہاں تین قسمیں بیان ہوئی ہیں پہلی قسم:

ظالم لنفسہ۔ یعنی ہیں تو مسلمان، لیکن گناہ کر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

امام رازیؒ نے چند اور صفات بھی بیان کیے ہیں، مثلاً: ظالم وہ ہے جس کے سیآت زائد ہوں، یا جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو، یا جو صاحب کبیرہ ہو، یا جو بعد حساب قابل نار ہو۔

مقتصد۔ یہ دوسری قسم ہے یعنی نہ تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور نہ طاعت ہی میں کچھ ترقی کرتے ہیں، بس بقدر ضرورت پر اکتفا کیے ہوئے ہیں۔

امام رازیؒ نے کچھ اور بھی خصوصیات ذکر کیے ہیں، مثلاً: مقتصد وہ ہے جس کے خیر وشر مساوی ہوں یا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، یا جو صاحب صغیرہ ہو، یا جو بعد حساب نجات پائے۔

سابق بالخیرات۔ یہ تیسری قسم ہوئی کہ گناہوں سے بچتے بھی ہیں اور طاعات میں فرائض کے علاوہ بھی بہت کچھ ہمت کیے رہتے ہیں۔

امام رازیؒ کے الفاظ میں سابق بالخیرات وہ ہے جس کے حسنات زائد ہوں یا جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو، یا جو گناہوں سے محفوظ ہو، یا جو بے حساب وکتاب جنت میں جائے۔ (کبیر، ج۲۶/ص:۲۳)

ذلک۔ یعنی ایسی کامل کتاب کا مسلمانوں کو حامل بنا دینا۔

أی إیراث الکتاب (مدارک، ص: ۹۸۰)

فمنهم ظالم لنفسه۔ آیت کا یہ جز اس باب میں نص صریح ہے کہ مومن باوجود سخت گنہگار ہونے کے بہر حال مغفور ہی ہوتا ہے---اور یہ تصریح مسلک خارجیت کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔

قال ابن عطاء: إنّما قدم الظالم لئلاييأس من فضله، وقيل: إنما قدمه، ليعرّفه، أن ذنبه لايبعده من ربه. (مدارک، ص:۹۷۹)

بعض تفسیری اقوال میں یہاں تک آ گیا ہے کہ ظالم لنفسه وہ ہے، جو بلاتوبہ کیے گناہ کبیرہ پر فوت ہو جائے۔

قال معاذ الظالم لنفسه الذی مات علی کبیرة لم یتب منها. (روح، ج۲۲/ص:۱۹۶)

اور اقوال رجال سے قطع نظر خود لفظ قرآنی بھی اس طبقے کی گناہگاری واضح کرنے کو کیا کم ہے، اس پر بھی سب کے مغفور ہونے پر نہ صرف جمہور اہل سنت کا اتفاق ہے، بلکہ احادیث نبوی میں متعدد طریقوں سے اس کی صراحت موجود ہے، ذیل کی حدیثیں بعض قرطبی میں بعض ابن کثیر میں اور بعض روح المعانی میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، صحابیوں کی روایت اور محدثین ابن مردویہ، ابن النجار، حکیم ترمذی، بیہقی، طیالسی، احمد بن حنبل، عقیلی، عبد بن حمید، حاکم، طبرانی، ابن جریر، ابن منذر وغیرہم کے حوالے سے درج ہوئی ہیں:

هؤلاء كلهم بمنزلة واحدة و كلهم فى الجنة. (روح،ج۲۲/ص:۱۹۷)

یہ سب طبقات ایک ہی حکم میں ہیں اور یہ سب اہل جنت ہیں۔

كلهم من هذه الأمة و كلهم فى الجنة. (روح،ج۲۲/ص:۱۹۷)

یہ سب اسی امت میں ہیں اور سب اہل جنت ہیں۔

سابقنا سابقاً ومقتصدنا ناج وظالمنا مغفور له. (روح،ج۲۲/ص:۱۹۷۔ قرطبی،ج۱۴/ص:۳۴۶)

ہمارے سابق (وہاں بھی) سابق ہوں گے، اور ہمارے مقتصد نجات یاب اور ہمارے ظالم مغفور ہوں گے۔

صاحب روح المعانی کہتے ہیں:

"والذى يعضده معظم الروايات والآثار أن الأصناف الثلثة من أهل الجنة فلاينبغى أن يلتفت إلى تفسير الظالم بالكافر. (روح،ج۲۲/ص:۱۹۷)

روایات اہم اور آثار سے تقویت اسی کی ہوتی ہے کہ تینوں طبقات اہل جنت ہی کے ہیں اس لیے ظالم کی تفسیر کافر سے کرنا قابل التفات بھی نہیں"۔

اور پھر محدث بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: قال البيهقى إذا كثرت الروايات فى حديث ظهر أن للحديث اصلاً والاخبار فى هذا الباب كثيرة وفى ماذكر كفاية. (روح،ج۲۲/ص:۱۹۷)

"جب کوئی حدیث کثیر طریقوں سے روایت کی گئی ہو تو اس حدیث کی اصلیت تو ضرور ہوتی ہے اور اس باب میں روایات کثرت سے آئی ہیں جتنی نقل کردی گئی ہیں وہ کافی ہیں"۔

اور ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:۔ الصحيح أن الظالم لنفسه من هذه الأمة، وهذا اختيار ابن جرير كما هو ظاهر الآية و كما جاء ت به الأحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طرق يشد بعضها بعضاً. (ابن كثير،ج۳/ص:۵۱۷)

"صحیح یہی ہے کہ ظالم نفسہ اسی امت کے لوگ ہیں اور یہی ابن جریرؒ نے بھی کہا ہے جیسا

يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝۳۳

جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے، ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی ۴۶

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝۳۴

اور یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے، جس نے ہم سے غم دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے، بڑا قدر دان ہے

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ

جس نے اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے، جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی

کہ خود آیت قرآنی کا ظاہر ہے اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والے طریقوں سے وارد ہوئی ہے"۔

اور امام رازیؒ نے کہا ہے کہ کافر تو ظالم علی الاطلاق ہوتے ہی ہیں، لیکن ظالم لنفسہ کا مصداق مومن ہوتا ہے کہ وہی معصیت کے وقت اپنے نفس کو اس کے موضع صحیح سے ہٹا کر رکھتا ہے اور خود حضرت آدمؑ کی دعا میں ان کے مقبول اور صاحب اصطفاء ہونے کے باوجود ظلمنا أنفسنا کی صراحت موجود ہے (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۲-۲۳)

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس باب میں جو اثر محدث طیالسی نے نقل کیا ہے، وہ بدرجۂ غایت بلیغ ہے، ایک سائل کے جواب میں آپ فرماتی ہیں:-

یابنی ھولاء فی الجنة أما السابق بالخیرات فمن مضی علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وأما المقتصد فمن اتباع اثرہ من أصحابه حتی لحق به وأما الظالم لنفسه فمثلی ومثلکم۔

"اے بیٹا! اہل جنت تو یہ سب طبقے ہیں، ان میں سابق بالخیرات وہ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گذر گئے، اور مقتصد وہ اصحاب رسول ہیں جو آپؐ کے بعد بھی آپؐ کی پیروی اپنے آخر دم تک کرتے رہے، اور ظالم لنفسہ کا مصداق میں اور تم جیسے لوگ ہیں"۔

۴۶ آیت سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیور اور موتی اور ریشمی لباس اپنی اصل کے لحاظ سے گندے نہیں، ورنہ اہل جنت کے لیے موقع مدح پر ان کا ذکر کیوں آتا، البتہ دنیا میں یہاں کی مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر مردوں کے لیے حرام ہیں۔

وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ج لَا يُقْضَى

اور نہ ہمیں تھکن ہی محسوس ہوگی ۷۴ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آئے گی

عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ط كَذَٰلِكَ نَجْزِي

کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا، ایسی ہی سزا ہم

كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ج رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

ہر کافر کو دیتے ہیں، اور وہ اس کے اندر چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال (اب) ہم اچھے کام کریں گے

غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ط أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ

برخلاف ان کاموں کے کہ جو کیا کرتے تھے، کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں جس کو سمجھنا ہوتا سمجھ لیتا،

۷۴ اکتاہٹ کی تھکن تو طبیعت پر اس وقت غالب ہونے لگتی ہے جب ایک ہی شے سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے، لیکن جنت کی نعمتیں تو ہر دم ''تازہ بہ تازہ نو بہ نو'' ملتی رہیں گی، اس لیے وہاں تھکن اور اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ضمناً یہاں یہ حقیقت بھی آگئی کہ بخلاف دنیا کی عیش و عشرت کے جس کی کثرت لازمی طور پر تھکا دینے والی ہوتی ہے، جنت کی لذتیں برابر راحت و سرور ہی بڑھانے والی ہوں گی --- آج ذرا دیر تک مسلسل قہقہہ لگا کر دیکھیے یا مسلسل کئی کئی گھنٹے تھیٹر، سینما، ناچ دیکھنے کا ذرا تجربہ کرلیجیے، طبیعت میں لازمی طور پر افسردگی اور تھکاوٹ طاری ہوجائے گی۔ مسلسل و غیر منقطع تازگی شگفتگی قائم رکھنا جنت ہی کی نعمتوں کا خاصہ ہوگا۔

لا یمسّنا فیھا نصب۔ جنت میں ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تکالیف کا کہاں گزر!

الحَزَنَ۔ حزن سے مراد دنیوی رنج و الم بھی ہوسکتا ہے، اور حساب و کتاب کا غم و اندیشہ بھی۔

دار المقامۃ۔ لفظی معنی ترجمہ میں آگئے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دار المقامہ جنت کی دوسری منزل کا نام ہے۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللّٰهَ

اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا ۴۸ سو مزہ چکھو کہ ظالموں کا (یہاں) کوئی مددگار نہیں ۴۹ بے شک اللہ

عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾

جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا، بے شک وہی جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا ۵۰

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ

وہی ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا، سو جو کوئی کفر کرے گا اس کا کفر اسی پر پڑے گا

وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ

اور کافروں کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لیے ان کا کفر خسارہ ہی

۴۸ یہ سب اہل دوزخ سے اُن کے جواب میں کہا جائے گا۔

اَوَلَم .... تذکر۔ آخرت میں اہل جہنم پر جو حجت قائم ہوگی، اس کا پہلا جز یہی ہے، یعنی کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ تم آیات حق پر غور کر سکتے اور اپنا نفع و نقصان سوچ لیتے؟

وجاء کم النذیر۔ یہ جواب کا دوسرا جز ہوا، یعنی کیا تمہیں انبیاء کی دعوت ہدایت، براہِ راست یا بالواسطہ نہیں پہونچ چکی تھی؟ --- نذیر عام ہے انبیاء اور ان کے سب نائبین کے لیے۔

۴۹ (جو ان کی فریادرسی کر سکے)

حق تعالیٰ خود تو مددگار و فریادرس اس لیے نہ ہوگا کہ وہ ناراض ہی ہوگا، اور کوئی دوسرا اس لیے نہیں کہ اسے اس کی قدرت ہی نہ ہوگی۔

۵۰ یہ بیان ہوا حق تعالیٰ کے کمال علمی کا۔

صفت قدرت کے بعد صفت علم بھی تمام صفات باری تعالیٰ میں سے ایسی صفت ہے، جس کے باب میں، مشرک جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید کو اسی لیے ضرورت پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کاملیت کو اور اسرار و خفایا جزئیات و دقائق پر اس کے محیط ہونے کو بار بار بیان کیا جائے۔

كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اھ آپ کہہ دیجئے تم نے اپنے خدائی شریکوں کے حال پر بھی نظر کی ہے جنھیں تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ

پکارتے ہو؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ انھوں نے زمین کا کونسا جز بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ

فِى السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ

ساجھا ہے؟ یا ہم نے انھیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اسی دلیل پر قائم ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہ ظالم ایک دوسرے سے

الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ

نرے دھوکے (کی باتوں) کا وعدہ کرتے آئے ہیں ۵۲ بے شک اللہ ہی آسمانوں

۵۱ یہاں کفر اور اہل کفر سے متعلق تین حقیقتیں بیان ہوئی ہیں:

فمن .... كفره۔ کفر کا وبال اسی کافر ہی پر پڑتا ہے، نہ کہ کسی دوسرے پر-----

پہلی حقیقت یہ ہوئی۔

أى وبال كفره لايتعداه إلى غيره (ابو سعود، ج ۵/ص: ۲۸۵)

ولا .... مقتا۔ اہل کفر ڈھیل پا کر اپنے کفر پر نازاں نہ ہوں، حق تعالیٰ کے یہاں ان کے ہر کفر سے ان کی مغضوبیت اور معتوبی اور بڑھتی جاتی ہے، اور اس کا تحقق اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔

ولا .... خسارا۔ کفر سے اہل کفر کا خسارہ آخرت میں بڑھتا ہی جاتا ہے، اور وہ خسارہ کیا ہے؟ جنت سے محرومی، اور دوزخ میں دخول۔

۵۲ (جو کبھی بھی پورے ہونے کے نہیں)

آیت میں اثبات توحید و ابطال شرک پر پوری حجت قائم کی گئی ہے۔

أرأيتم۔ إراءة کے معنی یہاں دکھانے کے نہیں، بتانے یا خبر دینے کے ہیں۔

معنى أرءيتم أخبرونى (كشاف، ج ۳/ص: ۵۹۹)

المراد منه أخبرونى. (كبير، ج ۲٦/ص: ۲۹)

وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں ۵۳ اور اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو پھر اللہ کے سوا کوئی بھی انھیں تھام نہیں سکتا ۵۴

أرونی .... السمٰوٰت۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، عقلی و تجربی قسم کی قائم ہے؟

شرك فی السمٰوٰت سے مراد خلقت آسمانی میں شرکت ہے۔

أی شركة مع اللہ سبحانه فی خلق السمٰوٰت. (ابو سعود، ج۵/ص:۲۸۵)

أم .... منه۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، نقلی و کتب آسمانی سے ماخوذ قائم ہے؟

۵۳ (اپنے انتظام معین و ہیئت مقررے)

آیت میں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا کا خالق و فاطر ہی نہیں، بلکہ اس کا منتظم، مدبر، حاکم بھی ہے، وہی اپنے دستِ قدرت سے اس کے سارے انتظامات بھی سنبھالے ہوئے ہے، یہ نہیں کہ پیدا کرنے والے برہما جی ہوں، پالنے والے اور حفاظت کرنے والے وشنو جی، اور مارنے والے شیو جی! ---غرض مختصری عبارت سے متعدد جاہلی تخیلات پر ضرب لگ گئی۔

لفظ امساك سے مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ (نعوذ باللہ) کسی بڑے عظیم الشان دیو پیکر دیوتا کی طرح زمین و آسمان کی باگیں اپنے ہاتھ میں پکڑے اور سمیٹے ہوئے بیٹھے ہیں! امساك سے مراد صرف اجرام کی ہیئت منتظمہ پر انھیں قائم رکھنا ہے، اور وہ چاہے جن قوانین طبعی کے واسطے سے ہو، قانون کششِ اجسام وغیرہ یہ سب اللہ ہی کے امساك کے ذریعے اور واسطے ہیں۔

أن تزولا۔ زوال سے مراد صرف ہیئت موجودہ منتظمہ سے ان کا انتقال ہے نہ کہ مطلق حرکت۔ اس لیے آیت سے آسمان و زمین کے سکون و عدم حرکت پر استدلال کرنا تمام تر لغو ہے۔

۵۴ تو جب دوسروں سے اس نظم عالم کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی، تو جواہر و اعراض کے ایجاد و احداث کا کیا ذکر۔

لئن زالتا۔ یعنی اگر وہ ٹلنے کے قریب ہو جائیں، ٹلنے پر آ جائیں۔

أی أن أشرفتا علیٰ الزوال (روح، ج۲۲/ص:۲۰۴)

من أحد۔ من زائد ہے تاکید نفی کے لیے یعنی کوئی بھی۔

إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

بے شک وہ بڑا حلم والا ہے بڑا مغفرت والا ہے ۵۵ اوران (کفار) نے اللہ کی بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر

جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ

ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو ہم ہر امت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس (وہ) ڈرانے والا آہی گیا

مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ

تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی، دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور (ان کی) بری چالوں کو (بھی ترقی ہوئی)

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

وربری چالوں کا وبال انھی چال والوں پر پڑتا ہے ۵۶ سو کیا یہ اسی آگے والوں کے دستور کے

من مزيدة لتاكيد النفي (مدارك، ص: ۹۸۱)

من بعده۔ بعد یہاں بجز یا علاوہ کے معنی میں ہے۔

بعده أی سواه (جلالين، ص: ۵۷۷)

۵۵ حلیماً۔ اور اسی صفت حلم کے تقاضے سے شرک جیسی کھلی ہوئی اور انتہائی گستاخی پر بھی انھیں فوراً سزا نہیں دیتا۔

غفوراً۔ اور اسی صفت غفر کے تقاضے سے ان سے اب بھی درگزر کرنے کو تیار ہے، اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔

۵۶ یہ کہنے والے مشرکین قریش تھے، یہ لوگ قبل بعثت نبویؐ زور دے دے کر کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں اس کثرت سے نبی آئے اور ان لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔ ہماری قوم میں اگر کوئی نبی آئے تو ہم البتہ اس کی پوری قدر کر کے دکھا دیں--- پھر جب آپ آئے تو جیسی قدر کی ظاہر ہے۔

مازادھم بہ إلا نفوراً ن استکباراً۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں وہی مذکور ہے جو صوفیہ کہا کرتے ہیں کہ جس کی استعداد فاسد ہے اس کا مرض اوراد واشغال سے اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۵۸)

سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

منتظر ہیں ۵۷ آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو

تَحْوِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ

منتقل ہوتا ہوا دیکھیں گے ۵۸ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو دیکھتے بھالتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا،

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ

جو ان سے قبل ہوئے ہیں دراں حالیکہ وہ قوت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے ۵۹ اور اللہ ایسا نہیں کہ

مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا ﴿۴۴﴾

کوئی بھی چیز آسمانوں میں یا زمین میں اسے ہرا سکے، بے شک وہ بڑا علم والا ہے ۶۰ بڑا قدرت والا ہے

۵۷ (اور وہ دستور یہ ہے کہ وقت مقرر پر سزا و ہلاکت آئے)

سنة الأولین۔ وہ ماجرا جو ساری اگلی سرکش و نافرمان قوموں کو پیش آچکا ہے، یعنی عذاب الٰہی سے ہلاکت و بربادی۔

۵۸ تبدیلی یہ کہ مثلاً ایسے مجرموں کو بجائے سزا و عقوبت کے انعام و اکرام ملنے لگے، اور منتقلی یہ کہ مثلاً عذاب بجائے مجرموں کے کسی اور پر ہونے لگے۔

یا یہ مطلب لیا جائے کہ نہ تبدیلی نفس عذاب میں ہوسکتی ہے اور نہ منتقلی اس کے اوقات میں۔

سنة لا یبدلها فی ذاتها و لا یحولها عن أوقاتها. (مدارك، ص:۹۸۲)

۵۹ تاریخ عالم کا سبق یہی ہے کہ جو قوم بھی خدا فراموشی میں مبتلا ہوئی، وہ اخیر کو ہلاک و برباد ہو کر رہی۔

الذین.........قوة۔ قوم عاد، قوم ثمود، اہل بابل و کلدانیہ، قبطیانِ مصر وغیرہا۔

۶۰ چنانچہ اپنے علم کامل سے وہ ہر ارادے کے نفاذ کا طریقہ و تدبیر جانتا ہے اور اپنی قدرت کامل سے اسے نافذ کر دیتا ہے، اس لیے کائنات کی کوئی سی قوت اس سے مقابلے کی مجال نہیں رکھتی۔

وما کان.........الأرض۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کا خدائے ذوالجلال مشرکوں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح محدود القویٰ نہیں کہ آج فلاں سے مغلوب ہو گئے اور کل فلاں سے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ

اور اگر اللہ ان لوگوں پر دارو گیر کرنے لگتا، ان کے اعمال کے سبب، تو پشت زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑتا،

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ تو انھیں مہلت دے رہا ہے ایک میعاد متعین تک، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی، اللہ

كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اپنے بندوں کو آپ ہی خوب دیکھ لے گا۔ ۶۱

ع ۵
۱۴

۶۱ اور ہر ایک سے اس کے مناسب حال برتاؤ کرے گا)

ولـو .... دابۃ۔ یعنی یہ تو مشیت تکوینی سرے سے ہے ہی نہیں کہ معاصی و ذنوب پر گرفت فی الفور اور اسی دنیا میں ہو جایا کرے، یہ اگر ہوتا تو کوئی کا فرزندہ ہی نہ رہنے پاتا، اور اہل ایمان اس لیے اٹھا لیے جاتے کہ نظام عالم مجموعہ کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور جب انسان نہ رہتے تو کوئی حیوان بھی نہ باقی رہنے دیا جاتا، کہ حیوانات کی حیثیت تو محض انسانوں کے خادم کی ہے۔

مـن دابۃ۔ اس سیاق میں دابۃ سے کیا مراد ہے اس پر اچھی خاصی بحث ہوئی ہے، ہر متحرک جانور، جن وانس اور نوع انسانی یہ سب مراد لیے گئے ہیں، اور مآل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔

قال ابن مسعود يريد جميع الحيوان مما دب ودرج، وقال الكلبي: يريد الجن والإنس دون غيرهما، لأنهما مكلفان بالعقل، وقال ابن جرير والأخفش والحسين بن الفضل: أراد بالدابة هنا الناس وحدهم دون غيرهم. (قرطبی، ج ۱۴/ص: ۳۶۱)

أی لاهلك جميع أهل السمٰوٰت والأرض وما يملكونه من دواب وأرزاق.

(ابن کثیر، ج ۳/ص: ۲۴)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ اور جو کوئی شیطان کے قدم بہ قدم

الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

چلتا ہے تو وہ تو حکم دیتا ہی ہے بے حیائی اور بیہودگی کا۔ ۳۳ؔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا

وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ

تو تم سے کوئی کبھی بھی سنور نہ پاتا۔ ۳۴ؔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوار دیتا

یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۲۱) وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ

ہے۔ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۳۵ؔ اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں

اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۪ۖ

وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں

وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا ؕ

چاہیے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں۔

اُمّتِ اسلامیہ کے ساتھ بار بار اس تعلق شفقت و رحمت کا ذکر کرکے ان کے ساتھ اپنی تخصیص کو تازہ کرنا، ان کے دلوں کو گرمانا، اور ان میں طاعت واطاعت کا مزید شوق پیدا کرنا ہے۔

۳۳ؔ چنانچہ آج بھی مشاہد ہے کہ شیطان، جدید عورت کے کان میں کیسے کیسے افسوں "آزادی" و "مساوات کامل" کے نام سے پھونک کر اسے انتہائی اخلاقی پستیوں کی منزل کی طرف لئے جارہا ہے ــــــ مخلوط تعلیم، سنیما، ٹیلیویژن کی عریاں ونیم عریاں تصویریں، ریڈیو اور سنیما کے فحش ونیم فحش گانے، بال روم ڈانس اور ہر شعبۂ زندگی میں مرد و زن کا آزادانہ بے تکلف اختلاط وغیرہا۔

۳۴ؔ توفیق توبہ جو اہل ایمان کو ہو جاتی ہے، اللہ کے فضل وکرم ہی سے ہوتی ہے۔ کوئی بندہ اسے اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ نہ سمجھے، اور اپنے زور بازو کے گھمنڈ میں نہ رہے۔

صوفیہ محققین کہتے ہیں کہ مدار کار فضل ورحمت ہے نہ کہ سعی ومجاہدہ۔

۳۵ؔ (چنانچہ تمہاری بھی توبہ اُس سمیع نے سن لی، اور دلی ندامت اُس علیم نے جان لی) اصل خطاب تو اس وقت کے خاطی مسلمانوں سے ہے، لیکن ساتھ ہی عام قاعدہ بھی ہمیشہ کے لئے

(۳۶)

سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّةٌ

سورۂ یٰسٓ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰسٓ ۞ ۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ ۲ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ ۳ عَلٰى صِرَاطٍ

یا۔سین قسم ہے قرآن پرحکمت کی کہ آپ پیمبروں میں سے ہیں (اور) سیدھے راستے پر ہیں ۱

مُّسْتَقِيْمٍ ۞ ۴ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۞ ۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ

(یہ قرآن) نازل کیا گیا (خدائے) غالب ورحیم کی طرف سے، تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا

اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۞ ۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ

ڈرائے نہیں گئے تھے، سو وہ (اس سے) بے خبر ہیں ۲ ان میں سے اکثر لوگوں پر یہ (تقدیری) بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ لوگ

۱ (یہاں تک کہ جو آپ کی پیروی کرے وہ بھی سیدھے راستے پر پڑ جائے، اور اللہ تک پہنچ جائے)

یٰسٓ ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ مخفف ہے یا اِنسان کا۔

یٰسٓ بمعنی یا إنسان (ابن كثير، عن ابن عباس وعكرمة والضحاك والحسن وسفيان، ج۳/ص:۵۲۵)

والقرآن الحکیم۔ یعنی اس قرآن کی حکیمانہ وپُرمغز تعلیمات خود اس کی گواہ ہیں کہ آپ مرتبۂ رسالت پر فائز ہیں، کوئی غیر خدائی مأخذ ایسی تعلیمات کا ہو ہی نہیں سکتا۔

۲ یعنی انھیں اسی کا احساس نہیں کہ باز پرس اخروی، ہے کیا چیز؟ اور رسالت اور توحید کے معنی کیا ہیں؟

لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ

ایمان نہ لائیں گے۔ ۳؎ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں، سو وہ ان کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا

جن سے ان کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے، اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کر دی ہے اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کر دی ہے

لتنذر قوماً۔ قوم سے مراد قریش یا قوم عرب ہے، جو پیام اسلام کی اولین مخاطب تھی۔ جس دور سے دنیا اُس وقت گزر رہی تھی اور جس منزل میں اُس وقت تھی، لوگوں کی سمجھ میں یہی آنا ذرا مشکل تھا کہ کوئی نبی اپنی قوم یا قبیلے کی اصلاح کے لیے بھی آ سکتا ہے؟ تو عالم گیر نبوت اور کائناتی پیامبری کا تخیل تو وقت کے عام ذہنوں کی گرفت سے بالکل ہی باہر تھا۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کی عالم گیری کو اس تصریح اور اس تکرار کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے۔ جس طرح آپ کی پیامبری خود آپؐ ہی کی قوم، قریش یا عرب کی طرف بیان کی ہے۔ نبوت محمدی کی یہ عالم گیر حیثیت بھی بیان متعدد مقامات پر ہوئی ہے۔ مثلاً لیکون للعالمین نذیراً۔ وما أرسلنٰك إلا كافة للناس بشيراً ونذيراً وغیرہا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت و تکرار کے ساتھ زور آپ کی قومی نبوت پر دیا ہے۔

قوماً ماأنذر آباؤهم ۔ خاص بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ باقی دوسرے انبیاء کی تعلیمات اگر بالواسطہ اہل عرب تک پہنچ چکی ہوں تو وہ اس کے منافی نہیں۔ اس مفہوم کے حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

۳؎ وہ بات تقدیری یہی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ تقدیری بات اللہ کے علم ازلی کے مرادف ہے، اور یہ علم ازلی ہرگز کسی شائبہ جبر و اکراہ کے مرادف نہیں، اور نہ علم کسی طرح رضا کے مستلزم ہے۔۔۔ طبیب کی پیش گوئی اور پیش خبری کسی بد پرہیز مریض کے انجام سے متعلق ہرگز طبیب کی مرضی اور خواہش کی ترجمان نہیں۔ یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہدایت یابی کے جو قانون قاعدے شروع سے مقرر ہیں (مثلاً یہی کہ خلوئے ذہن کے ساتھ دعوتِ رسالت پر غور کیا جائے) یہ لوگ چونکہ انھی پر عمل کرنے سے گریز کر رہے ہیں، اس لیے قدرۃً ثمرۂ ہدایت سے محروم رہیں گے۔

فَاَغۡشَيۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ

جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا ہے سو وہ دیکھ نہیں سکتے ۴ اور ان کے حق میں (دونوں) برابر ہیں آپ انھیں ڈرائیں یا

لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَخَشِىَ الرَّحۡمٰنَ

نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لانے کے ۵ آپ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدائے رحمٰن سے بے دیکھے خوف رکھے،

بِالۡغَيۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡىِ الۡمَوۡتٰى

آپ اس کو خوش خبری سنا دیجئے مغفرت اور عمدہ معاوضے کی ۶ بے شک ہم ہی تو مُردوں کو جلائیں گے

ف۴ یعنی نہ آگے دیکھ سکتے ہیں نہ پیچھے۔ یہ ساری تمثیل ان لوگوں کے بُعد عن الایمان کی ہے، یعنی چونکہ انہوں نے خود قوت ارادی سے صحیح کام نہیں لیا، توفیق ہدایت بھی ان سے مطلق سلب ہوگئی۔

فی ألا تأمل لهم ولاتبصر وأنهم متعامون عن النظر فی آیات اللّٰه (مدارك، ص:۹۸۴)

غفلت ان لوگوں کی ارادی اور مجرمانہ تھی، لیکن یہاں بحیثیت مسبب الاسباب کے ان حالات کو حق تعالیٰ نے منسوب اپنی ہی جانب کیا ہے۔

إنّا جعلنا۔ وجعلنا۔ فأغشینٰهم ۔صیغۂ متکلم ان سب مقامات پر حق تعالیٰ کی جانب محض نظام تکوینی کے علت العلل کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔

ف۵ (سو آپ زیادہ غم وفکر میں نہ پڑیے، لیکن ساتھ ہی اپنی تبلیغ جاری رکھئے)

ف۶ مغفرت گناہوں سے اور عمدہ معاوضہ طاعت پر۔ یا یوں کہا جائے کہ مغفرت مرتب ہوگی ایمان پر، اور اُجر کریم ملے گا اعمال صالح پر۔

إنما..........بالغیب ۔یافت حاصل ہوتی ہے طلب سے، لیکن خود طلب پیدا ہوتی ہے خوف وخشیت سے۔ اگر سرے سے خشیت ہی مفقود ہوئی تو تلاش وطلب ہی کیوں پیدا ہونے لگی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تربیت پر جو نفع مرتب ہوتا ہے وہ طالب ہی کی استعداد کا ظہور ہوتا ہے، نہ کہ مربی ظاہری کی عطا پر۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۶۰)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم لکھتے جاتے ہیں اسے جو یہ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور پیچھے چھوڑے جاتے ہیں ۷ اور ہم نے ہر شے کو ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے ۸

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ بیان کیجئے ایک بستی والوں کا جب کہ ان کے پاس رسول آئے ۹

۷ یعنی ان کا ہر وہ عمل جس پر جزا و سزا مرتب ہو سکتی ہے، برابر لکھا جاتا رہتا ہے۔

ما قدّموا۔ سے مراد ہیں وہ کام جو انھی کی ذات پر ختم ہو گئے، یعنی اعمال ذاتی۔

وآثارھم۔ سے مراد ہیں ان کے وہ اعمال جو سبب بنے دوسروں کی ہدایت وضلالت کے، یعنی اعمال متعدی۔

نکتب۔ فرشتوں کے عمل کتابت اعمال کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔

إنا نحن نحی الموتیٰ۔ یعنی ہم ہی مردوں کو دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے، اور اس وقت جزا و سزا دونوں کا پورا ظہور ہوگا۔

۸ مراد ہے لوح محفوظ، جس میں چھوٹا بڑا ہر واقعہ درج ہے۔

أی اللوح المحفوظ (بحر، عن مجاهد وقتادہ وابن زید، ج۷/ص:۳۲۲)

یعنی اللوح المحفوظ لأنه أصل الکتب ومقتداها (مدارك، ص:۹۸۵)

امام کے لغوی معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے خواہ انسان ہو یا کتاب ہو یا کچھ اور جس کا اقتدا کیا جائے۔

الإمام المؤتم به إنسانا کان یقتدی بقوله أو بفعله أو کتابًا أو غیر ذلك.

(راغب، ص:۳۱)

فرقۂ شیعہ کے غالیوں نے لفظ امام کے اپنے اصطلاحی اور اختراعی معنی لے کر امام مبین سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لی ہے۔

ولا یخفی ما فی ذلك من عظیم الجهل بالکتاب الجلیل (روح، ج۲۲، ص:۲۲۰)

۹ القریۃ۔ سے مراد شام کا شہر انطاکیہ (Antiaca) لیا گیا ہے۔

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم

جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو انھوں نے دونوں کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی (انھوں نے) کہا ہم تمہارے پاس

مُرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِن شَيْءٍ

بھیجے گئے ہیں، وہ لوگ بولے تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو، اور خدائے رحمن نے کچھ بھی نہیں اتارا ہے

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾ قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾

تم نرا جھوٹ ہی بول رہے ہو۔ ۱۰ (رسولوں نے) کہا کہ ہمارا پروردگار علیم ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہی گئے ہیں

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهُوا

اور ہمارے ذمہ تو صرف کھلی ہوئی تبلیغ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم تو تمھیں منحوس سمجھتے ہیں ۱۱ اگر تم باز نہ آئے

المرسلون۔ اس سے اصطلاحی رسول (یعنی اللہ کے فرستادے) نہیں، بلکہ رسولِ وقت حضرت مسیحؑ کے بھیجے ہوئے نائبین مراد لیے گئے ہیں۔ لیکن کوئی حدیث صحیح اس باب میں موجود نہیں اور سیاق قرآنی سے بھی اس تفسیر منقول کی تائید نہیں ہوتی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس تفسیر پر اصل نکلتی ہے مشائخ کے اس طریق کی کہ اپنے خلفاء کو ارشادِ خلق کے لیے مختلف شہروں، ملکوں میں بھیجتے رہتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۶۳)

۱۰ منکروں نے جواب میں کہا کہ تمہاری شخصی صداقت کا زیر بحث ہونا الگ رہا، ہم نفس مسئلۂ رسالت و نبوت ہی کے قائل نہیں۔ نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ دیوتاؤں کی اولاد، بلکہ محض انسان، اور وہ "پیمبر" ہو جائے، یہ ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں۔

ما أنتم إلّا بشر مثلنا۔ جاہل قوموں کو پیمبروں کی دعوت قبول کرنے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہیں لگتی ہے کہ یہ ہماری ہی جیسی بشریت کے ساتھ ساتھ پیمبری کا دعویٰ کیسا؟

یہ سارے فقرے ذہن کو اسی طرف لیے جاتے ہیں کہ یہ لوگ براہِ راست اللہ ہی کے رسول تھے۔

۱۱ (کہ تمہاری آمد سے ہمارے درمیان یہ فتنہ و فساد برپا ہو گئے)

قالوا..لمرسلون، وما..المبین. یہ دونوں فقرے بھی ان مرسلین کی رسالت حقیقی ہی پر دلالت کر رہے ہیں۔

لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ

تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت آزار پہنچے گا ۱۲ وہ (رسول) بولے کہ تمہاری نحوست تو

مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ

تمہارے ساتھ ہی چپکی ہوئی ہے، کیا (نحوست) یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی؟ اصل یہ ہے کہ تم ہی ہو حد سے نکل جانے والے لوگ ۱۳ اور ایک شخص

رَجُلٌ يَّسْعٰى ۡ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ

اس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم والو! (ان) رسولوں کی راہ پر چلو، ان کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی

اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾

معاوضہ نہیں مانگتے اور خود راہ راست پر ہیں ۱۴

۱۲ (مختلف صورتوں سے)

لنرجمنکم۔ رجم یا سنگ ساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سلطنتوں اور تہذیبوں میں ایک عام سزا رہی ہے۔

۱۳ یعنی یہ کیا اندھیر ہے کہ عین جو طریقہ سعادت دارین اور فلاح دنیا و آخرت کا بتایا جاتا ہے، اسی کو نحوست قرار دے رہے ہو، اور نحوست تم جن واقعات کو قرار دے رہے ہو وہ تو خود تمہارے ہی کرتوت ہیں۔ تم ہی نے حق کے قبول سے انکار کیا، تو تمہارے اندر افتراق و تشتت پیدا ہوا، تم ہی نے پیام خداوندی کو ٹھکرایا، تو تمہارے سامانِ معاش میں بے برکتی پیدا ہوئی۔ وقس علی ہذا۔

طائر کم معکم۔ قدیم جاہل قوموں میں سعد و نحس کا تخیل بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ بات بات میں شگون، فال وغیرہ کا رواج عام تھا، مکالمہ اسی فضا میں ہو رہا ہے۔

طائر کم۔ یعنی نحوست بقول تمہارے، نحوست تمہارے زعم میں۔

۱۴ یعنی ان بزرگوں کی پیروی سے امر مانع کونسا ہے؟ خود یہ لوگ تو راہ ہدایت ہی پر ہیں اور پھر خود غرضی کا خیال ان کی طرف سے مرتفع، اس لیے کہ ہم سے جاہ و مال کسی قسم کا صلہ نہیں چاہتے۔

رجل یسعیٰ۔ یہ شخص اُس وقت تک مومن ہو چکا تھا۔

وَمَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ

اور میرے پاس عذر ہی کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں، جس نے مجھے پیدا کیا، اور تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، کیا میں اسے چھوڑ کر

مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ

(اور ایسے) معبود قرار دے لوں کہ اگر (خدائے) رحمٰن مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے

شَیۡـًٔا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ

اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں، اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا، میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا

فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾

سو میری سن لو ۱۵

من لا یسئلکم أجراً۔ پیمبروں کی یہ خصوصیت قرآن مجید میں بارہا بیان ہو چکی ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت کسی قسم کے دنیوی معاوضے کے لالچ میں نہیں کرتے۔

۱۵ مرد مومن کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب میرا پروردگار بھی وہی ایک، اور داور حشر بھی وہی ایک، اور سارے دیوی دیوتا بے اختیار محض، تو آخر توحید چھوڑ کر شرک اختیار کرنے کے معنی ہی کیا؟ یہ تو سرتاسر حمق و بے عقلی ہی ہوئی!

الذی فطرنی و الیه ترجعون۔ خالق بھی وہی، داور حشر بھی وہی --- مبدأ بھی وہی، منتہی بھی وہی، ہر فطرت سلیم والا بعینہٖ یہی استدلال کرے گا۔ شرک کی دو بڑی جڑیں یہی ہیں۔ بعض نے تخلیق میں کسی کو شریک سمجھا ہے، اور بعض نے مرجعیت میں۔

ومالی لا أعبد۔ ء أتخذ۔ إنی إذاً۔ ہر جگہ صیغۂ واحد متکلم کے استعمال سے مفسر تھانویؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ مرد مومن نے سب اپنے اوپر رکھ کر اس لیے کہا کہ مخاطبین کو اشتعال نہ ہو، جو غور و تدبر کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۶۳)

إنی ...... فاسمعون۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ترغیب و تحریص خیر کے موقع پر اپنی کسی خوبی کا ظاہر کر دینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي

ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو ١٦ وہ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا

وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ

اور مجھے معززین میں شامل کر دیا ١٧ اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا،

مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿٢٨﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً

اور نہ ہم کو اتارنے (کی ضرورت) تھی وہ (سزا) تو بس ایک چیخ تھی

وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ ﴿٢٩﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ

کہ سب اسی دم بجھ کر رہ گئے ١٨ افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر! کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا

لا تغن...... لا ینقذون۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی بے چارگی دکھائی ہے کہ نہ خود کسی معنی میں قادر، اور نہ اس قابل کہ قادر مطلق کے ہاں سعی و سفارش ہی کر سکیں۔

١٦ مشرک قوم اپنے اس ہم قوم مرد مومن کی دشمن ہو گئی، اور آخر اسے ہلاک کر ڈالا۔ جنت کی یہ بشارت اُس شہید کو اِس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت مل رہی ہے۔

١٧ اُس شہید کو ہمدردی اپنی قوم کی، اور دھن اپنی ملت کی اس وقت بھی سوار رہی، اور وہ حسرت کے لہجہ میں بولا، کہ کاش میری قوم والوں کو بھی عالم جاوداں کے اعزاز و تکریم کا راز معلوم ہو گیا ہوتا، اور وہ سب بھی ایمان لے آئے ہوتے!

غفر...... وجعلنی من المکرمین۔ محض مغفرت ہی نہیں ہوئی بلکہ مرتبۂ اعزاز و تکریم میں شامل ہو گیا۔ مرد مومن خبر اپنے مغفور ہونے کی نہیں بلکہ مکرم ہونے کی بھی دے رہا ہے۔

بما غفر .... المکرمین۔ اس مغفوریت اور مکرمت کا راز بھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اتبعوا المرسلین اور آمنت بربکم میں۔ یعنی یہ ثمرہ تمام تر ایمان اور اتباع مرسلین کا ہے۔

١٨ وہ قوم انکار و تکذیب کی منزلیں طے کر چکنے کے بعد بالآخر ہلاک کر دی گئی ہے۔ یہ بیان اس وقت کا ہے۔

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٣٠ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا

جس کی یہ ہنسی نہ اڑاتے ہوں ۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان کے قبل (بہت سی)

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝٣١ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ

امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ پھر وہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے۔ اور ان سب میں کوئی بھی ایسا نہیں جو جمع ہو کر

لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝٣٢ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا

ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے ۲۰ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لیے زمین مردہ ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے

ع ۲

وما كنا منزلين۔ خدائے قادر وغنی کو فرشتوں کا لشکر اتارنے کی احتیاج نہیں۔ بڑی سی بڑی آبادیوں کی ہلاکت کے لیے ایک ادنیٰ اشارہ کافی ہے۔ مثلاً یہیں ایک زور کی آواز (بادل کی گرج ہو یا کچھ اور) کافی ہوگئی اور بعض واقعات میں جو فرشتوں کے لشکر کا اترنا مذکور ہے، وہ کسی وقتی حکمت و مصلحت کی بنا پر تھا، یہاں نفی صرف احتیاج کی ہو رہی ہے۔

خمدون۔ خمد کے لفظی معنی شعلے کے بجھ جانے کے ہیں۔

خمدت النار خموداً............طفئ لهبها. (راغب، ص:۱۷۸)

یہاں کنایہ مر جانے یا نابود ہو جانے سے ہے۔

كناية عن موتهم۔ (راغب، ص:۱۷۸)

۱۹ حق تعالیٰ کا یہ اظہار تاسف وملال اس کمال شفقت کے (انسانی محاورے کے مطابق) اظہار کے لیے ہے جو حضرت حق کو بندوں کے ساتھ ہے، ورنہ حقیقۃً وہ ذات پاک ہر قسم کے تاثر وانفعال سے بالاتر ہے۔

۲۰ یعنی اس دنیوی ہلاکت سے قطع نظر اصلی سزا تو اسی عالم آخرت میں ہوگی، اور وہ دائمی اور غیر منقطع ہوگی۔

أنهم إليهم لا يرجعون۔ یہ آیت یا اس کے ہم معنی دوسری آیتوں میں صرف ایک عام قانون و عادت الٰہی کا بیان ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کہیں اور کسی خاص موقع پر بطور خرق عادت بھی ایسا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ بعض فرقوں نے ان آیتوں کی بنا پر نکالا ہے۔

مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ

غلہ نکالا، سو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں اور ہم نے اس (زمین) میں باغ لگائے کھجوروں اور انگوروں کے

وَّفَجَّرۡنَا فِيۡهَا مِنَ الۡعُيُوۡنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاۡكُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتۡهُ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ

اور اس (زمین) میں چشمے جاری کردیے ۲۱ تاکہ لوگ اس (باغ) کے پھلوں سے کھائیں اور اس (سارے) انتظام کو ان کے ہاتھوں نے نہیں پیدا کیا

اَفَلَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ

سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟ ۲۲ پاک ذات ہے وہ، جس نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی

لما ۔ ما زائدہ تاکید کے لیے ہے۔

ما مزيدة للتاكيد (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٨٧)

۲۱ (باغ کی آب پاشی اور دوسرے منافع کے لیے)

جنّٰت .... أعناب ۔ کھجور اور انگور کے نام کی تصریح مذاق عرب (مخاطبین اول) کی رعایت سے ہے۔ کھجور تو کہنا چاہیے کہ عرب کے حق میں مایۂ زندگی ہے، اور انگور کے شاداب باغوں سے بھی اہل عرب واقف تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

چند چیزوں کے نام لے کر مقصود زندگی کے عظیم الشان نظام کی طرف توجہ دلانا ہے۔

آية لهم۔ سوکھی ہوئی زمین کا ازسرنو جی اٹھنا بجائے خود ایک سبق ہے حق تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کا۔

۲۲ (ایسے دلائل قدرت دیکھنے کے باوجود)

اور ادائے شکر کا پہلا زینہ توحید ہے--- نباتاتی زندگی کا پورا نظام، اس کی باریک سے باریک اور بے شمار مصلحتوں، حکمتوں، مناسبتوں کے ساتھ، جس کسی صاحب فہم کی نظر میں ہوگا، وہ یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ اس درجہ مکمل حکیمانہ، معجزانہ منصوبہ بندی بجز ایک خدائے حکیم و علیم کے اور کسی کی ہو نہیں سکتی۔

وما عملته أيديهم ۔ فقرہ بہت قابل غور ہے، ساری دنیا خدا کی قدرت و انتظام سے الگ ہوکر، اگر مل کر بھی کوشش کر ڈالے کہ تخم ریزی اور آب پاشی کے نتائج غلہ، پھل، وغیرہ ہی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہیں تو کامیابی ناممکن ہے۔ یقینی طور پر یہی صورتیں بخشا خاص الخاص کرشمۂ قدرت خداوندی ہے۔

الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ

اوران شخصوں میں سے بھی اوران چیزوں میں بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے ۲۳ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لیے رات ہے، ہم اس پر سے

مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ

دن کو اتار لیتے ہیں سو یکایک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ۲۴ اور (ایک نشانی) آفتاب بھی کہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا

وماعملته ۔ مایہاں نافیہ ہے۔ ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا گیا ہے۔

روی القول بأنها نافية عن ابن عباس و الضحاك (روح، ج۲۳/ص:۸)

دوسری ترکیب بھی جائز ہے کہ ما کو موصولہ قرار دیا جائے، اس صورت میں فقرے کا عطف ثمرہ پر ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ اپنے پکے پکائے کھانے کو دیکھو تو اس میں بھی حق تعالیٰ کی ربوبیت کی جھلک پاؤ گے۔ انسان نے اپنی صناعی سے نمکین، اور میٹھے اور ہر طرح کے بے شمار، مزیدار کھانے ایجاد کر لیے ہیں اور یہ سب بھی اللہ ہی کی داد و عطا سے ہے۔

ما موصولة فی محل جر عطف علی ثمره (روح، ج۲۳/ص:۸)

۲۳ یعنی پاک و بالاتر ہے ایسی قادر مطلق و حکیم علی الاطلاق ذات ہر قسم کے شرک سے--- اللہ تعالیٰ میں کیا کسی قسم کی کمزوری یا کوئی عیب ہے جو اُسے ضرورت کسی شریک تخلیق، دوسرے پروردگار کی ہو؟

الأزواج كلها ۔ جدید سائنس کا یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ نر و مادہ یا مثبت و منفی کا وجود کائنات کی ہر صنف موجودات میں پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ حیوانات سے گزر کر نباتات بلکہ جمادات میں بھی ۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

ومما تنبت الأرض ۔ نباتات ارضی میں تقابل، مماثلت کا بھی ہو سکتا ہے اور تضاد کا بھی۔

ومن أنفسهم ۔ اشخاص میں تقابل یہ ہے کہ مثلاً مرد عورت، جوان بوڑھا وغیرہ۔

۲۴ رات اور دن دونوں تمام تر امر الٰہی کے مسخر ہیں، خود کوئی دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ محض مشرک جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ ان کے درمیان یہ تقلب و تصرف سب قدرت الٰہی

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ

رہتا ہے۔ ۲۵ یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست (اور) علم والے (خدا) کا ۲۶ اور (ایک نشانی) چاند بھی کہ ہم نے اس کے لیے منزلیں

كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ

مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ۲۷ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے

وحکمتِ الٰہی سے ہوتے رہتے ہیں۔ دن کی روشنی جب ایک خاص آئینِ حکمت کے ماتحت کھینچ کر نکال لی جاتی ہے، تو عالم کیسا تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔

۲۵ (کب تک کے لیے، اور کہاں کے لیے، اس کا علم کسی کو نہیں)

حرکت ارض کی طرح مسلسل و مستمر حرکت شمس بھی اب ایک معروف سائنسی حقیقت ہے، قدیم فلاسفہ اور اہل ہیئت کا یہ نظریہ کہ کرۂ ارض اپنی جگہ ساکن ہے، مدت دراز ہوئی باطل ثابت ہو چکا ہے۔ حرکت شمس بخلاف حرکت ارض کے ایک جلی و روشن واقعہ، ہر ایک کے مشاہدے کی چیز ہے۔ اسی لیے بہ خلاف حرکت ارض کے قرآن مجید بار بار شہادت میں حرکت شمس ہی کو پیش کرتا ہے۔

۲۶ (جس کے اندازہ میں دخل نہ بخت و اتفاق کو ہو سکتا ہے، اور نہ ظن و تخمین کو، بلکہ اس کا ہر قانون اپنی جگہ پر مستحکم اور اٹل ہوتا ہے اور حکمت و مصلحت پر مبنی بھی)

یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی اچانک آفتاب نکل آئے اور روشنی پھیل جائے، یا یہ کہ کبھی اچانک رات ہو جائے اور سب طرف تاریکی پھیل جائے، بلکہ فلکیات کی چھوٹی بڑی ہر حرکت اور ہر سکون ایک اٹل اور مستحکم ضابطے ہی کا پابند ہے!

تقدیر۔ اردو میں ''اندازہ'' ایک تو اٹکل یا تخمین کے معنی میں آتا ہے، اور ایک ''بالکل ٹھیک اور قطعی حساب کے موافق'' کے معنی میں۔ یہاں یہی مراد ہے۔

العزیز العلیم۔ ان دونوں صفات کے لانے سے اس پورے مفہوم کی طرف اشارہ ہو گیا، یعنی اس کی قوت و قدرت بھی کامل اور اس کا علم بھی کامل اور محیط۔

۲۷ (کہ پتلی اور خمدار ہونے میں ضرب المثل ہے)

وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمْ

اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک مدار میں پڑے تیر رہے ہیں ۲۸ اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے

تشبیہ میں ممکن ہے کہ زردی رنگ بھی شامل ہو---حرکت شمس کی طرح حرکت قمر بھی ایک مرئی اور مشاہد واقعہ ہے۔

منازل۔ منازل قمر سے مراد اہل نجوم کی بتائی ہوئی اصطلاحی منزلیں نہیں، بلکہ ہر قمری تاریخ کی شبانہ منزلیں ہیں جو ہر ایک کے مشاہدے میں آتی رہتی ہیں۔

۲۸ اور اپنے خالق و مالک کے حکم سے مسخر اپنی اپنی رفتار سے چل رہے ہیں، اور نظام معین سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں کچھ بھی خلل پڑ سکے۔ سورج اور چاند زمین والوں کے لیے بظاہر یہ دونوں بڑے منبع نور ہیں، مگر دونوں کے راستے اور دونوں کی رفتاریں اس کمال حکمت سے متعین کر دی گئی ہیں کہ مجال نہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی راہ میں حائل ہو سکیں، یا کوئی ایک دوسرے کو پکڑ سکے۔

لا......للقمر۔ آفتاب کی یہ مجال نہیں کہ کسی دن قبل از وقت طلوع ہو جائے، یعنی خورشید خاور بہ ایں جاہ و جلال اور سورج دیوتا باوجود اپنی "دیوتائی" کے تمام تر سی قادر مطلق کے دست قدرت میں مسخر ہیں۔

و لا......النہار۔ یعنی ظہور ظلمت کے وقت معین سے پہلے شب تار کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے ارادے و خواہش سے نور کو زائل کر دے۔

و لا......النہار۔ تقویم اسلامی میں رات دن پر مقدم ہے، چنانچہ شب غرۂ شوال ہی میں، اور شب غرۂ رمضان رمضان ہی میں داخل سمجھی جاتی ہے، اور تراویح، اعتکاف وغیرہ کا شمار شام ہی کے وقت سے کیا جاتا ہے۔

یدل علی أن ابتداء الشهور من أول اللیل (جصاص، ج ۳/ص: ۳۷۵)

کل فی فلک یسبحون۔ کل سے یہاں کیا مراد ہے؟ عموماً مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اشارہ سورج اور چاند اور رات اور دن یا ستاروں کی طرف ہے، جن کا ذکر اسی آیت کے اندر ابھی آچکا ہے۔

أی و كلهم (بيضاوی، ج ٤/ص:١٨٨)

إشـــارة إلى أن كل شيئ من الأشياء المذكورة خلق على وفق الحكمة (كبير، ج ٢٦/ص:٦٤)

لیکن کل کو اگر ذرا وسعت دے دی جائے، تو زمین (الأرض) بھی اس کے مفہوم میں بلا تکلف داخل ہوسکتی ہے الشمس اور القمر کا ذکر ذرا اوپر سے شروع ہوگیا ہے، اور الأرض کا ذکر ذرا اور پہلے سے آرہا ہے اور بیان تینوں کا ایک ہی سلسلے میں ہے۔ گویا مراد یہ ہوگی کہ زمین، سورج، چاند سب ایک مدار میں گرم رفتار ہیں ---- قدیم تفسیریں جس زمانے میں لکھی گئی ہیں، کوئی حرکت ارض کا خیال بھی نہیں کرسکتا تھا، اس لیے اگر مفسرین کرام کے ہاں یہ قول نہ ملے تو اس پر حیرت ذرا بھی نہ کرنا چاہئے! قرآن مجید کے لفظ کـل نے یہ حقیقت بے غبار پیش کردی ہے کہ اجرام فلکی جتنے بھی ہیں سب کے سب متحرک ہیں۔

فـلك۔ شارح وترجمان قرآن کے لیے بڑا اہم لفظ یہ فـلك ہے، جو نہ السمـاء (آسمان) کے مترادف ہے اور نہ اس کے معنی کسی ٹھوس چھت کے ہیں، بلکہ ستاروں کی گزرگاہ کے ہیں، جو یقیناً خلا چاہتی ہے، اور تمام تر ہیئت جدیدہ کے موافق ہے۔

الفلك مجرى الكواكب۔ (راغب، ص:٤٣٢)

الـفـلك مـدار الـنـجوم (قـامـوس، ص:٨٧٥، تـاج، ج ١٣، ص:٦٢٧، لسان، ج ١٠، ص:٣٢٣)

یہ نص ہے اس باب میں کہ قرآن سورج اور چاند کو آسمان کی چھت میں جڑا ہوا نہیں فرض کرتا (جیسا کہ حکمائے یونان کا خیال تھا) بلکہ انھیں بڑی تیزی سے حرکت کرنے والا قرار دیتا ہے۔

فلك۔ السماء کے مترادف نہیں، بلکہ ہمارے علمائے ربانیین کی تحقیق ہے کہ یہ اس کے نیچے ایک مدوّر گھری ہوئی فضا ہے اور آسمان اس سے مافوق ہے، سورج، چاند، ستارے سب اسی فلک (مدار یا مدوّر فضا) میں گردش کررہے ہیں۔

أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ

کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر رکھا اور ہم نے ان کے لیے اسی (کشتی) جیسی چیزیں (اور بھی) پیدا کیں

مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں ۴۹ اور اگر ہم چاہیں انھیں غرق کردیں، تو نہ ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ یہ

والجمهور على ان الفلك موج مكفوف تحت السماء تجرى فيه الشمس والقمر والنجوم (مدارك، ص:٧١٥)

اور اس مدار (فلک) کی وسعت کا کیا کہنا، جس میں سورج، چاند اور بے شمار تارے سب تیر رہے ہیں---علم الحساب کے بڑے سے بڑے ہندسے اور اعداد اُن کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔

یسبحون۔ سبح کے معنی پانی یا ہوا میں تیزی کے ساتھ چلنے کے ہیں۔

السبح المرالسريع فى الماء وفى الهواء.......... واستعير لمرّ النجوم فى الفلك(راغب، ص:٢٤٨)

ملاحظہ ہو: سورۃ الأنبیاء آیت: ۳۳، حاشیہ نمبر ۴۵۔

صوفیانہ تاویل پوری آیت کی یوں منقول ہے:

لاالنهار ۔ تاویل آنست کہ تجلیات الٰہی راسزاوار نیست کہ خود بخود بر سالکان فرود آید ونہ غفلت سالک راسزاوار است کہ بہ تجلیات غلبہ نماید---ویسبحون تاویل آن کہ ہر عارف در مقامے سیر می کند (عزیزی، ص:۲۵۳)

۴۹ اللہ ہی نے اپنی قدرت وحکمت وشفقت سے بندوں کو اس عقل وتدبیر کی تعلیم دی جس سے اس نے دریا اور سمندر کے پانی سے سواری کا کام لینا، اس کے طول وعرض کو عبور کرنا، اس کے مناسب حال کشتی بنانا، پھر کشتی چلانا وغیرہ وغیرہ سیکھ لیا۔

الفلك المشحون۔لدی پھندی کشتیوں سے صاف اشارہ بحری تجارت کی جانب ہے۔ بڑے بڑے تجارتی جہاز اور سامان سے کھچا کھچ لدے ہوئے اسٹیمر سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ

رہائی پائیں ۳۰ مگر ہاں یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا مقصود ہے ۳۱ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

بعض نے بھری ہوئی کشتی سے اشارہ کشتی نوحؑ کی جانب بھی سمجھا ہے اور یہ اس لحاظ سے درست ہے کہ موجودہ نسل انسانی انھی افراد سے چلی، جو ایک بار سمٹ کر کشتی نوحؑ میں جمع ہو گئے تھے۔

من مثلہ۔ کے اطلاق میں بڑی وسعت ہے، اسٹیمر، لائینر، کروزر، آبدوز کشتی، غرض ہر قسم کی بحری سواری کے علاوہ ریل، موٹر، لاری، طیارہ، ہوائی جہاز وغیرہ سب ہی کچھ اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ قدیم مفسرین کی نظر مثالوں کے لیے اپنے زمانے کے لحاظ سے جانوروں تک رہی۔

عن مجاهد أن الإبل سفن البر (جصاص، ج٣، ص:٣٧٦)

فسره مجاهد بالأنعام الإبل وغيرها (روح، ج٢٣/ص:٢٧)

من ۔ بیان کے لیے بھی مانا گیا ہے اور تبعیض کے لیے بھی۔

تحتمل أن تكون للبيان وأن تكون للتبعيض (روح، ج٢٣/ص:٢٧)

۳۰ نہ کوئی جل دیوتا ہے اور نہ کوئی فریادرس، جو غرق ہونے سے بچا سکے، اور موت سے چھڑا سکے---آیت میں تردید اس سلسلے کے تمام مشرکانہ خیالات کی آگئی۔

یہ جو اخباروں میں آئے دن خبریں، ہوائی جہازوں اور طیاروں کی گر گر کر پاش پاش ہونے کی چھپتی رہتی ہیں، آیت ان پر کتنی منطبق ہے! وائرلیس (لاسلکی) وغیرہ کے آلات سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، اور کوئی مدد کو تو کیا آتے، خبر بھی مدتوں نہیں پہنچ پاتی! اور پھر لاشوں کو پانی کی گہرائیوں سے، یا پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کے تودوں کے اندر سے کھود کھود کر، یا گھنے جنگلوں کے اندر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالنے کے وسیلے تو اور بھی صعب تر ہیں۔

۳۱ (چنانچہ اسی لیے اس قادر مطلق و حکیم برحق نے مہلت دے رکھی ہے)

بے بس اور بے کس بندوں کے لیے کتنا بڑا سہارا إلا رحمة منا کا ہے!

اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَأْتِيهِم

کہ اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۳۲ اور ان کے پروردگار کی

مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ

نشانوں میں سے کوئی بھی نشان ایسا ان کے پاس نہیں آتا کہ یہ اس سے سرتابی نہ کرتے ہوں ۳۳ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا

کہ اللہ نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو، تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں

أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۷﴾

کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھانے کو دیں جنھیں اگر خدا چاہے تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دے، تم تو نری کھلی غلطی میں پڑے ہوئے ہو۔ ۳۴

متاعاً إلی حین۔ مہلت جتنی بھی ہو بہر حال ایک مدت معین ہی کے لیے، اس کے بعد پھر وہی وطن اصلی کی طرف واپسی۔

۳۲ (اور تم قریب و بعید ہر قسم کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ)

مابین أیدیکم۔ وہ عذاب جو سامنے کا ہے، یعنی اسی دنیا کا عذاب اور اس کا ہر وقت احتمال ہے۔

وماخلفکم۔ وہ عذاب جو آخرت میں پیش آئے گا، اور اس کا وقوع یقینی ہے۔

ان دونوں کے اور بھی معنی کیے گئے ہیں، حاصل سب کا یہ ہے کہ ہر قسم کے عذاب سے تقویٰ اختیار کرو۔

لعلکم ترحمون۔ دعوت تقویٰ اسی جلب رحمت کی غرض سے دی جارہی ہے، تمام تر انسان ہی کے نفع و راحت کے لیے۔

۳۳ یہ بیان ہے منکرین کی مستقل قساوت قلب اور عدم تاثر کا۔

من آیة۔ من زائدہ تاکید و استغراق کے لیے ہے۔

من مزیدة لتاکید العموم. (روح، ج ۲۳/ ص: ۲۹)

۳۴ متکبر روسائے قریش سے جب کہا جاتا تھا کہ غریبوں، مسکینوں کی اعانت کرو (جو عموماً مسلمان ہی تھے) تو وہ طنزیہ جواب یہ دیتے تھے کہ ہم سے ان غریبوں کی اعانت کو کہتے ہو، حالانکہ تم

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ

اور یہ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ وعدہ آخر کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے

اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

منتظر ہیں کہ وہ انھیں آ پکڑے گی اور یہ لوگ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ تو وصیت کرنے کی

تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ

فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جا سکیں گے ۳۵ اور صور پھونکا جائے گا سو وہ لوگ یک بیک

ہی یہ بھی کہتے ہو کہ تمہارا خدا رزاق مطلق ہے، وہ جس کو رزق دے، تو خود وہ کیوں نہیں انھیں رزق دیتا؟---طنز عجیب مہمل تھا، خدا کی رزاقی بھی تو اس کی ہر صفت کی طرح اس عالم اسباب میں انسانوں ہی کے واسطے سے ظہور کرتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کب تھا کہ اللہ تعالیٰ رزاق بلا واسطہ اور بلا توسط اسباب ہے!

انفقوا مما رزقکم اللہ۔ یعنی اپنی آمدنیوں میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہو---قریش کے امراء و دولت مند عموماً کافر تھے اور مسکین و فقیر عموماً مسلمان۔ رزق رسانی کی نسبت اللہ ہی کی جانب رکھنا موقع ترغیب پر خاص طور سے مؤثر ہے۔

۳۵ قیامت کے فوری و ناگہانی وقوع اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔

ھذا الوعد۔ یعنی وعدۂ قیامت۔

متی .... صادقین۔ سوال محض طنز و تعریض سے تھا۔

صیحۃ واحدۃ۔ مراد صور کا نفخۂ اول ہے، جب سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔

صیحۃ۔ صیغۂ نکرہ کی تنوین اظہار عظمت و جلالت کے لیے ہے۔

توصیۃ۔ یعنی کسی قسم کی بھی وصیت۔ وصیت کا اشارہ تک۔

التنکیر فی التوصیۃ للتعمیم أی لا یقدر علی توصیۃ ما (کبیر، ج ۲۶/ص ۷۷)

وھم یخصمون۔ یعنی جو جھگڑے بکھیڑے دنیوی انہماک سے لازمی طور پر پیدا ہوتے ہیں، یہ دین و آخرت سے بے خبر انھی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔

مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا

قبروں سے (نکل نکل) اپنے پروردگار کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے، کہیں گے ہائے، ہماری کمبختی، کس نے ہم کو ہماری

مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا

خواب گاہوں سے اٹھادیا؟ یہ وہی ہے جس کا (خدائے) رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیمبروں نے سچ کہا تھا ۳۵ (الف) وہ بس ایک

صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ

زور کی آواز ہوگی جس سے سب یکا یک جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کردیے جائیں گے ۳۶ پھر اس دن

أی یتخاصمون ویتنازعون فی معاملاتهم ومتاجرهم لایخطر ببالهم شیئ من مخایلها. (روح، ج ۲۳/ص: ۳۱)

اس ٹکڑے سے ایک اور بات صاف ہوگئی۔ قیامت یہ نہ ہوگا کہ بالکل دفعۃً اور بغیر کسی قسم کی سابق علامت کے آجائے۔ علامتیں قیامت کی تو مدت سے شروع ہوگئی ہیں فقد جاء أشراطها۔ مراد یہ ہے کہ اہل غفلت اپنی زق زق بق بق میں اس درجہ پڑے ہوئے ہوں گے کہ ان کو قیامت کی آمد کا پتا بھی نہ چلے گا، اور ان کے احساس وادراک کے لحاظ سے وہ ان پر اکبارگی آپڑے گی۔

یا یہ مراد ہو کہ یہ منکرین خود حقیقت دین سے متعلق بحث ومباحثہ، شک وشبہ، رد وقدح میں پڑے ہوئے ہوں گے۔

یحتمل أن یقال یخصمون فی البعث. (کبیر، ج ۲٦/ص: ۷۷)

۳۵ (الف) (چنانچہ یہ وقوع قیامت انھی سچے وعدوں کا ظہور ہے)

هذا .... المرسلون۔ یہ پورا ٹکڑا قیامت کے دن فرشتوں کی زبان سے ادا ہوگا۔

نفخ فی الصور۔ مراد صور کا نفخۂ ثانی ہے، جب سب از سر نو زندہ ہو کر اکٹھے ہو جائیں گے۔

مرقدنا۔ مرقد صورۃً واحد ہے، مراد جمع ہے۔

یراد بالمفرد الجمع أی مراقدنا (روح، ج ۲۳/ص: ۳۲)

برزخ کی درمیانی زندگی، حشر برپا ہو جانے پر خواب کی زندگی معلوم ہوگی، اسی لیے اہل حشر اس کو مرقد سے تعبیر کریں گے۔

۳٦ حق تعالیٰ کو قیامت برپا کرنے میں نہ کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہوگی، نہ

لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور تم کو بدلہ بھی بس انہی کاموں کا ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ۳۷

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ

اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلے میں خوش دل ہوں گے، وہ اور ان کی بیویاں

فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ

سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھی ہوں گی، ان کے لیے وہاں میوے ہوں گے

وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور ان کے لیے وہ (سب کچھ) ہوگا جو کچھ وہ مانگیں گے ۳۸

مشقت وتعب کی۔ بس ایک نفخ صور بالکل کافی ہوگا۔

۳۷ وہ دن عدل کامل کے ظہور کا ہوگا۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی، ہر ایک کا معاملہ الگ ہو کر رہے گا۔

لاتظلم نفس شیئاً۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اس روز سزا کسی بے گناہ کو مل جائے، یا کسی گنہگار کو اس کے درجۂ گناہ سے بڑھ کر ملنے لگے۔

۳۸ (بلکہ بلا طلب بھی پاتے رہیں گے)

نقشہ جنت کی غیر فانی راحتوں اور لاثانی آسایشوں کا پیش ہو رہا ہے، اور ضمناً سبق اس کا بھی مل رہا ہے کہ مادی راحتیں اور آسایشیں نہ کسی مومن کے مرتبے سے فروتر ہیں نہ کسی جنتی کے۔

شغل۔ ہر وہ مشغلہ مراد ہے جو ذوق کو بالکل گھیر لے۔

العارض الذی یذهل الانسان (راغب، ص:۲۹۵)

هو الشأن الذی یصدر المرء ویشغله عما سواه من شئونه لکونه أهم عنده من الکل (روح، ج ۲۳/ص:۳۴)

اور انسان کے دل پسند مشغلوں کا نہ حصر ممکن ہے نہ شمار۔ ساری ہی لذیذ کیفیات کے لیے یہ ایک جامع لفظ ہے۔

لفظ کے صیغۂ نکرہ میں لانے سے بھی یہی مقصود ہے کہ لذت کی عظمت، اہمیت و وسعت ظاہر ہو۔

وفی تنکیر شغل وابهامه تعظیم لما هم فیه من البهجة والتلذذ وتنبیه علی أنه أعلی مایحیط به الافهام. (بیضاوی، ج ٤/ص: ١٩٠)

ما یدعون کی وسعت اطلاق و جامعیت قابل غور ہے، جسمانی، دماغی، روحانی، ہر قسم کی ہر ممکن لذت، راحت، مسرت، نعمت اس کے عموم میں آگئی۔ اہل جنت جو کچھ بھی چاہیں گے، جو کچھ بھی مانگیں گے، سب ہی کچھ ان کے لیے حاضر و موجود ہوگا۔

یدعون کی تفسیر یہاں یتمنون سے بھی کی گئی ہے۔ گویا مانگنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ ادھر تمنا پیدا ہوئی اور ادھر وہ شے حاضر و موجود ہوگئی۔

قیل یتمنون من قولهم ودع علی ما شئت بمعنی تمنه علی (کشاف، ج ٤/ص: ٢١)

لیکن اگر یدعون کو طلب ہی کے معنی میں رکھا جائے، جب بھی کیا مضائقہ ہے۔ بلکہ کسی لذیذ محبوب شے کا طلب کرنا، جب کہ اس کا مل جانا اور فوراً مل جانا یقینی ہو، بجائے خود ایک لذت ہے۔

وأزواجهم۔ أزواج سے مراد بیویوں ہی سے لی گئی ہے---- بیویاں کوئی گندی چیز نہیں، جو جنت کے طہارت و نزاہت کے منافی ہوں۔

قال مجاهد: وحلائلهم (ابن کثیر، ج ٣/ص: ٥٣٦)

أی حلائلهم. (معالم، ج ٤/ص: ١٧)

والظاهر أن المراد بالأزواج أزواجهم المؤمنات اللاتی کن لهم فی الدنیا. (روح، ج ٢٣/ص: ٣٦)

یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ ایمان و طاعت میں ان کے رفیق۔

أی أشکالهم فی الاحسان وأمثالهم فی الإیمان. (کبیر، ج ٢٦/ص: ٨١، روح، ج ٢٣/ص: ٣٦)

المراد به أخلاؤهم. (روح، ج ٢٣/ص: ٣٧)

سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

سلام انھیں کہا جائے گا پروردگار مہربان کی طرف سے ۳۹ؑ اور آج الگ ہو جاؤ اے مجرمو! ۴۰ؑ

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾

کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی، اے اولادِ آدم کہ تم شیطان کی فرماں برداری نہ کرنا وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ

اور یہ کہ تم عبادت میری ہی کرنا یہی سیدھا راستہ ہے وہ تم میں سے ایک بڑی مخلوق کو گمراہ

جِبِلًّا كَثِيْرًا ط اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ

کر چکا ہے، سو کیا تم اتنا نہیں سمجھتے تھے؟ ۴۱ؑ یہی ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا

۳۹ؑ یعنی حق تعالیٰ رحیم و کریم کی طرف سے انھیں سلام پہنچتا رہے گا، خواہ فرشتوں کے واسطے سے، خواہ بلا واسطہ و براہِ راست--- اہلِ جنت کا یہ انتہائی اکرام ہے۔ اکرام کا کوئی درجہ اس کے بعد ممکن بھی کیا ہے!

والمعنى أن الله يسلم عليهم بواسطة الملائكة أو بغير واسطة مبالغة فى تعظيمهم (كشاف، ج ٤/ص:٢٢)

هو أكمل الأشياء وهو آخرها الذى لاشيئ فوقه (كبير، ج ٢٦/ص:٨٣)

۴۰ؑ (اہلِ ایمان سے)

المجرمون۔ مجرموں سے مراد کفر و شرک کے مجرم ہیں------مومنوں کے مقابل۔

الیوم۔ سے ظاہر ہے کہ یوم حشر مراد ہے۔

۴۱ؑ یہ سب ان مجرموں کو قائل کرنے کے لیے ان سے حشر میں کہا جائے گا--- آگے بھی دو آیتوں میں یہی مضمون چلا گیا ہے۔

یبنی آدم۔ قرآن کی مخاطب ساری نسلِ انسانی، بلالحاظ قوم، نسل و وطن ہے۔ اس کا ایک مزید ثبوت۔

تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ

جایا کرتا تھا گھسو اس میں آج اپنے کفر کے بدلے، آج ہم ان کے منھ پر مہر لگادیں گے

عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے یہ لوگ کیا کیا

يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ

کرتے رہتے تھے ۴۲ اور اگر ہم چاہتے ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کردیتے پھر یہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے

لا تعبدوا الشیطان۔ عبادت یہاں اطاعت کے مفہوم میں ہے۔

المراد بعبادة الشيطان طاعته (روح، ج ۲۳/ص: ۴۰)

وعبادة الشيطان: طاعته في ما يوسوس به إليهم ويزينه لهم (كشاف، ج ٤/ ص: ٢٢)

أى لا تطيعوا الشيطان (معالم، ج ٤/ص: ١٨)

اطاعت شیطان کی طرف سے شدت نفرت و بیزاری پیدا کرنے کے لیے اسے عبادت سے تعبیر فرمایا گیا۔

عبر عنها بالعبادة لزيادة التحذير والتنفير عنها (روح، ج ۲۳/ص: ۴۰)

إن......مستقيم۔ سارے احکام وشرائع کا خلاصہ وماحصل بس یہی توحید یا عبادت الٰہی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ جو بعض صوفیہ نے اپنے لیے بت پرست وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں، ان سے بھی ان کی مراد اقرار کفر سے نہیں، بلکہ اپنے کو مطیع نفس ظاہر کرنے سے ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۷۰)

۴۲ (غرض یہ کہ ان کی کل رودادِ زندگی رتی رتی حق تعالیٰ کے سامنے انھی کے ہاتھوں پیروں کی زبانی پیش ہوگی)

نختم علی أفواههم۔ یہ منہ پر مہر لگنا یوں ہوگا کہ وہ کوئی جھوٹی داستان تصنیف کرکے پیش ہی نہ کرسکیں۔

فَاَنّٰی یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰہُمۡ عَلٰی مَکَانَتِہِمۡ

سو اُن کو کہاں نظر آتا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں جہاں کی تہاں مسخ کر ڈالتے

فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِیًّا وَّلَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنۡ نُّعَمِّرۡہُ نُنَکِّسۡہُ

نہ یہ آگے کو چل سکتے، نہ پیچھے کو لوٹ سکتے ۴۳ اور ہم جس کی عمر (بہت) دراز کر دیتے ہیں تو اسے (اس کی) خلقت کے لحاظ سے

فِی الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ

لوٹا دیتے ہیں سو کیا یہ لوگ (اتنا) بھی نہیں سمجھتے؟ ۴۴ اور ہم نے آپ کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی

تکلمنا...... یکسبون۔ سورۃ النور میں اسی سے ملتے ہوئے مضمون کی آیت تشہد علیھم ألسنتھم پر حاشیہ گزر چکا۔

ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضائے جسم کی گواہیاں تو اسی دنیا میں مل جاتی ہیں، چہ جائے کہ حشر میں جو محل ہی ہر قسم کے کشف حقائق کا ہوگا۔

بما کانوا یکسبون۔ اسی صیغۂ استمرار نے ایک بار پھر صاف کر دیا کہ سزائے جہنم جو ملے گی، وہ کسی اتفاقی لغزش پر نہیں، بلکہ ایک عمر کے مسلسل کفر و طغیان پر۔

۴۳ یعنی یہ سب سزائیں ہمارے امکان قدرت میں تھیں، لیکن وہ ان سے اس دنیا میں محفوظ رہے، اس سے انھیں مہلت مل گئی، اور اصلاح حال کی ذمہ داری ان پر بڑھ گئی۔

لطمسنا علی أعینھم۔ لمسخناھم علی مکانتھم۔ یعنی یہ سب سزائیں اسی دنیا میں انہیں ان کے پاداش کفر میں دے دیتے۔

ولو نشاء۔ یہ ترکیب قرآن میں جہاں بھی آتی ہے مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر ہم اپنی مشیت ایسی ہی رکھتے۔

۴۴ یعنی اس روزمرہ کے مشاہدے سے کیا وہ یہ سبق نہیں لیتے کہ ہم ہر مسخ و تغییر حالت پر قادر ہیں؟

فی الخلق۔ خلقت یا طبیعت سے مراد انسان کے جسمانی قویٰ اور رنگ و روغن، حسن و جمال وغیرہ ہیں۔

وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ؕ

اور نہ وہ آپ کے شایان ہے ۴۵

خُصّ الخلقُ بالهيئات والأشكال والصور المدركةِ بالبصرِ. (راغب، ص:۱۷۷)

ننکسہ۔ قویٰ کے الٹا دینے سے مراد ہے، ان کا انقلاب کامل سے ناقص اور اعلیٰ و اشرف سے ارذل و اسفل کی طرف۔

۴۵ (بحیثیت آپ کی پیمبری کے)

قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ احمق مشرک آپ کے بیان کیے ہوئے مضامین عالیہ کو مؤثر پاکر اسے شاعری کی ساحری قرار دے رہے ہیں، جو ان بے چاروں کا منتہائے فکر ہے۔ شاعری یعنی تخئیلی مضمون آفرینی کو مرتبۂ نبوت سے مناسبت ہی کیا؟ آپ کے ہاں تو حقائق ہی حقائق ہیں۔ کہاں یہ، کہاں شاعری کی بہتر سے بہتر خیال بندیاں، وہ تو اس سے کہیں فرومرتبہ ہیں۔

هذا رد لما كانوا يقولونه من أن القرآن شعر والنبی صلی اللّٰه علیه وسلم شاعر وغرضهم من ذلك أنما جاء به عليه الصلاة والسلام من القرآن افتراء وتخيل (روح، ج۲۳/ص:۴۷)

الشعر۔ شعر یہاں اپنے معروف ومتعارف معنی، یعنی کلام موزوں ومقفیٰ کا مرادف نہیں، بلکہ شعر سے یہاں مراد جھوٹی خیال آرائیاں اور حقیقت وواقعیت سے عاری مضمون آفرینیاں--- شعر وشاعر عربی میں گویا کذب وکاذب ہی کے مرادف ہیں۔

إنما رموه بالكذب فإن الشعر يعبر به عن الكذب والشاعر الكاذب، حتى سمّى قوم الأدلة الكاذبة الشعرية (راغب، ص:۲۹٤)

وأما معنىً فلأن الشعر تخيلات مرغبة أو منفرة أو نحو ذلك وهو مقر الأكاذيب. (روح، ج۲۳/ص:٤٦)

ومایبنغی له۔ یہاں سے شعر کی پستی کا استنباط کیا گیا ہے۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۶۹﴾ لِّيُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الۡقَوۡلُ

یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت اور کھلی ہوئی آسمانی کتاب ہے۔ ۴۶ تا کہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور تا کہ کافروں پر حجت

عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَاۤ

ثابت ہو جائے۔ ۴۷ کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں میں

اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَمِنۡهَا

مویشی پیدا کیے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن گئے ۴۸ اور ہم نے ان (مواشی) کو ان کا تابع بنا دیا، سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو

وفی الآیة دلالة علی غضاضة الشعر وهی ظاهرة فی أنه علیه الصلاة و السلام لم یعط طبیعة شعریة اعتناءً بشأنه ورفعاً لقدره (روح، ج ۲۳/ص: ۴۷)

۴۶ (ایسی پر حقائق ولبریز معارف تعلیمات کو شاعرانہ تخئیل آرائی سے مناسبت ہی کیا؟)

قرآن مبین "کھلی ہوئی کتاب" اپنی تعلیمات اور اپنے احکام کی وضاحت کے لحاظ سے۔

۴۷ (نزول عذاب کے لیے)

من کان حیا۔ یعنی جو زندہ ہو حیات خاص کے ساتھ، یا آج کل کی زبان میں زندہ ضمیر کے ساتھ۔ آیت کا یہ جز خاص طور پر اہم وقابل توجہ ہے۔ قرآن مجید سے ڈرنا، ڈر کر نصیحت پذیر ہونا، ہر کس وناکس کا کام نہیں۔ اس سے ڈرے گا تو بس وہی، جس کا ضمیر زندہ ہو۔ جس کا ضمیر ہی مردہ ہو چکا ہے اس پر یہ کلام بے اثر رہے گا۔ رومیؒ ع

یاد دہ مارا سخنہائے دقیق — کہ تورا رحم آورد آں ای رفیق

۴۸ (اور بغیر کسی استحقاق کے انہیں اپنے تصرف وقدرت میں لانے لگے)

انعاما۔ چوپائے جانور خصوصاً مویشی ہر ملک اور ہر زمانے میں انسان کے لیے ایک بڑی دولت اور اس کے کام کی چیز شمار ہوئے ہیں۔

مما عملت أیدینا۔ اظہار تخصیص اور اہتمام کے لیے ہے، ورنہ ظاہر ہے ہر مخلوق اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔

فهم لها مالکون۔ فقہاء نے اسی سے جواز ملکیت شخصی پر استدلال کیا ہے۔

يَاْكُلُوْنَ ۝٧٢ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝٧٣

وہ کھاتے ہیں، اور ان میں سے ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں، سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ۴۹

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝٧٤ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

اور انھوں نے اللہ کے سوا اور بھی معبود قرار دے رکھے ہیں تاکہ ان سے انھیں مدد ملے (حالانکہ) وہ ان کی (کچھ بھی)

نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝٧٥ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ

مدد نہیں کر سکتے اور وہ ان کے حق میں ایک فریق ہو جائیں گے لا حاضر کیے ہوئے ۵۰ پس آپ کو ان لوگوں کا قول رنج میں نہ ڈالے

۴۹ (اور ان نعمتوں کے استحضار کے باوجود کفران نعمت پر تلے ہوئے ہیں)

خلقنا لهم .... وذللنها لهم۔ گائے بیل وغیرہ سارے مویشی تو خود انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ انسان کمال حماقت سے الٹی انھی کی پرستش میں مبتلا ہو جائے -- مویشی پرستی ہندوستان کے علاوہ اور بھی ملکوں مصر وغیرہ میں عام رہی ہے۔

منها رکوبهم ومنها یاکلون۔ چوپایوں سے بڑے اور اہم ترین مقصد یہی دو ہیں: ایک یہ کہ وہ سواری، بار برداری، گاڑی کھینچنے وغیرہ کا کام دیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا گوشت، دودھ وغیرہ انسانی استعمال میں آئے۔

مشارب۔ دودھ، دہی وغیرہ سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

منافع۔ چوپایوں کی ہڈیوں، بالوں اور کھالوں کی تجارت اور پھر ان سے طرح طرح کی مصنوعات تیار کرنا، اور ان کے لیے بڑے بڑے کارخانے، بازار اور منڈیاں پیدا کرنا، یہ سب اس جامع لفظ منافع کے اندر داخل ہے۔

۵۰ یعنی ان دیوی دیوتاؤں سے مشرک توقع تو یہ رکھتا ہے کہ وہ اس کے آڑے آئیں گے، سو یہ ہونا تو الگ رہا، حشر میں وہ اور اس کے فریق مخالف کی حیثیت سے پیش ہوں گے، اور الٹے اسی پر الزام رکھیں گے۔

اِنَّا نَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ

بے شک ہم ہی جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں ۵۱ کیا انسان کی نظر اس پر نہیں کہ ہم نے اسے

مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ

نطفہ سے پیدا کیا، سو وہ ایک کھلا ہوا معترض ہے اور ہمارے شان میں عجب (گستاخانہ) مضمون بیان کیا اور اپنی خلقت کو بھول گیا ۵۲

قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَہِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ

کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں، آپ کہہ دیجئے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے

اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ

انہیں اوّل بار پیدا کیا تھا اور وہی سب طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے ۵۳ اور وہ ایسا ہے کہ

۵۱ (اور ہم ہی ان سے وقت مناسب پر نپٹ لینے کے لیے کافی ہیں)

فلایحزنك قولهم۔ یعنی جب وہ توحید تک میں ایسی سفاہت کی باتیں کرتے ہیں، تو پھر آپ کو اگر شاعر کہہ دیا تو اس پر کیوں اتنا کڑھیے۔

أی إذا کان حالهم مع ربهم عزوجل فلاتحزن بسبب قولهم علیك هو شاعر.

(روح، ج۲۳/ص:۵۲)

۵۲ (کہ کیسی حقیر چیز سے اسے پیدا کیا، اور کیسی بے بسی کی حالت میں اسے رکھا) انسان کو ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو کہیں بھی استکبار و خود بینی اس میں نہ پیدا ہونے پائے۔

۵۳ سو جو ایجاد ابداء پر قدرت رکھتا ہے، اس کے لیے اعادہ کیا دشوار ہے؟ بلکہ جو ابداء پر قادر ہے اسے تو قیاس انسانی کے مطابق اعادہ پر اور زیادہ قادر ہونا چاہیے۔

فیه من أوضح الدلیل علی أن من قدر الإنشاء علی الابتداء کان أقدر علی الإعادة (جصاص، ج۳/ص:۳۷٦)

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے قیاس منطقی و فقہی کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔

مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَلَيْسَ

ہرے درخت سے آگ تمہارے لیے پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے (اور) آگ سلگا لیتے ہو ۵۴ تو کیا

وفيه الدلالة على وجوب القياس والاعتبار لأنه ألزمهم قياساً نشأة الثانية على الأولىٰ (جصاص، ج۳/ص:۳۷۶)

قال ...... رميم۔ ''روشن خیال'' منکرین بعث کا بیان ہو رہا ہے، جن کی کمی کسی زمانے میں بھی نہیں رہی ہے، وہی گستاخانہ اور تمردانہ لہجے میں یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ ہڈیاں جب سڑ گل گئیں تو ان کی حیات ثانی ممکن کیوں کر ہے؟

من يحي العظام .... يحييها۔ ''عظام'' کے ساتھ ''احیاء'' کے اس اتصاف سے بعض فقہاء نے استدلال ہڈی کے ذی حیات یا جان دار ہونے پر کیا ہے، لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ "احیاء" تو اسی مجازی معنی میں ہے، جس معنی میں "ارض" (زمین) کے لیے آیا کرتا ہے۔

احتج بعضهم على أن العظم فيه حياة فيجعلهٗ حكم الموت بموت الأصل ويكون ميتة وليس كذلك لأنهٗ إنما سماه حيا مجازاً (جصاص، ج۳/ص:۳۷۶)

والمراد باحياء العظم ...... ردها الى ما كانت عليه غضة رطبة في بدن حي حسّاس (مدارك، ص:۹۹۵)

لیکن اگر ہڈی میں حیات کا وجود اسی کے مناسب حال تسلیم کر لیا جائے، جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

ہڈی فقہ اہل سنت میں نجس نہیں، طاہر ہے۔

وهي عندنا طاهرة (مدارك، ص:۹۹۵)

أنشأها أول مرة۔ یعنی ایسی حالت میں انھیں پیدا کر دیا، جب کہ وہ حیات سے بالکل بیگانہ و بعید تھیں۔

۵۴ (تو جو رطوبت سے آگ پیدا کر دیتا ہے اس کے لیے جماد میں حیات پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟)

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرڈالا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کردے ۵۵

بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ

ضرور (قادر) ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ تو بس جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے

كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ

کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے ۵۶ اسی کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہرچیز کا پورا اختیار ہے

وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

منه .. توقدون۔ دیا سلائی وغیرہ کے دور سے بہت قبل، آگ عموماً چقماق سے پیدا کی جاتی تھی، اور عرب میں وہ مخصوص درختوں کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔

جعل ...... ناراً۔ یہاں ضمناً آتش پرستی کا بھی رد آگیا۔ آگ ایسی چیز ہے جو تمام تر مخلوق ہے۔ اس میں معبودیت والوہیت کا شائبہ تک نہیں۔

۵۵ اول تو کہاں خلق اول، نیستی سے ہستی، عدم سے وجود میں لانا، اور کہاں حیات ثانی۔ اور پھر کہاں آسمان وزمین کا جثہ وجسامت اور کہاں انسان ضعیف البنیان!

۵۶ یعنی وہ خلاق مطلق ہے، محض اپنے ارادہ ومشیت سے، معدوم کو موجود کردینے والا، اسے حاجت نہ مادہ کی، نہ روح کی، نہ ہیولیٰ کی نہ کسی اور چیز کی۔

له۔ ضمیر اس مخلوق کی اس صورت کی طرف ہے، جو حق تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔

کن فیکون۔ حاشیہ سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۷ میں گزر چکا۔

إذا...... فیکون۔ محاورے میں یہ محض انتہائی سرعت تکوین کا بیان ہے، یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ کی زبان سے حروف ک اور ن (جو خود ہی حادث ہیں) کا مرکب ادا ہوتا ہو۔

عبر عن ایجاده بقوله کن من غیر أن کان منه کاف ونون، وإنما هو بیان لسرعة الإیجاد (مدارك، ص: ۹۹۶)

تذییل

احادیث میں سورۂ یٰسٓ کے فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں اور اسے قلب قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ ۱۳/اپریل ۱۹۴۱ء کو میری ضعیف العمر والدہ ماجدہ نے اپنی علالت میں شدت کرب کے وقت مجھ نامہ سیاہ سے اس سورہ کے پڑھنے کی فرمائش کی، اور یہی ان کا آخری کلام مجھ سے تھا۔ تعمیل ارشاد کردی گئی، اور انھیں تسکین ہوگئی، کچھ دیر کے بعد سکرات کی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے سرہانے بیٹھ کر میں نے پھر یہی سورہ شروع کی، اور آیت کریمہ سلام قولاً من رب رحیم کو تکرار کرکے تین بار پڑھا، ادھر سورہ کا آخری لفظ "والیہ ترجعون" زبان سے ادا ہوا، ادھر اس شفقت مجسم کی روح نے جسد خاکی کو خالی کردیا، قارئین کرام سے التجا ہے کہ جب یہ سطریں ان کی نظر سے گزریں، تو اس تباہ کار اور اُس مرحومہ دونوں کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

فہرست مراجع

تفاسیر

١ـ تفسير أبى السعود أو إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم۔ أبوالسعود محمدبن محمدبن مصطفى العمادى الحنفى۔ تحقيق عبداللطيف عبدالرحمن، دارالكتب العلمية بيروت۔ الطبعة الاولىٰ ١٤١٩هـ - ١٩٩٩م

٢ـ أحكام القرآن۔ أبوبكر أحمد بن على الجصاص الرازى۔ دارالفكر بيروت۔ لبنان

٣ـ أحكام القرآن۔ ابوبكر محمدبن عبداللّٰه المعروف بابن العربى۔ تحقيق محمد عبدالقادر عطا۔ دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤٠٨هـ - ١٩٨٨م

٤ـ أنوارالتنزيل وأسرارالتاويل (تفسيرالبيضاوى) أبوسعيد عبداللّٰه بن عمر الشيرازى البغدادى۔ دارصادر، بيروت۔

٥ـ تفسير البحرالمحيط۔ محمد بن يوسف الشهيربأبى حيان الأندلسى۔ دارالفكر، بيروت۔ الطبعة الثانية ١٤٠٣هـ - ١٩٨٣م

٦ـ بیان القرآن۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی

٧ـ تأويل مشكل القرآن لابن قتيبة۔ تحقيق السيد أحمد صقر۔ المكتبة العلمية، بيروت۔ الطبعة الثالثة، ١٤٠١هـ - ١٩٨١م

٨ـ التفسيرات الأحمدية فى بيان الآيات الشرعية۔ احمد ملاجيون جونپورى۔ مطبع كريمى، ممبئى

۹۔تفسیرالقرآن العظیم۔لابن کثیرالدمشقی۔المکتبة العصریة،صیدا، بیروت۔
الطبعة الاولیٰ ، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸م
۱۰۔تفسیرعزیزی المعروف بہ وعظ عزیزی، ابوالفرید محمد امام الدین۔مطبع انصاری، دہلی
۱۱۔التفسیرالقیم۔للإمام ابن القیم۔جمعه محمد أویس الندوی۔تحقیق حمد
حامد الفقی۔مطبعة السنة المحمدیة۔ ۱۳۶۸ھ-۱۹۴۹م
۱۲۔التفسیرالکبیر أومفاتیح الغیب۔فخرالدین محمدبن عمرالرازی۔دارالکتب
العلمیة، بیروت۔ الطبعة الاولیٰ،۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰م
۱۳۔الجامع لأحکام القرآن (تفسیرالقرطبی)۔ دارإحیاء التراث العربی، بیروت۔
۱۴۰۵ھ-۱۹۸۵م
۱۴۔ جامع البیان فی تاویل القرآن (تفسیر الطبری) أبوجعفر محمد بن
جریرالطبری۔تحقیق أحمد محمد شاکر، محمود محمد شاکر۔ مؤسسة
الرسالة۔ الطبعة الاولیٰ ۱۴۲۰ھ-۲۰۰۰م
۱۵۔تفسیرالجلالین۔جلال الدین محمدبن أحمدالمحلی و جلال الدین أبوبکر
عبد الرحمن السیوطی ۔ دارالمعرفة ،بیروت، لبنان
۱۶۔خلاصۃ التفاسیر۔فتح محمد تائب۔مدرسہ رفاہ المسلمین، لکھنؤ
۱۷۔روح المعانی فی تفسیرالقرآن العظیم والسبع المثانی۔محمد الآلوسی
البغدادی، دارإحیاء التراث العربی۔ بیروت، لبنان۔
۱۸۔غایۃ البرہان فی تاویل القرآن۔حکیم سید محمد حسن نقوی، مطبع ریاضی، امروہہ۔۱۳۲۲ھ
۱۹۔تفسیرغریب القرآن۔أبومحمد عبداللّٰہ بن مسلم بن قتیبة۔ تحقیق الشیخ ابراهیم
محمد رمضان۔ دارومکتبة الهلال، بیروت۔ الطبعة الاولیٰ :۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱م
۲۰۔ تفسیرالکشاف۔أبوالقاسم محمود بن عمرالزمخشری۔دارالکتب العلمیة،
بیروت۔الطبعة الاولیٰ:۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م

٢١ـ مدارك التنزيل وحقائق التاويل (تفسير النسفی) عبدالله بن أحمد النسفی ـ دار المعرفة، بیروت ـ الطبعة الاولیٰ: ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م

٢٢ـ معالم التنزيل (تفسير البغوی) حسین بن مسعود البغوی ـ تحقیق عبدالرزاق المهدی ـ دار إحياء التراث العربی، بیروت، لبنان ـ الطبعة الثانیة: ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م

٢٣ـ معجم مفردات القرآن ـ ابو القاسم حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانی ـ تحقیق ابراهیم شمس الدین ـ دار الکتب العلمیة، بیروت ـ ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م

متفرقات

٢٤ـ أقرب الموارد فی فصح العربیة والشوارد ـ سعید الخوری الشرتوی ـ مکتبة آیة الله العظمیٰ المرعشی، قم، ایران ـ ١٤٠٣هـ

٢٦ـ ایران بعهد ساسانیان ـ آرتھر کرسٹن سین ـ ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال (پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور) انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان ـ ۱۹۹۲ء

٢٥ـ تاج العروس من جواهر القاموس ـ محب الدین محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی ـ تحقیق علی شیری ـ دار الفکر، بیروت ـ ١٤١٤هـ-١٩٩٤م

٢٧ـ الروض الأنف فی تفسیر السیرة النبویة لابن هشام ـ أبو القاسم عبدالرحمن بن عبدالله الخثعمی السهیلی ـ دار الکتب العلمیة ـ الطبعة الاولیٰ ـ

٢٨ـ السیرة النبویة ـ عبدالملك بن هشام المعافری ـ دار الحدیث، القاهرة ـ ١٤٢٤هـ-٢٠٠٤م

٢٩ـ سیرۃ النبی ـ علامہ شبلی نعمانی ـ مکتبہ مدینہ لاہور ـ ۲۰۰۶ء

٣٠ـ الصحاح (تاج اللغة وصحاح العربیة) اسماعیل بن حماد الجوهری ـ تحقیق

احمدعبدالغفور عطار۔الطبعة الاولیٰ:١٤٠٢ھ-١٩٨٢م

٣١۔صحیح مسلم۔مسلم بن الحجاج النیشاپوری۔مکتبة الرشد ناشرون، بیروت۔١٤٢٦ھ-٢٠٠٥م

صحیح البخاری۔ محمد بن اسمٰعیل البخاری۔ مکتبة الرشد ناشرون، بیروت۔ ١٤٢٦ھ - ٢٠٠٥م.

٣٢۔عہد نبوی کے میدان جنگ۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔البلاغ پبلی کیشنز۔ ۲۰۰۱ء

٣٣۔القاموس المحیط۔مجد الدین فیروزآبادی۔دار إحیاء التراث العربی۔الطبعة الثانیة۔١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م

٣٤۔کتاب الکلیات۔ (معجم فی المصطلحات اللغویة)۔ أبوالبقاء أیوب بن موسیٰ الحسینی الکوفی۔ تحقیق عدنان درویش۔محمدالمصری۔ موسسة الرسالة، بیروت۔١٤١٩ھ-١٩٩٨م

٣٥۔لسان العرب۔ جمال الدین محمدبن مکرم بن منظورالافریقی۔دار إحیاء العربی، بیروت۔الطبعة الثالثة۔

٣٦۔مراصد الاطلاع علی أسماء الأمکنة والبقاع۔صفی الدین عبد المومن۔تحقیق علی محمد البجاوی۔دار إحیاء الکتب العربیة۔ ١٣٧٣ھ-١٩٥٤م

٣٧۔ النهایة فی غریب الحدیث والأثر۔ مجد الدین أبی السعادات المبارك بن محمد ابن الأثیر الجزری۔ دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان۔ الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ - ١٩٩٧م.

اشاریہ INDEX

مرتب: محمد مستقیم محتشم ندوی

شخصیات

(ب)

(ت)

(ث)

(ج)

(ح)

کتابیات